بسم اللہ الرحمن الرحیم

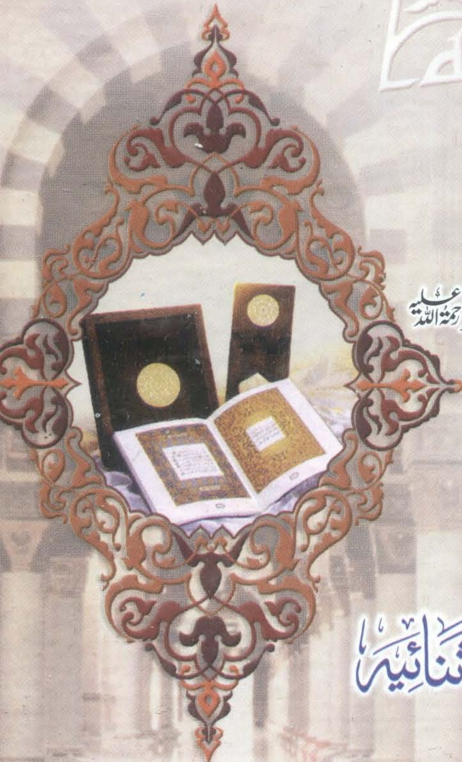
الارشاد الی سبیل الرشاد

تقلید اور عمل بالحدیث کے مبحث پر بہترین مدلل کتاب



تالیف

حضرت مولانا محمد شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ



مکتبہ ثنائیہ


يقوم اتبعون اهدكم سبيل الرشاد
الارشاد الى سبيل الرشاد
تقلید اور عمل بالحدیث کے مبحث پر بہترین مدلل کتاب
تالیف
حضرت مولانا محمد شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۳۸ھ
۱۹۲۰ء
مکتبہ ثنائیہ



نام کتاب ______ الارشاد الی سبیل الرشاد

مؤلف ______ حضرت مولانا محمد شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ______ محمد اقبال مکتبہ ثنائیہ

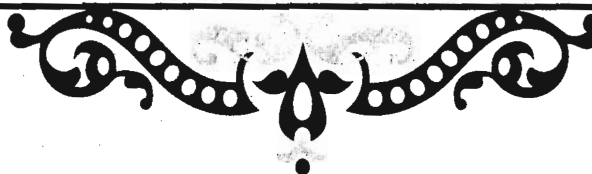
مطبع ______ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

اشاعت ______ ستمبر 2006ء

قیمت ______

ملنے کا پتہ

- نعمانی کتب خانہ اردو بازار، لاہور
- دار السلام غزنی سٹریٹ لاہور
- مکتبہ اصحاب الحدیث مچھلی منڈی لاہور
- مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ لاہور
- فیض اللہ اکیڈمی اردو بازار، لاہور
- مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ لاہور
- محمدی کتب خانہ اردو بازار، لاہور
- کتب خانہ خورشیدیہ اردو بازار، لاہور
- مکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ، لاہور
- دار الاندلس جامعہ قادسیہ چوبرجی لاہور



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی

تقدیم

(طبع ثالث)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توفیق سے، اس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی حمایت اور عاملین بالحدیث کثر اللہ سوادھم کے مسلک کی وضاحت کے سلسلے کی ایک بہترین کتاب الارشاد کی تازہ طباعت کی سعادت اس دفعہ محترم شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور کی سرپرستی میں اہل حدیث اکادمی لاہور کے حصے میں آ رہی ہے۔ جبکہ مدت سے کتاب ناپید ہو رہی تھی۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۱۹ھ میں حضرت مصنف نے مطبع انصاری دہلی میں خود طبع کرائی۔ دوسری بار مولانا حافظ محمد حسن صاحب مرحوم و مغفور (۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) کے حسنِ اہتمام سے رجب ۱۳۵۲ھ (اکتوبر ۱۹۳۳ء) میں ثنائی برقی پریس امرتسر میں طبع ہوئی۔ جس کی قدرے تفصیل مرحوم کے پیش لفظ (شامل اشاعت ہذا) میں آ گئی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا قریبی محرک، شاید مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا کتابچہ سبیل الرشادؒ ہوا ہو گا جو اہل حدیث کی گرم تردید کے لیے وقف ہے۔ جس کو مولانا محمود الحسن (شیخ الھندؒ) کے تیز پیش لفظ کے ساتھ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی (موجودہ تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کے والد) نے شائع کیا تھا۔

صاحبؒ الارشادؒ نے یہ رسالہ اجمالاً سامنے رکھا ہے، (جس پر تفصیلی تنقید کو "الارشاد" کے دوسرے حصے پر اٹھا رکھا، جیسا کہ صفحہ ۲۷ کے حاشیہ پر آپ دیکھیں گے، مگر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ لکھا گیا یا نہیں) لیکن آپ دیکھیں گے ہمارے مولانا نے اپنے بھائیوں کی "گرمی" سے تعرض

نہیں کیا، بلکہ نفسِ مطلب سے سروکار رکھا ہے۔ وللہ درہ۔

موقع کی مناسبت سے یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جماعت اہل حدیث کے ایک بڑے محقق عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی ۱۳۳۸ھ) نے اس کتاب پر تبصرہ "سبیل الرشاد اور الارشاد پر محاکمانہ ریویو" کے عنوان سے لکھا اور اپنے ماہنامہ اشاعۃ السنہ ملا جلد ۲۰ بابت ۱۳۲۲ھ ۱۹۱۴ء (ص ۱۷۳ تا ۲۰۲) میں اسے شائع کیا تھا جو قابلِ مراجعت ہے۔

راقم سطور نے طبع ہذا کے وقت طبع اوّل و ثانی دونوں پر ایک ایک نظر ڈالی، اگرچہ قلتِ فرصت کے سبب یہ نظر بہت سرسری تھی، اس اثناء میں اکثر حوالجات کی طرف مراجعت کی ضرورت بھی پیش آئی۔ جو کتابیں مطبوعہ مل سکیں ان کے حوالے بقید صفحات و طبعات درست اور مطبعی اغلاط ٹھیک کیے گئے۔ امکانی حد تک ترتیب کو بھی اکثر جگہ منقح کیا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ متن و حواشی کے پورے عنوان جو بوجوہ نظر ثانی کے قابل تھے ان کو از سرِ نو مرتب کیا گیا۔ نیز حضرت مصنفؒ کے حالات جس قدر مہیا ہو سکے انھیں شاملِ اشاعت کر دیا گیا۔ امید ہے پہلی دونوں اشاعتوں کی نسبت اشاعت حاضرہ میں افادیت اور تسہیل انشاء اللہ زیادہ ہوگی، تاہم خامیاں اور کوتاہیاں بشری تقاضا ہے، مناسب یہ ہے کہ ان سے درگزر فرمایا جائے اور ان سے مطلع کر دیا جائے۔

آخر میں راقم کو عزیز نوجوان مولوی حافظ محمد یوسف صاحب آف کراچی حال لاہور وفقہ اللہ وایای لما یحبہ ویرضاہ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں احقر کا خوب ہاتھ بٹایا۔ بارگاہ الٰہی میں عاجزانہ دعا ہے کہ اس کتاب کو اپنے بندوں کے لیے مفید بنائے، اور مؤلفؒ، ناشرین اور سعی کنندگان سب کو اس کے اجرِ جزیل سے محروم نہ فرمائے۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

خادم الحدیث واھلہ

احقر ابو الطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی خطیب جامع مبارک ریلوے روڈ لاہور

۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ (۲ جولائی ۱۹۶۶ء)

مولانا حکیم حافظ ابو یحییٰ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف کتاب "الارشاد"

شاہجہانپور (یوپی ہندوستان) میں پیدا ہوئے (تاریخ معلوم نہیں) آپ کے والد حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے پایہ کے فاضل اہلحدیث عالم تھے (متوفی ۱۳۳۱ھ)۔ مولانا محمد نے ساری عربی دینی تعلیم اپنے والد سے حاصل کر لی تو منطق پڑھنے رام پور چلے گئے جہاں مولانا ارشاد حسین رامپوری (متوفی ۱۳۱۱ھ) سے منطق میں مہارت پیدا کی۔ یہ رامپوری بزرگ وہی غالی مقلد تھے جنہوں نے "معیار الحق" کا جواب "انتصار الحق" لکھا — جس پر مصنف معیار کے تلامذہ کی طرف سے کم و بیش چار[1] تنقیدی کتابیں لکھی گئیں — اثنائے تعلیم میں شاگرد نے استاذ سے گہرا تقلیدی اثر قبول کر کے اہلحدیث علماء سے مناظرے کرنے شروع کر دیے تا آنکہ ایک جید اہلحدیث عالم مولانا بدر الحسن سہوانی مرحوم و مغفور سے تقلید شخصی پر ایک مناظرہ کی ٹھن گئی۔ مگر چونکہ طبیعت نہایت سلیم پائی تھی۔ اس مناظرہ کے نتیجہ حسنہ میں نقد دل ہار بیٹھے اور نہ صرف کہ مسلک اہلحدیث قبول کر لیا بلکہ مولانا بدر الحسنؒ سے شفا قاضی عیاض اور شرح عقائد پر عبور حاصل کیا اور صحیح بخاری کی سند بھی ان سے لی، نیز حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ (متوفی ۱۳۲۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر دوسری بار حدیث پڑھی۔ سند و اجازہ مولانا شیخ حسین (عرب) یمانیؒ (متوفی ۱۳۲۷ھ) سے بھی حاصل ہو گیا۔ پھر دہلی میں کچھ مدت تدریس علوم کے فرائض بھی سرانجام دیے۔ اسکے علاوہ تالیف و تصنیف کا تحقیقی ذوق بھی رکھتے تھے، لیکن چند ہی تالیفات منظر عام پر آئیں:۔ الارشاد الی سبیل الرشاد۔ (یہی عظیم القدر محققانہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے جس کو آپ نے مولانا بدر الحسن موصوف کے ملاحظہ کے بعد شائع کرایا تھا) علم المتانہ فی تحقیق تکرار الجماعۃ (یہ کتابچہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم کے رسالہ "الشمس اللامعۃ فی کراہتہ الجماعۃ الثانیہ" کا جواب ہے جس میں بدلائل موثقہ دوسری جماعت کرانے کا جواز ثابت کیا گیا، اور مولانا رشید احمد صاحب کے ایک ایک تمسک کو توڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں ۵۲ صفحوں کا یہ محققانہ رسالہ مطبع سعیدی کلکتہ (ہندوستان) سے باہتمام مولانا ضیاء الرحمٰن مرحوم و مغفور شائع ہوا۔ یہ دونوں تصنیفیں اُردو میں ہیں۔ اس کے علاوہ علمائے اہلحدیث (ہند) کے حالات لکھنے کا بھی ارادہ ظاہر کیا تھا، جیسا کہ الارشاد طبع اوّل کے آخر میں اعلان موجود ہے، مگر اس کا عملی ظہور نہ ہو سکا۔ عربی میں سنن نسائی طبع انصاری دہلی (۱۳۱۵ھ) کے حاشیہ کا بقدر ثلث (آخری) تکملہ تالیف فرمایا۔ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں وفات ہوئی۔[2] تغمدہ اللہ بغفرانہ وادخلہ بحبوحۃ جنانہ۔ ۱۳۵۶ھ میں ان کے ایک لڑکے میاں یحییٰ شاہجہان پور میں موجود تھے جو اچھے خوشحال تھے۔ اس کے بعد کا حال معلوم نہیں ہے۔ وللہ الامر من قبل و من بعد — افسوس! اس سے زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند ص ۲۴۰ — [2] ماخوذ از اخبار اہل حدیث ۱۸ جلد ۱۸ - ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ (نومبر ۱۹۲۰ء) و تراجم علمائے حدیث ہند ص ۴۷۶ - ۴۷۹ - و مقدمۃ التعلیقات السلفیہ ص ۲۸ - (علی سنن النسائی)

پیش لفظ

(طبع ثانی)

کتاب اَلْاِرْشَادُ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ مؤلفہ جناب حکیم مولانا ابو یحیٰی محمد شاہجہان پوری طَابَ اللہُ ثَرَاہٗ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ موضوع تقلید و اجتہاد پر ایک بے مثل اور بے نظیر کتاب ہے۔ تقلید کی پوری تاریخ من اولہ الی آخرہ اس میں درج ہے اور اہل تقلید اور اہلحدیث کے طرز عمل کا موازنہ نہایت شرح و بسط کے ساتھ مدلل طور پر کیا گیا ہے اور معترضین کے جملہ اعتراضات کے شافی و مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ محدثین کے کارنامے اور ان کی جملہ خدمات حدیث مشرح طور پر بیان کیے ہیں۔ گویا یہ کتاب محدثین کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ صرف تراجم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ جابجا عربی عبارتیں بھی درج ہیں۔ اس میں معلومات کا ایسا ذخیرہ ہے جو ہزاروں کتب کے مطالعہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کی کئی فصلوں کا ترجمہ مسلسل درج کیا گیا ہے۔ احناف کے بڑے بڑے مستند علماء مثلاً مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی، شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، علامہ عینی حنفی شارح صحیح بخاری، ابن ہمام وغیرہ وغیرہ۔ اور حضرات صوفیائے کرام مثلاً سید عبدالقادر جیلانی، محی الدین ابن عربی، امام شعرانی، امام غزالی، مرزا مظہر جان جاناں وغیرہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اقوال مذہب اہلحدیث کی حقانیت پر بطور شاہد پیش کیے گئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ اول سے آخر تک نہایت ادب، سنجیدگی، تہذیب اور متانت کے ساتھ لکھی گئی ہے، اور کوئی دل آزار لفظ تام کو بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ ایک دفعہ آپ شروع کر لیں تو پھر جب تک آپ ختم نہ کر لیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ اس کتاب سے اہل حدیث و برادران احناف دونوں یکساں طور پر مستفیض و مستفید ہو سکتے ہیں۔ نظر انصاف سے دیکھنا شرط ہے۔ اکثر ایسے دلچسپ اور دل لبھانے والے اچھوتے مضامین ہیں جو ما لا عین رأت ولا اذن سمعت کے مصداق ہیں۔ پہلی دفعہ یہ کتاب ۱۳۱۹ھ ہجری میں طبع ہوئی تھی۔ یعنی اس کو طبع ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں۔ کتاب نایاب ہو چکی تھی۔ میں نے جس عالم سے اس کی اشاعت کے متعلق تذکرہ کیا اس نے میری تائید کی اور کتاب کے دوبارہ طبع کرنے کی از حد تاکید کی۔ بار اول کی اشاعت میں ایک نقص ضرور تھا جس سے اکثر لوگ شاکی تھے کہ کتاب اول سے آخر تک ایک ہی سلسلہ میں تحریر کی گئی تھی۔ اس میں الگ الگ عنوانات اور جدا جدا ابواب نہیں تھے جب تک ساری کتاب نہ پڑھی جائے مضامین کا انکشاف نہیں ہوتا تھا۔ میں نے دو چار دفعہ اس کتاب کو تمام پڑھ کر نہایت محنت و جانفشانی سے ہر ایک مضمون کے علیحدہ علیحدہ عنوانات قائم کیے ہیں جس سے کتاب کے مطالعہ میں نہایت آسانی ہو گئی ہے۔ گویا کتاب کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ علماء اسلام کی خدمت میں التماس ہے کہ حتی الامکان اپنے حلقۂ زیر اثر میں اس کی اشاعت کے لیے سعی بلیغ فرما کر اجر جزیل کے مستحق ہوں اور ذی ثروت اصحاب غیر استطاعت لوگوں میں مفت تقسیم کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ کتاب کے شائع کرنے میں صحت کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

المعلن

حافظ محمد حسن امام جامع المبارک۔ برانڈرتھ روڈ، لاہور ۱۹۳۳ء



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق المبین ۔ نحمدہ ونثنی علیہ ولا نحصی ثناء علیہ ونصلی علیھم ھداۃ الخلق ومعادن الصدق ولاسیما ولد ادم محمد المصطفیٰ خاتم النبیین ۔ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وحملۃ علمہ وحفظۃ شریعتہ ائمۃ امتہ الھادین المھدیین ۔

امّا بعد :

کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں، جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں ۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے ۔ بلکہ اُن کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سُنا ہے ۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا مؤحّد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب[1] لیا جاتا ہے ۔

---

[1] چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں ۔ یعنے رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں، جیسا کہ تحریمہ باندھتے وقت ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں ۔ بنگالہ کے عوام ان لوگوں کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں ۔

انسان کا طبعی طور پر دستور ہے کہ ہمیشہ وہ اس بات کو جو اس کے رسم و رواج کے موافق ہے اور جس کو اپنے آباد اجداد سے متوارث دیکھتا چلا آیا ہے اور جس وضع و طریق پر بڑھا پلا ہے اُس کو استحسان کی نظر اور قبول کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُسی کو نہایت صحیح اور بہت درست سمجھتا ہے۔ اور جس بات کو اپنے رسم و رواج کے خلاف پاتا ہے اُس کو انکار کی نظر اور رد کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فوراً اس پر غلط اور نادرست کا حکم لگا دیتا ہے۔ اگرچہ کسی قوی تحریک پر یہ خیالات پلٹا بھی کھا جاتے ہیں مگر عام دستور یہی ہے، اور یہ دستور کسی خاص بات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ بول چال، خورد و نوش، آدابِ نشست و برخاست، مراسم شادی و غم وغیرہ سب کے ساتھ انسان کی یہی حالت ہے۔ اپنی بولی سب بولیوں سے زیادہ فصیح اور عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اپنے ملک کا کھانا پینا، کھانوں کی قسمیں، کھانا کھانے کھلانے کے طریقے، سب ملکوں سے زیادہ پسندیدہ، اور مرغوب دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے یہاں کی تہذیب، اپنے ملک کی رسوم اور طرقِ معاشرت سب سے زیادہ اچھے اور قرینِ قیاس نظر آتے اور واجب الاتباع معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے خلاف دوسرے ملکوں اور دوسرے شہروں کی بولی کریہہ معلوم ہوتی اور اس پر ہنسی آتی ہے۔ دوسرے ملک کے کھانے جو اپنے یہاں کے خلاف ہیں، مکروہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے ملک کی تہذیب اور وہاں کے مراسم بیہودہ اور خلافِ عقل نظر آتے ہیں۔ جب اُمورِ دنیاوی میں رسم و رواج کی بابت طبیعت انسانی کی یہ حالت ہے تو امورِ مذہبی اور رسوم دینی کی بابت، جو بڑے استحکام اور پابندی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، کیا حالت ہوگی۔ صدق اللہ تعالیٰ ــــ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ[1] ــــ وَقَالَ ــــ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ[2]۔

---

[1] ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس پر ریجھ رہا ہے (سورہ روم رکوع ۴)

[2] اسی طرح ہم نے بھلے دکھائے ہیں ہر فرقہ کو ان کے کام۔

(سورہ انعام رکوع ۱۳)

غیرِ حق پر اصرار اور حدوث مذاہب کے اسباب:

اسی واسطے عام دستور دیکھا جاتا ہے کہ جب آدمی ایسا مسئلہ یا کوئی مذہب کے متعلق وہ بات جو پہلے اُس نے نہیں سُنی یا اُس کے علم میں یا اُس کے رسم و رواج میں اُس کے خلاف چلا آتا ہے، سنتا ہے، تو کسی طرح اس بات کا اُس کو اعتبار نہیں ہوتا بلکہ وہ اُس کو فوراً بلا غور کیے غلط اور غیر صحیح کہہ دیتا ہے۔ اور یہ خیال اُس کا ایسا پختہ ہوتا ہے کہ اُس پرانے خیال کی صحت اور نئی بات کی غلطی میں اُس کو ذرا بھی شک نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ اس پیش آمدہ بات کی اصل اور حقیقت معلوم کرنے کا قصد تک نہیں کرتا کہ اس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو حال کھلے بلکہ بجائے اس کے کہ تحقیق کرے اس میں عیب نکالنے اور نکتہ چینی کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ غرض وہ کسی طرح اُس کو اپنے ذہن میں جگہ دینا نہیں چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام اور سابق کے اَور دینوں میں بھی حق کے خلاف بہت سے مذہب اور طریقے باہمی نزاعات و تعصّبات یا اغراض نفسانی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے پیدا ہو کر اور کچھ عرصہ تک جاری رہ کر اور رفتہ رفتہ ترقی پکڑنے کے بعد رواج پاکر ایسے مستحکم ہو گئے کہ اُن کا نہ صرف عوام کے بلکہ خواص کے بھی ذہنوں سے نکلنا اور دلوں سے دور ہو جانا سخت دشوار اور ناممکن ہو گیا۔ بلکہ ان لوگوں کو جن میں اُن مذہبوں نے رواج پایا وہی مذہب اصل اور صحیح اور دینِ آسمانی معلوم ہونے لگے، اور اُس کے خلاف کا باطل و ناحق ہونا ان کے ذہن میں بس گیا۔ جس کے سبب سے اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر اُن کے سامنے اُن کے مروّجہ مسلک کے خلاف کوئی اس اصلی اور واقعی مسلک کو جو قدیمی تھا، اور جو نفس الامری اور حق ہے پیش کرے تو ان کو اپنے مروّجہ مذہب کی حقانیت اور اس کے خلاف کے بطلان کے ذہن میں مستحکم ہونے کے سبب سے بالکل توجہ نہیں ہوتی کہ وہ پورے طور پر اس مذہب کی تحقیق کر کے نفس الامری حق کو معلوم کریں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیعوں اور خارجیوں اور معتزلہ اور دیگر ان فرقوں میں جن کو ہم ناحق جانتے ہیں اور نیز ان یہود و نصاری و ہنود میں کوئی ایسا فرد بشر نہیں جس کو اپنے

خالق کا ڈر ہو یا یہ چاہتا ہو کہ ہم اس کے سچے دین پر قائم ہو کر اس کو راضی کریں۔ اور کیا یہ سب کے سب یہی چاہتے ہیں کہ ہم حق مذہب کے سوا کسی گمراہی کے مسلک پر رہ کر عمر ضائع کر دیں اور مر کر سیدھے دوزخ میں جا پڑیں، یا کیا یہ سب کے سب سخت بیوقوف اور بالکل چارپایوں کی طرح بے عقل یا مجنون ہیں اور ان میں کوئی ہوش مند اور عقل والا نہیں، یا کچھ بھی علم نہیں رکھتا جو مذہب حق کی حقانیت کا ادراک کر سکے۔ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ایسے صاف اور ستھرے مذہب اہل سنت والجماعت کو جس کی حقانیت نہایت آشکارا ہے اور آفتاب نیمروز کی طرح چمکنے والے سچے اور پکے دین اسلام کو جس کی خوبی سے کوئی عاقل[1] انکار نہیں کر سکتا، قبول نہیں کر لیتے، اور سب کے سب اس طرف نہیں آجاتے؟ بڑی وجہ اس کی یہی ہے جو ابھی ہم کہہ چکے ہیں۔ یعنے اپنے آباء واجداد سے متوارث بات کی پابندی اور اپنی ذہن نشین بات کے خلاف کو بلا غور اور اصلیت دریافت کیے ناحق سمجھ لینا، اور غلط کہہ دینا اور اس کی اصلیت کے دریافت کا قصد تک نہ کرنا بلکہ عیب گیری اور نکتہ چینی کی طرف متوجہ ہو جانا۔

معیارِ حق وناحق :

اس لیے ضرور اور پر ضرور ہے (اور اگر ضرور نہیں تو ناحق مذہب والے فرقوں پر الزام لگانے اور قصوروار بتانے کی کوئی وجہ[2] نہیں) کہ آدمی جب کبھی کسی مذہبی

---

[1] بہت سے عقلائے یورپ اور مسیحی حکماء کے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں۔ جنھوں نے برابر اسلام کی حقانیت اور اس کی انواع واقسام کی خوبیوں کا اقرار کیا ہے۔ اگر ہم ان کو نقل کریں تو ایک مستقل کتاب بنے۔ اس باب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو دیکھو۔

[2] کیونکہ وہ بھی تو اپنے خیال میں حق ہی پر قائم ہیں اور اپنے آپ کو صحیح مذہب پر خیال کرتے ہیں۔ اب ان پر الزام ہے تو یہی ہے کہ وہ اپنے دل کو پرانے خیالات سے علیحدہ کر کے اور ان کی محبت کے پردے کو اٹھا کر منصفانہ نظر سے اس بات کو جو ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے کیوں نہیں (۲م)

اختلاف پر واقف ہو یا اس طریقہ کے جس کو وہ حق سمجھ رہا ہے کوئی خلاف کہنے والا ملے تو وہ نہایت غور اور انصاف کو کام میں لاکر اور اپنے پرانے خیالات سے پہلے خالی الذہن ہو کر اُس نئے اور پُرانے طریقے کو ایک نظر اور برابر کی نگاہ سے دیکھ کر دونوں کے محاسن اور عیوب اور ہر ایک کے دلائل و وجوہ پر غور کرے۔ پھر دیکھے کون راجح اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صحیح رائے قائم کرنے کا بہت اچھا موقع مل سکتا ہے، کیونکہ حاکم کی نظر فریقین کے ساتھ مساوی ہونا چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو کبھی انصاف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر انسان مذہبی اختلاف کے فیصلے کے وقت اپنے آپ کو پہلے سب سے علیحدہ نہ کرے اور ان مبالغوں اور زیادتیوں کو جو ہر فریق اپنے فریقِ مخالف پر جوڑ دیا کرتے ہیں اور تل کو پہاڑ کر کے بیان کرتے ہیں یا صحیح بات کو بُری صورت بنا کر دکھاتے ہیں نظر انداز نہ کرے اور فریقین کے اصل منشا کو خوب اچھی طرح معلوم نہ کرلے۔ اور ہر ایک کے اصلی بیانات اور دعویٰ اور وجوہ نہ سُن لے (نہ یہ کہ ایک طرفی بیان پر کفایت کر[1] بیٹھے) انصاف نہیں کر سکتا۔ میری رائے میں اگر آدمی

---

(۱) دیکھتے۔ اگر ایسا کریں تو ضرور حق ظاہر ہو جاوے۔ چنانچہ جو ایسا کرتے ہیں وہ بے تامل راہِ حق پر پہنچ جاتے ہیں۔ تو مسلمانانِ امریکہ اور لیورپول نے یہی طرزِ عمل برتا۔ اُن پر حق کھل گیا، اور دولتِ اسلام اُن کو نصیب ہوئی۔ دیکھو مسٹر الگزنڈر دیب صاحب اور مسٹر کوئیلم صاحب کی تحریرات جن میں اُن لوگوں نے اپنے قبولِ اسلام کی وجوہات بیان کی ہیں۔

مخالف[1] کی کتاب دیکھنے سے انکار کیوں؟

ہم نہیں سمجھتے کہ وہ لوگ جو اس قسم کی تحریروں کو جو اختلافی مسائل اور نزاعی مذاہب میں بطور فیصلہ یا ترجیح احد الجانبین کے منصفانہ دعویٰ سے لکھے جاتے ہیں یا کسی اور امر کی اصل حقیقت بیان کی جاتی ہے، اس کے دو ورق پڑھ کر اپنے ذہن میں اپنے مخالف کی تحریر سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ اگر اتفاق سے عند اللہ اُن کا مخالف ہی حق پر ہوا تو اس اعراض کا اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ اگر وہ ایسی سریع الفہم اور ذہنی قوت انتقالیہ رکھتے ہیں کہ دو ایک ورق کے دباتی بر صفحہ آئندہ

ان تمام مراحل طے کرنے اور نہایت نیک نیتی اور انصاف سے کام لینے کے بعد بھی حق سمجھ کر اس طریقے پر قائم رہا، یا اب ہوا جو نفس الامر میں حق نہیں تو وہ معذور ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔[1]

اہل حدیث سے نفرت کی اصل وجہ غلط بیانیاں ـــ اور ـــ غلط فہمیاں :

مجھ کو افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فرقے کے معاملہ میں جس کا ذکر میں نے شروع کیا ہے۔ اکثر لوگوں نے اس طریقۂ انصاف سے کام نہ لیا۔ بلکہ ان غلط بیانیوں اور زیادتیوں پر جو مخالفین نے ان پر جوڑ دیں[2] یا جن کی بنا محض غلط فہمی یا بیان کی بدعنوانی پر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) پڑھنے سے کل رسالہ کے مطالب کو سمجھ گئے تو اپنی ہی سمجھ کے موافق سمجھ گئے۔ مصنف کے منشا کو تو جب تک اول سے آخر تک نہ دیکھیں کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اور اگر نفس الامر میں بھی وہ حق پر ہیں تو کیا ایسی تحریرات دیکھنے میں اتنا بھی فائدہ نہیں کہ ایک مخالف فریق کے دلائل و مکاید ہی معلوم ہو جاویں گے۔

[1] اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے۔ (سورہ بقرہ رکوع ۴۰)

[2] **جامع الشواہد کا تذکرہ اور اہلحدیث کی طرف سے اسکے جوابات :**

ایک صاحب نے رسالہ جامع الشواہد لکھ کر شائع کیا۔ اس میں اسی قسم کے چند عقاید و اعمال اہلحدیث کی طرف نسبت کر دیے اور نام کے لیے اہلحدیث کے بعض رسائل کا حوالہ مع نشان صفحہ کے بھی لکھ دیا۔ اس سے ظاہر بینوں کو اور بھی یقین ہو گیا۔ اس رسالہ سے عوام کو اہلحدیث کے ساتھ بیحد بدظنی اور نہایت برہمی پیدا ہوئی۔ حالانکہ اس کی بنا محض غلط بیانی یا بدعنوانی پر تھی۔ جس کتاب کا حوالہ دیا، اگر کھول کر آگے پیچھے سے پڑھا جاوے تو ہرگز وہ مطلب نہیں نکلتا جو جامع الشواہد کے مؤلف دکھانا چاہتے ہیں۔ اس رسالے کے اہل حدیث کی طرف سے کئی جواب ہوئے۔ وہ جواب ہماری نظر سے بھی گزرے۔ ایک کاشف المکاید۔ دوسرا، ابراء اہل الحدیث والقرآن عما فی جامع الشواہد من التہمۃ والبہتان۔ ان رسالوں کا پھر کوئی جواب مؤلف جامع الشواہد اور ان کے ہم خیالوں نے نہیں دیا۔ ہمارے استاذ بھائی

(۳)

ہے جن سے کوئی عاقل بے نفرت کیے نہیں رہ سکتا (جیسے نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو جھوٹا کہنا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر، شفاعت سے انکار، اولیاء اللہ سے انکار، اماموں علیہم الرحمۃ کو گالیاں دینا، خالہ، پھوپھی سے نکاح جائز کہنا، وغیرہ۔ جن کی نسبت میں حلفاً اور اللہ کو گواہ کرکے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہرگز ان کا مذہب نہیں۔ اور وہ ان سب باتوں سے بری ہیں)

---

(۱۵) جناب مولوی محمد حسین صاحب لاہوری (بٹالوی، متوفی سنہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء) نے اپنے پرچہ اشاعۃ السنۃ کے نمبرہ جلد ۲ بابت ماہ مئی ۱۸۸۳ء کے سرورق پر امور مندرجہ رسالہ ہذا (جامع الشواہد) منسوبہ بجانب اہل حدیث کو لکھ کر اہل حدیث کی کتب متمسکہ سے ثابت کر دینے پر ہزار روپیہ انعام دینے کا اشتہار جاری کیا، آج تک کوئی نہ ثابت کر سکا۔ اگر یہ نسبت سچی تھی تو کیوں نہ ثابت کیا کہ سچے بھی بنتے اور مفت کا انعام بھی لیتے اور مخالف کو صحیح طور پر رسوا کرتے۔ جامع الشواہد کا جواب ہم نے بھی لکھنا شروع کیا تھا۔ اس لیے کہ جب ہم نے ان کتابوں کو جن کا حوالہ جامع الشواہد میں دیا تھا کھول کر دیکھا اور بالکل اس کے منشاء کا خلاف پایا، تو ہم نے ضروری سمجھا کہ ہم اس غلطی کو ظاہر کر دیں۔ مگر جب ہم کو مذکور الصدر دو رسالے اتفاق سے مل گئے تو ہم نے انھیں کو کافی خیال کرکے اپنی تحریر کو موقوف کر دیا۔ کسی صاحب نے ایک فتویٰ اہل حدیث کی طرف منسوب کرکے شائع کر دیا۔ جس میں سور کی چربی کی حلت اور پھوپھی خالہ سے نکاح کا جواز اور منی کے کھانے کا جواز لکھ دیا۔ جس سے دھوکے میں آکر بہت سے لوگ یہ سب باتیں اہل حدیث کی طرف نسبت کرنے لگے۔ اس فتویٰ کا تذکرہ رسالہ کلام سلیم میں بھی لکھا ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے حج کا قصہ:

جناب شیخنا حضرت مولوی نذیر حسین صاحب مدظلہم العالی جب مکہ معظمہ کو حج کے واسطے گئے تو مشہور کر دیا کہ وہاں قید کیے گئے اور اُن سے توبہ کرائی گئی۔ حالانکہ یہ بالکل غلط و خلافِ واقع ہے۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل ہمارے استاذ بھائی جناب مولوی حافظ عبداللہ صاحب محدث غازی پوری نے رسالہ الکلام المتباہ میں مع نقل خط پاشائے مکہ معظمہ جو بذریعہ فوٹوگراف حاصل کیا گیا تھا لکھا ہے جس سے بالکل ان مشہور کردہ خبروں کی تکذیب ہوتی ہے۔

اعتماد کرلیا گیا۔ اسی قسم کی جھوٹی برائیاں مشہور ہونے سے لوگوں کے دلوں میں اس فرقہ کا ایک ایسا نقشہ جم گیا کہ جس وقت وہ وہابی یا غیر مقلد کا لفظ سُنتے ہیں تو سُنتے ہی اُن کے ذہن میں اس کا ایک ایسا بُرا مفہوم گزرتا ہے جو رافضی یا خارجی بلکہ کافر کے سننے سے بھی نہیں گزرتا۔ اس نام کے سُننے سے یا اس مذہب والے کی صورت دیکھنے سے معًا ان کے ذہن میں یہ خیال گزر جاتا ہے کہ قدیمی مذہب کے خلاف نئے تراشے ہوئے مذہب والے، بدعقیدہ، رسول سے منکر، اولیاء کے غیر معتقد، ائمہ کے ساتھ گستاخ، وغیرہ۔ ہم کو خود بھی یاد ہے، جب تک ہم اس مذہب کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوئے تھے، ہم بھی ایسا ہی سمجھتے اور بعید نفرت رکھتے تھے۔ حالانکہ جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک خیال تھا غلط۔ اور وہ ہرگز ایسے نہیں بلکہ یہ مخالف فرقے کے تعصب نے جبکہ اُن کو بہت بڑا ذریعہ عوام کے مشتعل کرنے کا، اور اُن کی دلچسپ باتوں اور قرینِ قیاس ہدایتوں سے روکنے کا یہی ملا۔ لہٰذا اس سے کام لیا۔

پس عوام کے لیے اس مذہب سے نفرت کی، بجائے ایک کے دو وجہیں ہوگئیں۔ ایک تو اپنے موروثی ذہن نشین مذہب کے خلاف ہونا۔ دوسری سخت نفرت دِہ باتوں کا اس مذہب میں یقین دلایا جانا۔ اس[1] لیے عمومًا اس گروہ کے ساتھ معاملے کی وہ حالت رہی جو کسی رافضی یا خارجی سے بھی نہیں کی جاتی۔ اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ برتا گیا جو کسی بدتر سے بدتر آدمی کے ساتھ نہیں برتا جاتا۔ کسی عیسائی، ہندو، دہریے، رافضی، نیچری کے ساتھ ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، ایسا بُرا نہیں سمجھا گیا، جیسا ان کے ساتھ۔ ایسا بھی ہوا کہ اگر کوئی ان میں کا کسی مسجد میں چلا گیا، تو وہ مسجد خوب دھوئی اور پاک

---

[1] ایک صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ انتظام المساجد باخراج اہل الفتن والمفاسد۔ اُس کے صفحہ ۷ میں اہلحدیث کی بابت لکھتے ہیں: "حکام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ان (غیر مقلدوں) کو قتل کریں۔ اگر وہ لاعلمی کے عذر سے توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول نہ کریں۔ عوام اہل اسلام کو لازم ہے کہ مدعی وگواہ ہو کر حکام وقت سے سزایابی میں اُن کی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں"۔

کی گئی۔ بعض جگہ سُنا گیا کہ مٹی بھی کھود کر نکالی گئی۔ کیا اگر کتا یا سور یا ہندو یا عیسائی مسجد میں آجائے تو ایسا کیا جاتا ہے؟ کبھی نہیں۔ اور ایسا تو بہت ہوا کہ کسی جماعت میں جا کر شریک ہو گئے اور زور سے آمین کہہ دی تو امام اور سارے مقتدیوں کی نماز میں خلل آ گیا، بلکہ فاسد ہو گئی، اور دوبارہ ادا کی گئی۔ تعجب ہے کہ صرف پاس کھڑے ہونے سے کیسے نماز فاسد ہو گئی۔ اگر ہو تو صرف اُسی شخص کی ہو جس نے آمین کہی، لیکن اوروں کی طرف فساد کیسے متعدی ہوا۔ کیا اگر کوئی بے وضو یا جنب یا کوئی غیر مسلمان کسی نمازی کی جماعت میں آکر کھڑا ہو جائے، تو اُن کی نماز فاسد ہو جاوے گی؟ ہرگز نہیں۔ مگر تعصب سے یہ نوبت پہنچی۔ ہم نے مانا کہ اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، تو نہ پڑھو۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ اُن کو اپنے پیچھے بھی نماز نہ پڑھنے دی جائے، اور نہ اپنی جماعت میں شامل ہونے دیا جائے، اور نہ اُن کو مساجد میں آنے دیا جائے۔ حالانکہ اوّل الذکر (اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھنے) کی بھی حقیقت میں کوئی وجہ نہیں۔

حنفیہ اور اہل حدیث کے مابین معاہدہ اور اہل حدیث کے پیچھے نماز کا جواز:

فقہ حنفی کے موافق بے تامل ان کے پیچھے نماز جائز ہے[1]۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ ہجری دہلی میں علمائے فریقین کا ایک تحریری معاہدہ[2] ہوا، جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر ایک فریق دوسرے کے پیچھے نماز پڑھے اور کسی کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔ اس معاہدہ پر

---

[1] ملا علی قاری مکیؒ نے ایک رسالہ "الاہتداء فی الاقتداء" لکھا ہے، جس میں مخالف مذہب والے مذہب کے پیچھے نماز کو جائز غیر مکروہ ثابت کیا جبکہ وہ ارکان و شروط نماز میں کوئی کمی نہ کرے۔ علامہ ابن عابدین رد المحتار میں جو کہ فقہ حنفی کی ایک نہایت مستند کتاب ہے، اختلاف فقہاء کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ جس بات کی دل شہادت دیتا ہے وہ تو یہ ہے کہ مخالف کے پیچھے نماز پڑھنا جبکہ وہ فرائض کی رعایت کرتا ہو وہ مکروہ نہ ہو کیونکہ بہت صحابہ و تابعین جو کہ ائمہ مجتہد تھے سب ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حالانکہ ان میں باہم مسئلوں کا خلاف بھی تھا۔ دیکھو جلد ا صفحہ ۴۱۶ مطبوعہ مصر، باب الامامۃ۔

[2] یہ معاہدہ کئی بار طبع ہوا ہے۔

کئی سر برآوردہ علمائے حنفیہ کی مہریں ہیں، اور اُن کی جو اہلحدیث کا رد کیا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ فریقین کا دستخطی عدالت کمشنری دہلی میں توثیق کے لیے داخل کیا گیا۔ اگرچہ اس سے دہلی میں تعصب کو ضرور کمی ہوئی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ اور فی الجملہ لوگوں کو یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ نفرت دہ باتیں جو مشہور کی گئی ہیں مخالفوں کی زیادتی تھی۔ مگر اس کا کوئی نمایاں اثر دوسرے شہروں پر نہ پڑا، اور عناد اور تعصب کی وجہ سے مسجدوں میں آنے دینا پسند نہ کیا۔

عدالتی مقدمات میں اہلحدیث کی کامیابی:

آخر نوبت سرکاری عدالت تک پہنچی اور جا بجا مثل میرٹھ و علیگڑھ و غازی پور و بنارس وغیرہ بلکہ بعض وجوہ سے دہلی میں حکامِ وقت سے استغاثے ہوئے اور مقدمات کا سلسلہ عدالتہائے بالا دست مثل الٰہ آباد و کلکتہ و لندن تک پہنچا۔ مقلدین نے اس بنا پر کہ یہ لوگ اہلسنت والجماعت یا مسلمان نہیں، لہٰذا اہل سنت کی تعمیر کردہ مساجد میں کوئی استحقاق نہیں رکھتے۔ مساجد میں آنے سے روکا۔ حکام نے علمائے فریقین کے بیان اور ہر دو فریق کی کتب مسلمہ سے حوالے لیے اور نہایت مہذب صورت باہمی مناظرے کی قائم ہوئی۔ "غیر مقلدین" نے ظاہر کیا کہ ہم کو اسلام یا اہل سنت سے خارج کہنا صحیح نہیں۔ ہمارا بعینہٖ وہی عقیدہ ہے جو اہلِ سنت کا ہے۔ ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ فقہ کا جو مسئلہ حدیث کے خلاف ہوتا ہے ہم اُس میں حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ بجائے حدیث کے امام کے بنائے ہوئے مسئلہ پر، جس کا نام فقہ ہے، عمل کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے ہم اسلام سے یا اہل سنت سے خارج ٹھیرائے جائیں۔

دتمھیں انصاف کرو کہ کسی مسلمان کے سامنے رسولؐ کی حدیث رکھی ہو اور اس کو یہ بھی ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور منسوخ نہیں، اور یہ بھی مسلم ہے کہ پہلے زمانہ میں حدیثیں کتابوں میں جمع نہ ہونے کے سبب سے ہر امام کو سب حدیثیں نہیں مل سکیں اور اسی واسطے اماموں نے خود وصیت کی ہے کہ جب تمھیں حدیث صحیح مِل جائے

اور ہمارا مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو تو حدیث پر عمل کرنا۔ ایسی صورت میں اس مسلمان کو جبکہ امام کا بتایا ہوا مسئلہ حدیث کے خلاف پائے، کیا کرنا چاہیے۔ کیا ایسے وقت میں بھی حدیث کو چھوڑ کر کوئی دوسری بات اختیار کرنے کے لائق ہے؟)

غرض یہ لوگ ان چار اماموں میں سے کسی ایک معین امام کے مذہب کے جملہ مسائل میں تقلید کرتے ہیں۔ ہم قرآن وحدیث کو مقدم رکھتے ہیں، جو اس سے ثابت ہو وہ لیتے ہیں، خواہ کسی امام کے موافق پڑے۔ بس یہی ہم کرتے ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ناپسندیدہ باتیں ہماری نسبت مشہور کی گئی ہیں محض تہمت ہیں۔ اس کا جو کچھ ان سے ہو سکا ثبوت دیا۔ حکام نے فریقین کے بحث مباحثے وجرح قدح سننے کے بعد "غیر مقلدوں" کو ڈگری[۱] دی۔ اور تسلیم کیا کہ بے شک دلائل اور کتب مسلّمہ

---

[۱] **نقول فیصلہ جات:**

دیکھو فیصلہ دیوانی جوڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر دہلی ۵ رجنوری ۱۸۸۳ء۔ اور فیصلہ محکمہ کمشنری دہلی ۷ ر ستمبر ۱۸۸۳ء اور فیصلہ دیوانی جوڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر ۲۹ ر دسمبر ۱۸۸۳ء۔ اور فیصلہ عدالت فوجداری نصیر آباد مجسٹریٹ درجہ اول ۱۳ ر اکتوبر ۱۸۸۴ء۔ اور روبکار ضلع امرت سر۔ مجسٹریٹ ضلع امرت سر ۲۷ ر اگست ۱۸۶۸ء۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: "اگرچہ مسائل وہابیہ کو مدعاعلیہ (مقلد) ماننے یا نہ ماننے لیکن بیشک وہ بہت پکا فرقہ مسلمانوں سے ہے"۔ اور فیصلہ بابو سریش چندر بوس صاحب منصف غازی پور ۲۴ ر فروری ۱۸۹۴ء، منصف صاحب علم عربی میں بھی اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ اس لیے انہوں نے خوب سمجھ کر نہایت ہی قابلانہ اور مدلل تخمیناً تین سو صفحوں پر فیصلہ لکھا۔ فیصلہ صاحب جج بہادر ضلع غازی پورہ ۵ ر نومبر ۱۸۹۴ء جو بنا بر اپیل فیصلہ منصف صاحب مذکور صادر ہوا۔ چونکہ مختصر ہے۔ اس لیے اس کے بعض الفاظ لکھے جاتے ہیں: "اپیلانٹ اس مذہب کا مقامی رہنما ہے جس کے بانی ابوحنیفہ ہیں جو اُن چار مذہبوں میں سے ایک ہے جو مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ رسپانڈنٹ فرقہ غیر مقلدین میں سے ہے۔ جو مذاہب اربعہ میں سے کسی خاص کا پابند ہونا نہیں چاہتے، بلکہ اس امر کا دعویٰ رکھتے ہیں کہ جو کچھ عبادت اور کارروائی مذہبی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو اُسی

(باقی اگلے صفحہ پر)

فریقین کی رُو سے یہ لوگ اہل سنت ہیں اور مساجد کے بھی مستحق۔ انتہائی ڈگری "غیر مقلدوں" کی ہی رہی اور وہی راست ثابت ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پر عمل کریں"۔ اور لکھتے ہیں: "ذرا بھی کوئی وجہ اس امر کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ رسپانڈنٹ کے افعال عمدہ اعتقاد اور ایمان داری کے موافق نہیں ہیں"۔ اور لکھتے ہیں: "اپیلانٹ ہم کو زبردستی یقین دلانا چاہتا ہے کہ ان چار اماموں میں سے کسی ایک کی پیروی کیے بغیر کوئی شخص پکا مسلمان نہیں ہو سکتا"۔ پھر مسلمات فریقین سے حوالے اور چاروں اماموں کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "نتیجہ ان اقوال کا یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان بحالت اختلاف رائے اماموں کے حدیث نبوی قبول کر کے امام کے قول کو ترک کر دے تو اس سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف کہنا بیجا اور مہمل ہے۔ کیونکہ ایسا خیال کرنا مساوی اس کے ہے کہ قبل چاروں اماموں کے کوئی پکا مسلمان ہوا ہی نہیں"۔ اور فیصلہ اجلاس کامل ہائیکورٹ الٰہ آباد ۵ ر نومبر ۱۸۸۹ء عطاء اللہ بنام عظیم اللہ۔ اس میں لکھتے ہیں: "لیکن انھوں نے (یعنے غیر مقلدین نے) ایک اس سے بھی اعلیٰ تر وجہ بیان کی ہے اور وجہ مذکور میری دانست میں ناممکن التردید ہے۔ وے بلاشبہ مسلمانوں کے ایک ایسے فرقہ میں داخل ہیں جو قدیم مذہب کے قائل ہیں، اور بحیثیت مذکور مدعیان کو مسجد مذکور کے عام طور پر عبادت اور دیگر اغراض مذہبی کے لیے جن کے واسطے مسجد استعمال کی جا سکتی ہے استعمال کرنے کا اسی قدر استحقاق ہے جس قدر کہ مدعا علیہم کو ہے۔ مدعا علیہم کو کوئی استحقاق ہر دیگر فرقہ کو بجز خاص اپنے فرقہ یعنے حنفیوں کے، اس کے اندر جانے سے ممانعت کرنے کا نہیں ہے۔ یہ امر غیر اہم ہے کہ مدعیان نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا وے شروع ہی سے محمدی یا اہل حدیث یا محدثین ہیں یا جیسا کہ مدعا علیہم اُن کو نامزد کرنا چاہتے ہیں وہابی ہیں۔ چاہے جس نام سے وہ نامزد کیے جائیں وہ سنی مسلمان متصور ہوں گے۔ اور عام اس سے کہ انہوں نے فرقہ حنفی کو ترک کیا یا نہیں، ان کے صحیح قدیم مذہب کے قائل ہونے میں یا اُن کے سُنی ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا"۔ اور فیصلہ اجلاس کامل ہائی کورٹ الٰہ آباد ۴ ر نومبر ۱۸۸۹ء جن کو بنام احمد اللہ، اس میں لکھتے ہیں: "بطور امر واقعہ کے یہ تجویز ہوا ہے کہ مدعیانِ غیر مقلد مسلمان ہیں اور یہ (ص)

مقدمات کے دُور رس نتائج :

ان مقدمات سے سمجھ دار لوگوں کے لیے ایک بہت بڑا نتیجہ نکل سکتا ہے، جو کسی دوسرے مباحثے اور مناظرے سے نہیں نکل سکتا تھا وہ یہ کہ ان کو راجح اور حق بات معلوم کر لینے کا اچھا موقع ہاتھ لگ گیا۔ اِس لیے کہ اگر کسی فریق کے عالم سے پوچھتے تو ہر ایک اپنی سی کہتا اور بالمقابل اور مناظرہ سے دریافت ہونے میں یہ دقت ہے کہ بعض آدمی کم سخن اور کوتاہ بیان ہوتے ہیں۔ گو حق پر ہوں لیکن ایک لسّان اور چالاک آدمی سے قائل ہو جاتے ہیں۔ بعض رعب کی وجہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں، اور تحریری سلسلہ ختم ہونا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے موقع میں جبکہ فریقین کے علماء نے اپنے اپنے مبلغ علم کو خرچ

(ھ) تجویز نہیں ہوا ہے کہ انھوں نے کوئی ایسا کام مسجد میں کیا یا کرنا چاہا جو خلاف قانون پرستش اسلام ہے۔ اور لکھتے ہیں: مقدمہ میں کوئی شہادت مطلق نہیں ہے کہ جس سے الزام مرجوعہ منجانب مدعی بمقابلہ نامبردگان کے کر دے (غیر مقلد) اب مسلمان نہیں ہیں ثابت ہووے۔ وسے اپنے کو محمدی جو کہ عربی لفظ واسطے مسلمانوں کے ہے کہتے ہیں۔ اور اگر مدعی نامبردگان کو وہابی کہتا ہے مگر نسبت اس امر کو کوئی ثبوت نہیں ہے کہ دے کسی فرقہ خلافِ مذہب میں داخل ہیں۔ اور فیصلہ پریوی کونسل فضل کریم وغیرہ بنام مولابخش وغیرہ ۲۹ ر۔ ۳۰ ر جنوری۔ ۲۱ ر فروری ۱۸۹۱ء اس میں لکھتے ہیں۔ تجاویز اہم حکام عالی مقام کو دراصل حسب ذیل معلوم ہوتی ہیں :

(ا) مدعیان اس فرقے کے ہیں جو عامل بالحدیث یا اہل حدیث کہلاتا ہے۔

(ب) عامل بالحدیث سنی مسلمان ہیں اور سنت جماعت میں داخل ہیں۔

(ج) کوئی سند اس بات کے کہنے کی نہیں ہے کہ عامل بالحدیث حنفی کی نماز میں پیشوا نہیں ہو سکتا۔

اس قسم کے اور بھی چند فیصلے ہیں۔ ان تمام فیصلجات میں حکام نے جن کو کسی کی طرف داری سے کوئی غرض نہیں۔ فریقین کے علماء کا اظہار لے کر اور فریقین کی مسلّم کتابوں سے تحقیق کر کے اہل حدیث کو ڈگری دی اور تسلیم کیا کہ یہ لوگ پکے مسلمان ہیں اور اصل طریقۂ اسلام پر ہیں اور اہل سنت ہیں اور مسلمانوں کی مسجدوں کے مستحق ہیں اور کوئی وجہ اس کی نہیں کہ ان کے پیچھے نماز ناجائز ہو۔

کر کے اور نہایت اطمینان اور مہلت کے ساتھ اپنے ثبوت پیش کیے اور ہر ایک فریق نے اپنے سربرآوردہ علماء کو جمع کر کے مجموعی قوت صرف کر کے اپنا حوصلہ پورا کرلیا۔ اور ثالث نے بلا رو و رعایت جو کہ فیصلہ کرنے میں تجربہ کار اور ایک غیر مذہب ہے۔ جس کو کسی کی جانب داری منظور نہیں فیصلہ دیا۔ اور پھر ایک عدالت نے نہیں، بلکہ متعدد اور بڑی عدالتوں اور بڑے بڑے حذاق نے فیصلہ دیا۔ گو ان کا ذاتی قول دین کے معاملہ میں ہیچ ہے۔ مگر فریقین کے دلائل کو دیکھ کر فریقین کی کتب کی رو سے فیصلہ کیوں نہیں کر سکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ ان کتب سے واقف ہو چکے ہیں اور اس کے موافق مقدمات کرتے رہتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسی صورت میں بحسب ظن غالب ڈگری دار کی حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تقریری مناظرے بھی بہت سے واقع ہوئے۔ ایک عظیم الشان مناظرہ ۱۳۰۵ھ میں بمقام مرشد آباد ہوا، جس میں فریقین کے صدہا اہل علم جمع تھے۔ جس کی روئیداد فریقین نے چھاپ کر شائع کی، اور تحریری رسائل کا سلسلہ بھی خوب جاری ہوا۔

بہت سے علماء کی اہلحدیث سے موافقت:

اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ہندوستان کے کل اہلِ علم کو شمار کر کے دیکھا جائے تو نصف حصہ سے زائد علماء کا وہ گروہ نکلے گا جو اس مذہب کی حقانیت کا قائل ہو گیا۔ گو سب کے سب علماء اس کے موافق کاربند نہ ہوئے۔ اگر ایسا ہوتا تو عوام کے لیے بہت اچھا نتیجہ نکلتا۔ بعض تو اپنے خیال کے موافق بعض مصالح دینی کی وجہ سے اور بعض بمقتضائے بشریت دنیاوی خوف یا طمع کی وجہ سے پورے طور پر اظہار نہ کر سکے، اور طریقہ مروجہ پر قائم رہے جن سے عام لوگوں کو کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچ سکا۔ بلکہ جب تک خلوت کے موقع میں اور بہت کچھ کہہ سُن کر اور اچھی طرح ان کا اطمینان کرا کر نہ پوچھا جائے، اور وہ اپنا ما فی الضمیر ظاہر نہ کریں، عوام اُن کو مقلد اور غیر مقلدوں کا مخالف سمجھتے رہتے ہیں، حالانکہ وہ مخالف نہیں بلکہ حقانیت کے مقر ہیں۔

اُصول اہلحدیث کی مجبورانہ تسلیم اور عاملین بالحدیث کی نیک نیتی پر شبہ :

اس مخالف گروہ علماء میں بھی اکثر ایسے ہیں جو اس مذہب کے اصول و فروع کو مجبورانہ طور پر تسلیم کرتے ہیں اور بجز اس کے کوئی عیب بتا نہیں سکتے کہ :-
یہ لوگ جو آمین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ کرتے ہیں اور حدیث کے عامل

مولوی رشید احمد صاحب کا اہلحدیث سے تعصب :

مثلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرگروہ احناف دیوبندیہ (جن کو اہل حدیث کے ساتھ ایک خاص تعصب بھی ہے، جس کی وجہ سے وہ نہایت سخت سخت الفاظ کے ساتھ اہل حدیث کو اپنی تحریروں میں یاد فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ سبیل الرشاد میں اہل حدیث کی نسبت لکھتے ہیں: "ضلالت میں پڑ گئے۔ افسوس صد افسوس، ایسی ہی سمجھ نے ان کو خراب کیا" دیکھو (ص۵) مطبوعہ مجتبائی ۱۳۱۲ھ۔ "کیا جہل نے جہلاء کو خراب کیا" (ص۶) "جہلاء زمانہ" (ص۸) "خود رائے، جہال، ناواقف" (ص۱۰) "اُس قوم کی یہ جہالت کے کلام خود گمراہی کے آثار ہیں" (ص۱۶) "ایسے جہال" (ص۱۷)۔ حالانکہ جس بنا پر وہ ان کی نسبت فرماتے ہیں وہ خود غلطی پر مبنی ہے اور اسی تعصب کی وجہ سے انہوں نے اس رسالہ میں سخت مسامحات کیے ہیں) فتویٰ اس بیان میں کہ حدیث پر عمل کرنا۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنا۔ رفع یدین۔ آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنا جائز ہیں۔ چنانچہ آپ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: "البتہ جو مواقع اجتہاد کے نہیں وہاں (ظاہر حدیث پر عمل میں) مضائقہ نہیں جو صاف صاف حکم ہیں۔" (ص۱۸) "ہر گز تارک قراءۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی۔ جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ ہر ایک رائے (دلائل صحابہ اور تقریر فخر عالم علیہ السلام پر عامل ہے کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں" (ص۲۰) اسی طرح رفع الیدین اور آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحت کا اقرار کیا ہے (ص۲۹) تقلید غیر شخصی کا کتاب و سنت سے ثابت ہونے کا اقرار ہے۔ تقلید شخصی کے سوا بلا تعیین مذہب کے عمل کرنے کا بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہونے کا اقرار ہے (ص۲۲) اور لکھتے ہیں: "بعد ثبوت اس امر کے کہ یہ مسئلہ اپنے امام کا خلاف کتاب و سنت کے ہے ترک کرنا ہر مومن کو لازم ہے۔" (ص۲۴)

بننے ہیں نیک نیتی سے نہیں کرتے، بلکہ فساد کے لیے اور اپنی شہرت کے لیے کرتے ہیں یا اماموں کو بُرا کہتے ہیں اور اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر سمجھتے ہیں جبھی تو ان کا کہنا نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ۔ (جن کا ذکر ہم آگے انشاء اللہ کریں گے۔) حالانکہ نیت کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ باقی بُرا کہنا محض اتہام ہے۔ جس کی اصلیت بس یہی ہے کہ جو قول اُن کا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتا ہے حدیث کی وجہ سے اُس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جو دراصل اُن کا خلاف ہی نہیں بلکہ یہ تو اُن کی عین وصیت ہے کہ جس کی بابت وہ بڑی تاکید کے ساتھ حکم دے گئے۔ پس حدیث ملنے پر حدیث لینا یہ اُن کی عین منشاء ہے۔ بلکہ نہ لینا یہی ان کی مخالفت ہے۔ تو صحیح حدیث کو چھوڑ کر امام کے قول پر جو حدیث کے خلاف ہے چلنے والا اللہ اور رسول کا مخالف تو ہو ہی گیا، اماموں کا بھی مخالف ہُوا۔ اور اگر خلاف ہی کرنے سے بُرا کہنا یا اپنے آپ کو افضل سمجھنا لازم آتا ہے تو حنفی جو باقی تینوں اماموں اور دیگر صدہا ائمہ اور صحابہ کا جو ہزاروں مسئلوں میں حنفی مذہب کے موافق نہیں خلاف کرتے ہیں تو کیا یہ اُن کو بُرا کہتے ہیں یا اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے امام صاحب کا ایک تہائی[1] مسئلوں میں خلاف کیا اور فقہائے حنفیہ نے بہت سے مسائل[2] میں امام ابو حنیفہ صاحب کے قول کے خلاف فتویٰ دیا تو کیا اُس وقت امام صاحب کو بُرا خیال کیا، یا اپنے آپ کو اُن سے بڑھ کر سمجھا، اور کیوں ایسا کیا۔ غرض اکثر مخالف علماء بھی بمجبوری اُن کے اصول و فروع مذہب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور بجز بالائی باتوں کے اور کوئی حیلہ انکار کا نہیں پیدا کر سکتے۔ اور حق تو یہ ہے کہ جس کسی

---

[1] ردالمختار میں ہے: فحصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث المذاهب (جلد ۱ ص ۵۰)
جس نسخہ سے ہم نے نقل کیا ہے اس میں یہی تھا، ورنہ مشہور دو تہائی خلاف ہے۔

[2] ردالمختار میں لکھتے ہیں: تصریح کی فقہاء نے کہ ذوی الارحام کے تمام مسائل میں امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور قضاء کے متعلق جو مسائل ہیں ان میں ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے (ص ۵۳ ج ۱)

کو سچی سچی اصلیت اُن لوگوں کے مذہب کی معلوم ہو جائے تو عالم کیا کوئی مسلمان بھی اُن کے مذہب کی حقانیت میں شک نہیں کر سکتا۔[۱]

اہلحدیث کے عقائد و اعمال اور مذہب:

کیوں کہ ان کا مذہب وہی ہے جو اسلام تعلیم دیتا ہے۔ ان کے عقائد و اعمال بعینہا وہی ہیں جو اللہ کا کلام اور رسولؐ کی حدیث بتاتی ہے۔ (اِس سے وہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتے) جیسا کہ سلف اہل سنت والجماعۃ سے چلے آتے ہیں، وہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کو تمام عیبوں سے پاک اور ساری خوبیوں کے ساتھ موصوف سمجھتے ہیں۔ ذات و صفات کسی بات میں کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے۔ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم سے افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ نہ کوئی اُن کا سا ہوا اور نہ آیندہ ہوگا۔ اسی طرح فضیلت صحابہ اور ان میں ترتیب مراتب کا جیسا کہ کتب اہل سنت میں درج ہے عقیدہ رکھتے ہیں۔ کراماتِ اولیاء کو حق جانتے ہیں۔ ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ حدیث وغیرہم کو پیشوائے امت اور اپنا ہادی اور راہنما یقین کرتے ہیں۔ غرض اُن کے عقاید وغیرہ وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں، ان میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ وہ ہر مسئلہ میں (اللہ کے کلام پاک) قرآن مجید اور (اس کے رسولؐ کی) حدیث شریف کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کسی بات کی رسم و رواج کو دیکھ کر یا اُس کو آباؤ اجداد سے

---

[۱] اگرچہ یہ بات تو ایسی واقعی اور بین ہے کہ کسی ثبوت دینے کی محتاج نہیں تاہم اگر کسی کو شک ہے تو آج کل کے اہل حدیث کے (جن کے ساتھ بدظنی ہے) عقائد کے متعلق مؤلفات کو دیکھو۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی عقاید میں چند تالیفیں ہیں۔ مثلاً عقیدۃ السنی، فتح الباب لعقائد اولی الالباب اور ہمارے استاد بھائی جناب مولوی عبداللہ صاحب پنجابی کی کتاب عقیدہ محمدیہ کو دیکھو۔ ان کتابوں میں کہیں اُن باتوں کا جو مخالف نسبت کرتے ہیں پتہ و نشان بھی نہیں بلکہ اس کے خلاف موجود ہے جیسا کہ اہل سنت کے عقاید ہیں۔

ہوتے ہوئے چلا آتا پاکر صحیح وحق باور نہیں کر لیتے۔ بلکہ وہ ہر بات کی اصل وحقیقت دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جس بات کی سند قرآن وحدیث سے پاتے ہیں اس پر کاربند ہوتے ہیں، جس بات کا قرآن وحدیث سے پتہ نہیں چلتا گو وہ کیسی ہی مروّج ہو اور لوگ اُسے پُرانے وقتوں سے ہوتی چلی آتی بتائیں مگر وہ اُسے اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ اور نہ اُس کو دین میں شامل سمجھتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اسی کے مرتبہ پر رکھنا چاہتے ہیں۔ ولی کو ولی اور واجب التعظیم سمجھتے ہیں، اور کیسے نہ سمجھیں، حدیث قدسی میں خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا ہے: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ[1]۔ مگر ولی کو خدا بنانا نہیں چاہتے، نہ اُس کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور نہ متصرف فی العالم سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ وہ کسی کے نفع نقصان کے مالک ہیں۔ (ہاں کسی زندہ بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا، اس سے انکار نہیں۔ یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے) نہ بجائے اللہ کے نام کے کسی بزرگ کے نام کی تسبیح پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ کسی بزرگ کی قبر کو سجدہ وغیرہ کرنا، نیاز چڑھانا، جائز سمجھتے ہیں۔ غرض عوام ناواقفوں کی طرح اولیاء اللہ سے وہ معاملہ کرنا نہیں چاہتے جو اللہ سے کرنا چاہیے۔ ہاں وہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں جو اس کے اولیاء کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اسی طرح وہ کسی عالم کو نبی کے مرتبہ پر پہنچانا نہیں چاہتے۔ جیسا کہ نبی خطا سے معصوم ہیں، اور جو کچھ وہ فرمائیں بلاچون وچرا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ اور جو جس نبی کی امت[2] میں ہے اُس کو اُسی

---

[1] جو میرے ولی کے ساتھ عداوت کرے اس کے ساتھ میں لڑائی کا اعلان کرتا ہوں" (صحیح بخاری وغیرہ)۔

[2] پہلے زمانے میں انبیاء خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے اور اُس وقت میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب نبی آخر الزمان مبعوث ہوئے تو وہ تمام عالم کے لیے نبی کر کے بھیجے گئے۔ اب ان کے وقت میں کسی دوسرے نبی کی ان کے خلاف تابعداری جائز نہیں۔

نبی کی تابعداری تمام اُمور میں لازم ہے، اور ہر چھوٹے اور بڑے مسئلہ میں اسی کے حکم وفرمان کی تلاش ضروری ہے۔ اُس کے سامنے اوروں کے قول ساقط الاعتبار و ناقابلِ عمل ہیں۔ اسی طرح کسی عالم کے ساتھ معاملہ کیا جائے کہ اسی کے مذہب اور عندیہ کی تلاش تمام واقعات ومسائل میں پیشِ نظر ہو اور جو کچھ وہ فرمائیں بلاتحقیق اور بغیر دلیل دریافت کیے ہوئے واجب التسلیم رہے، اور اُسی کی منشا اور رائے کی ہر مسئلہ میں جستجو ہو۔ اُس کے سوا اور تمام علماء کے اقوال اُس کے سامنے ساقط اور ناقابلِ عمل رہیں۔ وہ جو کہہ دے اسی پر عمل ہو۔ گویا وہ عالم یا امام معصوم ہے، اور نبی کی طرح جو کچھ کہہ دے وہی صحیح ہے۔ وہ لوگ اس طرح کسی عالم کو اپنی طرف سے ٹھیرا کر ایسا معاملہ کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ سارے حقانی علماء اور امام ہمارے ہادی اور احکامِ الٰہی کے بتانے والے ہیں، اور سب ہی ہمارے پیشوا ہیں۔ جو مسائل کہ اتفاقیہ ہیں، اُس میں تو کچھ کلام نہیں۔ جن مسائل میں ان کے اندر اختلاف ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ اختلاف میں عنداللہ حق ایک ہی ہوتا ہے، اور ہمارا مقصودِ اصلی تابعداری احکامِ الٰہی کی ہے نہ کسی دُوسرے کی۔ تو ضرور ہے کہ ہم اپنی پہنچ اور وسعت بھر تحقیق[1] کریں کہ کس کا قول قرآن وحدیث کی رو سے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ جو غالب ثابت ہو اُس پر عمل کریں، اور جو اُس کے خلاف ہے اُس کو چھوڑ دیں۔ اور ہمیشہ اس کا قصد رکھیں۔ اور ویسے کسی ایک کے بلاتحقیق کیے ہوئے التزام کر کے پیچھے ہو لینے اور باقی سب علماء کے اقوال ساقط الاعتبار قرار دے لینے کی کوئی وجہ نہیں۔

بہرحال وہ یہی چاہتے ہیں کہ ہر بات قرآن وحدیث کے موافق کریں اور اسی کو مقدم رکھیں اور براہِ راست اسی سے حجت پکڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے اس کے خلاف کسی کے قول کو لے لیں۔ ہاں جو بات قرآن و

---

[1] اس کی زیادہ تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

حدیث سے نہ مل سکے اس میں صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے قول کو اختیار کر سکتے ہیں۔
الحاصل اِن "غیر مقلدوں" کا مذہب ہے قرآن وحدیث[1]۔ جو قرآن وحدیث سے ثابت ہو اسی پر عقیدہ ہے۔ اگر عقائد کے متعلق ہے اور اُسی پر عمل ہے۔ اگر اعمال کے متعلق ہے، قرآن وحدیث کے خلاف کوئی رسم و رواج ہو، یا کسی بزرگ یا عالم[2] کا قول ہو وہ قرآن وحدیث ہی کو لیتے ہیں، اس کے خلاف نہیں لیتے۔ وہ صاف صاف اسی طریقہ پر چلتے ہیں اور چلنا چاہتے ہیں جو اسلام کی تعلیم اور اُس کا اصل منشاء ہے، اور جو کہ زمانہ صحابہ اور تابعین اور ان چاروں اماموں کے وقت میں اور ان کے بعد بھی چوتھی صدی[3] تک رہا جس کو چوتھی صدی کے بعد تقلید کے عموماً رواج پانے کے سبب سے لوگ بھول گئے۔ اور اس سے بے خبر ہو جانے کی وجہ سے اس کو ناحق اور خلاف طریقۂ اسلام ایک مسلک سمجھنے لگے، حالانکہ وہ ہی اصل طریقہ تھا جس کی اسلام نے تعلیم دی تھی اور ایک جماعت بندگانِ الٰہی اس کی پابند ہمیشہ ہی سے چلی آرہی ہے اور اب تھوڑے دنوں سے ہندوستان میں کچھ زیادہ ہو گئی۔

---

[1] اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اجماع وقیاس شرعی سے انکار ہے۔ نہیں۔ بلکہ وہ بھی قرآن وحدیث ہی کی شاخ ہیں۔

[2] یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ کسی عالم نے قصداً قرآن وحدیث کا خلاف کیا یا جان بوجھ کر خلاف مسئلے بتائے۔ یہ کسی عالم کا کام نہیں بلکہ جس کسی عالم کا ایسا قول ہے وہ خطأ اجتہادی ہے جس میں وہ معذور ہیں، اور اُن پر کوئی الزام نہیں۔ بلکہ اس میں بھی ان کو ایک اجر ضرور ملے گا۔ قرآن وحدیث کے خلاف ہو جانے کے چند وجوہ ہیں جن میں سے بعض کی تفصیل ہم آگے ان شاءاللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔ لیکن زمانہ سابق کے عالم سے کسی خاص وجہ سے اگر خطا ہو گئی تو ہم کو جائز نہیں کہ ہم جاننے کے بعد بھی اُسی پر اڑے رہیں۔ اور اس کے صحیح بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی بات بنائیں وہ معذور تھے اور ہم معذور نہیں۔

[3] یہ سارا بیان مفصل طور پر آگے آتا ہے۔

جن سے لوگ ناواقفیت کی وجہ سے متعجب ہیں) پس غیر مقلدوں کا یہی عقیدہ ہے، اور یہی اُن کا طرزِ عمل ہے۔

مقلد حضرات کی اہلحدیث سے غیریت برتنے کی غلطی:

اب جو اُن کو اسلام سے خارج یا اہل سنت سے باہر کہا جاتا ہے۔ اگر نفس الامر میں یہ باتیں اسلام سے خارج کر دینے والی یا اہل سنت سے باہر کر دینے والی ہیں تو بے شک وہ نہ مسلمان ہیں، نہ اہل سنت ہیں۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اگر ایسے لوگ مسلمان یا اہل سنت نہ ہوں تو پھر کون ہے وہ جو مسلمان یا اہل سنت کہلانے کے لائق ہے، اور جیسا کہ مقلدین ان کو اپنے دائرۂ حق سے خارج اور بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ اگر مقلدین ان باتوں میں سے کسی بات کا صحیح طور پر انکار کر سکتے ہیں تو خیر جو چاہیں سو کہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ اُن کو اپنے سے بالکل غیر اور سخت بدخیال کریں۔ لیکن ہم تو جہاں تک دیکھتے ہیں یہ جو باتیں ہم نے لکھیں خود مقلدین کو ان کے اقرار سے چارہ نہیں۔ اور جب ایسا ہے تو مقلدین کیوں اُن کو بدترین خلائق سمجھتے ہیں۔

تکریم و تعظیم! یا پرستش؟

ان اہل حدیث کا یہی حفظ مراتب، جو وہ اولیاء اور علماء کے ساتھ برتتے ہیں، کہلاتا ہے کہ یہ لوگ اولیاء کے قائل نہیں، یا اماموں کو بُرا کہتے ہیں۔ اولیاء کا قائل نہ ہونا یا اماموں کو بُرا کہنا صرف یہی ہے کہ اولیاء کی پرستش نہیں کرتے اور اماموں کے ساتھ معصوموں کا سا برتاؤ نہیں برتتے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شیعہ اہلِ سنت کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو برا کہتے ہیں اور اُن کی توہین کرتے ہیں۔ بُرا کہنا اور توہین یہی ہے کہ شیخین سے افضل نہیں کہتے۔ اس کے سوا کیا کوئی سنی حضرت علی کو حقیقت میں بُرا کہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس قسم کی تہمتیں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ہمارے بزرگوں پر طرح طرح کی تہمتیں جوڑی گئی ہیں۔

چنانچہ ائمہ اربعہ کی نسبت کئی ناپسندیدہ باتیں لوگوں نے جوڑ دی تھیں[1] اور خود امام اعظم صاحب کی نسبت تہمت لگائی گئی تھی کہ وہ[2] کرامات اولیاء کے قائل نہیں، اور یہ بھی مشہور تھا کہ مبتدع[3] اور نئی نئی باتیں نکالنے والے ہیں۔ اور[4] یہ بھی مشہور تھا کہ قیاس کی بناء پر دانستہ حدیث کا رد کرتے ہیں حالانکہ یہ سب غلط تھا، کوئی ربانی عالم ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ان بچارے اہلحدیث پر بھی بہتان باندھے گئے۔ وہ حدیث و قرآن کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔ رسول ہی کے اتباع کے لیے یہ ساری بدنامی اور مصیبت سہتے ہیں۔

اہلحدیث اور تنقیص ائمہ کرام ؟

پھر بھلا وہ کس طرح ایسا کر سکتے ہیں کہ ائمہ کو بُرا کہیں۔ قرآن و حدیث میں ایک طرح سے نہیں بلکہ مختلف طور پر اس کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔ اوّل تو عموماً کسی مومن کو گالی دینا فسق بتایا، ادنیٰ مومن کو بُرا کہنا فسق ہے۔ دوسرے عموماً اموات کو بُرا کہنا صریح منع ہے۔ تیسرے عام مومن پر بہتان باندھنا حرام ہے۔ چوتھے عموماً محسن کی شکر گزاری واجب ہے۔ پھر بھلا کس کا منہ ہے کہ وہ ان ائمہ کو جو پیشوایانِ مومنین اور مسلمانوں کے افراد کاملین سے ہیں کوئی گالی دے یا بُرا کہے، یا اُن کی برائی کر کے ان پر بہتان باندھے۔ اس لیے کہ وہ بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے ہم جو عیب گیری کریں وہ اس سے پاک تھے۔ بُرا کہنا تو درکنار ہم اُن کے شکریہ ہی سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اُن ہی سب کی خدمتوں کا نتیجہ ہے جو ہم دین کو کیسا آسانی کے ساتھ منقح اور مرتب پا رہے ہیں۔ اس سب کے بعد بڑا مردود ہو گا جو اُن کو بُرا کہے۔ اہل حدیث

---

[1] دیکھو ردالمحتار حاشیہ درمختار جلد اول صفحہ مطبوعہ مصر مطبع میمنیہ۔

[2] دیکھو ردالمحتار جلد اول صفحہ ۳۱۲ بحث استقبال قبلہ۔

[3] دیکھو سیرۃ النعمان صفحہ ۴۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی از مختصر تاریخ بغداد۔

[4] دیکھو سیرۃ النعمان صفحہ ۴۴ از عقود الجمان۔

کا ہرگز یہ کام نہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی ایسا ہو بھی تو یہ اُس کا ذاتی فعل ہے جس کا وہ خود ذمہ دار ہے، اور اُسی کے نفس پر اُس کا وبال ہے۔ اُس کے اس فعل سے جو اہل حدیث کے اصولِ مذہب کے خلاف ہے، اہل حدیث کے مذہب پر کوئی دھبّہ نہیں آسکتا۔ بلکہ اُس کا الزام خاص اس شخص کی ذات تک محدود رہے گا نہ یہ کہ اسلام جھوٹوں، چوروں، زناکاروں کا مذہب کہلائے۔ بلکہ اگر غیر مقلدوں میں سے کوئی اس قسم کا پایا بھی جائے تو وہ قابلِ اعتبار افراد ہی سے خارج ہے۔ جس کا فعل ساقط الاعتبار ہے۔ وہ بہ نسبت اس کے کہ اہل حدیث کہا جائے، زیادہ مستحق ہے کہ اہل حدیث سے خارج ٹھیرایا جائے۔ چنانچہ پیغمبر صاحبؐ نے خود بعض بعض جرموں پر لَيْسَ مِنَّا فرمایا۔

غرض اس قسم کی تمام وہ ناپسندیدہ باتیں جو اہل حدیث کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اگر نفس الامر میں وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں تو اُن کے ساتھ عیبؔ گیری جائز نہیں۔

جامعؔ الشواھد کے جواب اور فتح المبین کی شکایت اور اس کے جواب:

رسالہ جامع الشواھد میں بعض باتیں اس قسم کی بھی ذکر کر دی ہیں جو دراصل صحیح ہیں مگر اُن کو بُرے عنوان میں لاکر اور بدنما بنا کر نسبت کر دیا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ مگر ایسی عیب گیری کو کوئی دیدہ ور پسند نہیں کرتا۔ اگر ناقص بیانی اور بدعنوانی کو کام میں لاکر عیب گیری کا قصد کیا جائے تو کوئی مذہب اس سے بچ نہیں سکتا۔ بلکہ اکثر وہ باتیں جو جامع الشواہد میں بغرض عیب گیری اہلحدیث کی طرف نسبت کی ہیں، اس کے جواب میں مؤلف جامع الشواہد کے مذہب میں ان کا ہونا اچھی طرح سے ثابت کر دیا گیا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اہلحدیث کی طرف سے جامع الشواہد کے چار جواب شائع ہو چکے۔ عمارۃؔ المساجد مؤلفہ مولٰنا محمد سعید صاحب مدظلہ بنارسی۔ جامعؔ الفوائد مؤلفہ مولٰنا عبیداللہ صاحب مرحوم کاشفؔ المکائد مؤلفہ مولانا عبدالغنی صاحب جوناگڑھی۔ ابرامؔ اہل حدیث والقرآن مؤلفہ جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدظلہ غازی پوری۔ یہ جواب نہایت خوب اور قابل دید ہے۔ ہم نہیں جانتے ان کا آج تک کسی نے جواب دیا ہو۔ بہرحال مؤلف جامع الشواہد کی اس نسبت سے جو غرض ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بلکہ اس صورت میں عیب گیری کرنے والا سخت مخالف اسلام ہے۔ اور اگر ثابت نہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتی۔ مؤلف الفتح المبین سے تعجب ہے کہ انھوں نے ضمیمہ میں بلا تحقیق رسالہ جامع الشواہد کو بڑے شدو مد کے ساتھ بغرض اظہار عقائد و مسائل غیر مقلدین بغرض اظہار کذب اشتہار مولوی محمد حسین صاحب لاہوری جس کا ذکر ہم پہلے لکھ چکے ہیں، ذکر کیا اور اس اشتہار پر بہت کچھ تعجب ظاہر کیا۔ کیونکہ جامع الشواہد میں حوالہ بہ نشان صفحات موجود ہے۔ افسوس ہے مولف مذکور نے نظر تحقیق سے ذرا کام نہ لیا۔ اگر وہ ان رسائل کو جو جامع الشواہد کے جواب میں لکھے گئے ملاحظہ فرماتے تو سارا تعجب ان کا جاتا رہتا اور یہ کل اعتراض ان کو بدلنے پڑتے۔ لیکن باوجودیکہ وہ ان امور کو جو جامع الشواہد میں اہل حدیث کی طرف نسبت کیے ہیں۔ کفریات کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں (دیکھو ص۱۲۸ مطبوعہ نجم العلوم لکھنو ۱۳۱۰ھ) اس فرقے کے پیچھے (جس کو وہ فرقہ ظاہریہ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور جس کا مصداق سوا ان غیر مقلدوں کے کوئی ہے بھی نہیں) اپنے نماز پڑھنے کا بھی معمول بتاتے ہیں (دیکھو ص۴۶) اس سے خود ثابت ہے کہ ان کو اس نسبت کا یقین نہیں ورنہ کافر کے پیچھے نماز کیسی، اور نہ جامع الشواہد کے حکم عدم جواز نماز کا اُن لوگوں کے پیچھے جو اس نے بطور نتیجہ کے ان عقاید و اعمال پر مرتب کیا ہے اعتبار ہے۔ الفتح المبین مذکور کے (جس پر اہلحدیث کے فریق مخالف کو بڑا ناز ہے) اہلحدیث کی طرف سے کئی جواب طبع ہو کر شائع ہو چکے۔ فتوح المحققین۔ خلاصۃ البراہین۔ الکلام المبین۔ یہ مبسوط جواب قابل دید ہے، اور ہم نے نہیں سُنا کہ اس کا اس وقت تک کسی نے جواب لکھا ہو۔ صاحب فتح المبین بھی باوجود اثبات خلاف اہل حدیث میں بڑی کوشش کے اصول مذہب اہل حدیث سے انکار نہ کر سکے اور مجبورانہ انھیں تسلیم کرنا پڑا چنانچہ ص۲۳ میں لکھتے ہیں: "حاصل کلام یہ ہے کہ حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں محققین حنفیہ نے جس مسئلہ میں ان کو خلاف حدیث معلوم ہوا ترک کر دیا۔" پھر اہلحدیث بیچارے کیا بُرا کرتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں۔ اور ص۲۹ میں لکھتے ہیں: "جن لوگوں کو درجہ اجتہاد حاصل ہے ان کے واسطے سعی در تحقیق مسئلہ کی، محال نہیں یا جن کو بعض مسائل میں مرتبہ اجتہاد ہو وہ بھی اس تقلید سے خارج ہیں، اُن کے واسطے بھی ان مسائل میں تقلید واجب نہیں"۔ اور ص۳۱ میں لکھتے ہیں: "البتہ جو ایسا شخص ہو کہ

(۳م)

تو اُن کی نسبت اہل حدیث کی طرف صحیح نہیں۔ کیوں کہ یہ دراصل اُن کا مذہب نہیں اور نہ وہ اس کے قائل ہیں۔ اور اگر ثابت نہیں ہے اور غلطی سے وہ اس کے قائل ہیں تو یہ اُن کی اجتہادی غلطی ہے۔ ہم کسی کو اس کے ساتھ مقید کرنا نہیں چاہتے، ہم تو خالص قرآن وحدیث کے اتباع کی ہدایت کرتے ہیں نہ کسی کے اجتہاد و رائے کی تقلید کی۔ بلکہ ہم تو نہایت خوش ہیں اور ممنونِ احسان ہو کر سُننا چاہتے ہیں کہ ہم جس بات کے قائل ہیں کوئی اس کی غلطی اور اس کا قرآن وحدیث کے مخالف ہونا ثابت کر دے تاکہ ہم غلطی سے بچ جائیں، اور ہم بصد مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں اور ہم کو کسی بات پر ہٹ کیوں کر ہو سکتی ہے اس لیے کہ ہمارا مقصود قرآن وحدیث ہی ہے جو بات قرآن وحدیث سے ثابت ہو گئی وہی ہمارا مذہب ہے۔ پھر ہم اُس کے خلاف پر کیوں ہٹ کرنے لگے۔ ہٹ تو جب ہوتی کہ ہم کو کسی خاص شخص کے اقوال کی پابندی منظور ہوتی اور پھر اس شخص کے قول کی مخالفت قرآن وحدیث سے کوئی ثابت کرتا تو بے شک ہم کو تکلفات کرنے پڑتے اور ایسے حیلے بنانے پڑتے جس سے وہ مخالفت رفع ہو جاتی اور ہمارے مقتدا کا قول مخالف نہ ثابت ہو سکتا (جیسا کہ مقلدین کو کرنا پڑتا ہے)۔

---

(۳) گو اُس کو بالفعل ملکہ استنباط نہیں مگر لیاقت و ذکاوت ایسی رکھتا ہے کہ اس سے امید ہے کہ اگر علم حاصل کرے گا تو درجہ تحقیق کو پہنچ جائے گا۔ اس شخص کو بیشک درجہ تحقیق حاصل کرنا چاہیے (نہ تقلید کرنا)"۔ اور ص۲۲ میں لکھتے ہیں: "حنفیہ کسی کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اُن کو کل حدیثیں بالیقین پہنچی تھیں خواہ امام صاحب ہوں یا امام مالک الخ"۔ فتح مبین پر اکثر علماء حنفیہ نے اپنی مہریں کی ہیں تو یہ سارے اقرار ان سب کو مسلم ہیں۔ الحاصل، اہلحدیث کا وہ مذہب ہے جس سے صحیح طور پر کوئی انکار نہیں کر سکتا اور فریق مخالف بھی انھیں تسلیم کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے۔ مگر افسوس ہے کہ بحث و مناظرہ کے وقت تو مجبورانہ ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عموماً ان کے ساتھ کاربند نہیں ہوتے اور یہی زیادہ تر وجہ ہے باہم خلاف رہنے کی۔ چنانچہ توضیح اسکی آگے آتی ہے۔

اگر کہیں سے تقلید شخصی کا وجوب یا جوازہ صحیح طور پر قرآن وحدیث سے ثابت کر دیا جاوے تو ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کے قبول کرنے کو موجود ہیں[1]، اور پھر کس لیے ہم کو یہ ساری مصیبتیں سہنی پڑیں۔

خود انصاف کیجیے!

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر "غیر مقلد" نفس الامر میں ویسے ہی ہیں جیسا کہ مشہور کیا گیا ہے۔ اور واقع میں ان کا مذہب ان قبیح اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے جو اُن کی طرف نسبت کی جاتی ہیں۔ تو ہم اُن سے بری ہیں اور ہم بھی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ مگر ہم نہایت عجز کے ساتھ اپنے انصاف پسند ناظرین سے سوال کرتے

---

[1] غالباً ناظرین کو اس تقریر سے اچھے طور پر ثابت ہو گیا ہو گا کہ اہلحدیث کا باعتبار اصول کے وہ مذہب ہے جو کسی وقت میں غلط نہیں ہو سکتا۔ کوئی اُن کے کسی مسئلے کی جس کو وہ اپنی تحقیق کے موافق حق سمجھ رہے ہیں، اگر غلطی ثابت کر کے کتاب وسنت سے اُس کا خلاف ثابت کر دے اور وہ اُس کو اختیار کر لیں تاہم اُن کا کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ یہی اُن کا عین مذہب ہے، اور وہ اپنے اصل مذہب سے ذرا نہیں ہٹے بلکہ اور زیادہ اس پر قائم ہو گئے۔ اور اگر کوئی مذہب تقلید کی حقانیت کتاب اور سنت سے ثابت کر دے اور وہ اس کو اختیار کر لیں جب بھی اُن کا کوئی نقصان نہیں، اس لیے کہ اب بھی وہ اپنے اصل مذہب پر قائم ہیں۔ یعنی کتاب وسنت کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں اور اپنے اصل مذہب سے ذرا جدا نہیں ہوئے۔ برخلاف فریق مخالف کے کہ جب کوئی مسئلہ ان کا خلاف قرآن وحدیث کے ثابت کیا جاتا ہے تو اُس کے ترک میں کیا کچھ اُن کو پس وپیش کرنا ہوتا ہے اور اگر ترک کریں تو اپنے امام کا مذہب چھوڑنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی عذر کرے کہ ایسے مسئلہ کے ترک کی بابت امام کی خود ہدایت ہے لہٰذا مذہب چھوڑنا لازم نہ آیا تو اول تو اگر ایسا کریں تو پھر ہم کو چنداں بحث نہیں، دوسرے یہ شق بھی خدشہ سے خالی نہیں جیسا ذکر آگے انشاء اللہ آتا ہے اور جو مذہب تقلید کا حق کے خلاف ہونا قرآن وحدیث سے ثابت کر دیا جائے تو اس فریق کا اصل مذہب ہی جاتا رہے۔ الحاصل۔ اہلحدیث کا مذہب کسی صورت میں غلط نہیں ہو سکتا اور فریق مخالف کے مذہب کو یہ بات حاصل نہیں۔

کہ[1] ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان اہل السنۃ والجماعۃ کہتا ہے اور اُس کا عقیدہ بھی وہی ہے جو اہل سنت کا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے، کذب وغیرہ عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اجسام وغیرہا سے اس کی مثل نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین، شفیع المذنبین ہیں، اور آنحضرتؐ اور تمام انبیاء تبلیغ احکام میں معصوم ہیں، اور آنحضرتؐ کے خلفاء راشدین کی خلافت برحق ہے، اور اہل بیت عظام اور صحابہ کرام کی محبت داخل ایمان ہے اور ائمہ اربعہ اور تمام مجتہدین اور مشائخ عظام اور اولیائے کرام سب اس کے مقبول بندے اور واجب التعظیم ہیں۔ جو اللہ و رسولؐ نے حلال کیا حلال ہے اور جو حرام کیا حرام ہے۔ قرآن وحدیث میں اُمورِ آخرت، جزا و سزا کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا سب حق ہے۔ اس سے جو کچھ اللہ نے مراد رکھا ہم اُس پر یقین رکھتے ہیں، اور اُس کے ظاہر معنے کے ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ اور بھی تمام اُموروں میں وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اہل سنت کا ہے، اور وہ شخص نماز میں رفع الیدین کرتا ہے اور آمین باآواز بلند جہری نماز میں کہتا ہے اور سینہ پر ہاتھ باندھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں یہ جو کچھ کرتا ہوں اس وجہ سے کرتا ہوں کہ مجھ کو ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کرتے تھے، اور وہ ان سب باتوں کی سند حدیث وغیرہ کی ان کتابوں سے دیتا ہے جو تمام علماء اسلام اہلسنت والجماعۃ کے نزدیک معتبر اور مقبول ہیں، اور انھیں کتابوں سے مقلدین ائمہ اربعہ بھی جب ان کو کسی بات کی دلیل لانی ہوتی ہے لاتے ہیں، اور اپنے بحث مباحثہ میں اور مخالف کے مقابلہ میں ان ہی سے حجت پکڑتے ہیں۔ اور[2] مقلدین کی معمول بہا

---

[1] اگرچہ یہ بات (کہ کتب حدیث پر صحیح و غلط کا مدار حنفیہ کو بھی مسلم ہے) روز روشن کی طرح ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرا بھی محل شک نہیں۔ تاہم۔ ہم ایک قول طحطاوی کا جو اعلیٰ درجہ کے معتبر علماء حنفیہ سے ہیں نقل کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں: فان قلت ما وقوفك على انك على صراط مستقيم وكل واحد من هذه الفرق يدعى انه عليه قلت ليس ذلك بالادعاء بل بالنقل عن جهابذة الصنعة

(باقی اگلے صفحہ پر)

فقہ واصول کی کتابوں میں جا بجا ان ہی کتابوں کے حوالے موجود ہیں وہ ان معتبر اور مسلم کتابوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان افعال کا ثبوت اور ان کا غیر منسوخ ہونا ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح اُس شخص کے اور بھی مسائل ہیں، جو ان چار مشہور اماموں سے اگر کسی ایک کے خلاف ہیں تو دوسرے کے ضرور مطابق ہیں۔ مثلاً جو مسئلہ اُس کا امام ابوحنیفہ صاحب کے خلاف ہے تو امام مالکؒ یا امام شافعیؒ یا امام احمدؒ کے ایک یا تینوں کے ضرور مطابق ہے۔ اور جو امام مالکؒ کے خلاف ہے تو امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے مطابق ہے۔ اور اگر ہزاروں میں سے کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ چاروں کے مطابق نہ ہو تو ان دیگر صدہا اماموں و مجتہدوں میں سے جو اہلسنت میں گزرے ہیں ضرور کسی نہ کسی کے مطابق ہوتا ہے۔

بہرحال وہ جو کہتا یا کرتا ہے ایسا نہیں کہ وہی اکیلا اُس کا قائل ہو بلکہ انھیں مقبول اور مقتدا اماموں میں سے جن کو سب تسلیم کرتے ہیں، کوئی نہ کوئی پہلے اُس کا قائل ہو چکا ہے۔ اور وہ ایسا بھی نہیں کرتا کہ سب مذہبوں میں سے آسان آسان باتیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وعلماء اهل الحديث الذين جمعوا صحاح الاحاديث في امور رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم واحواله وافعاله وحركاته وسكناته واحوال الصحابة والانصار والذين اتبعوهم باحسان مثل الامام البخاري ومسلم وغيرهما من الثقات المشهورين الذين اتفق اهل المشرق والمغرب على صحة ما ورده في كتبهم من امور النبي صلى الله عليه وآله وسلم واصحابه ثم بعد النقل ينظر الى الذي تمسك بهديهم واقتفى اثرهم واهتدى في الاصول والفروع فيحكم بانه من الذين هم هم وهذا هو الفارق بين الحق والباطل۔ انتهى ملخصاً (طحطاوی حاشیہ در مختار ص۱۵۳ ج۴) "یعنی حق و باطل کی تمیز کا مدار انھیں حدیث کی کتابوں پر مثل صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما کے ہے جن کی صحت و اعتبار پر تمام دنیا کا اجماع ہے۔ انھیں ائمہ حدیث کی روایت کے مطابق اصول و فروع میں نبی صاحبؐ اور اُن کے اصحاب کا جو پیرو ہے وہ حق پر ہے اور جو نہیں باطل پر ہے۔ فقط دیکھو طحطاوی۔ انھیں حدیث کی کتابوں پر اصول و فروع میں تمیز حق و باطل کا مدار رکھتے ہیں۔"

چھانٹ لے یا جس وقت جس مذہب پر چاہے عمل کرنے لگے۔ اور آزادوں کی طرح غیر مقید ہو جائے، بلکہ وہ تابع دلیل کے ہے۔ جس کا مذہب دلیل کی رُو سے قوی ثابت ہو جائے اُسی کو اختیار کرتا ہے۔ خواہ مشکل ہو یا آسان، اور پھر اُس سے وہ نہیں ہٹتا۔

ہاں اگر اُس کو کسی طور سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ بات جو پہلے اختیار کی تھی غلطی سے اس کو قوی سمجھا تھا۔ اور اب یہ بات جو اس کے خلاف ہے قوی ثابت ہوئی (جیسا کہ تمام ائمہ سے وقتاً فوقتاً مسائل میں رجوع ثابت ہوا ہے) اسی کو اختیار کر لیتا ہے۔ غرض وہ تابع قرآن وحدیث کے ہے، جو کچھ وہ کرتا ہے یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ یہی حکم اللہ اور رسول ؐ کا ہے۔ اور سند بھی اس کی ایسی کتابوں سے دیتا ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں، اور اہلسنّت ہے یا نہیں اور حق پر ہے یا نہیں، اور مسجد میں آنے دینے کے لائق ہے یا نہیں، اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات کے ساتھ دیا جائے تو پھر کیا کلام ہے۔

اگر اہلحدیث حق پر نہ ہوں تو پھر ......!

اور اگر نفی کے ساتھ ہے تو اُس کی وجہ بیان ہونی چاہیے۔ اگر وجہ ترک تقلید شخصی ہے تو کہنا پڑے گا کہ وہ لاکھوں کروڑوں مسلمان جن میں عوام و خواص سب شامل ہیں جو ان چاروں اماموں سے پہلے اور اُن کے وقت میں اور ان کے بعد مدتِ دراز تک رہے۔ جو تقلید کرنا تو بڑی بات ہے، بہت سے تقلید کے نام سے بھی ناواقف تھے، مسلمان نہ ہوں۔ اس کے علاوہ ائمہ اربعہ اور دیگر ہزاروں امام[1] جنھوں نے تقلید سے منع کیا سخت گنہ گار ٹھیریں۔ اور نیز وہ ہزاروں لاکھوں مقبول اور مسلم بزرگانِ دین جو اس بیچ کے زمانہ میں گزرے ہیں، جن کا تذکرہ ہم آگے کریں گے،

---

[1] ائمہ اربعہ اور بعض دیگر ائمہ کے اقوال آگے آتے ہیں۔

جو تقلید نہ کرتے تھے۔ اور نیز امام ابویوسف و امام محمد وغیرہم جنھوں نے امام صاحب کے اقوال کے خلاف بہت سے مسائل اُن کی دلیل قوی سمجھ کر اختیار کیے، مسلمان نہ ہوں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سخت الزام رہے گا کہ انھوں نے ایسی ضروری بات کو کیوں نہ صاف طور پر بتا دیا کہ ہمارے پیچھے چار امام ہوں گے۔ ہر ایک پر فرض ہوگا کہ وہ ان میں سے ایک کے مذہب کا تمام مسائل میں پابند ہو، اور جب اللہ اور رسولؐ نے خود ہی نہیں بتایا، اور نہ کسی کو اس بات کی تکلیف[1] دی کہ وہ حنفی شافعی وغیرہ ہو تو ہم نہیں جانتے کہ کوئی حنفی یا شافعی نہ بننے سے کیوں کر اسلام یا اہل سنت سے خارج ہو سکتا ہے۔

بلکہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کو اعلیٰ درجہ کی ہدایت پر نہ کہا جائے۔ بلکہ یہی مسلک ہے جس کے ہم حامی ہیں، اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کی طرف سے ہم لوگوں کی بدگمانیوں کو دفع کرنا چاہتے ہیں، اور ان ہی کا نام اہلحدیث ہے۔ یہی لوگ خالص افرادِ اسلام ہیں جو اسلام کے اصلی طریقہ پر ہیں، اور اسلام کے دُنیا میں قدم رکھنے کے وقت سے چلے آتے ہیں۔ شروع شروع جب اسلام ظہور پذیر ہوا تو یہی اس کے افراد تھے، اور یہی مسلمان کہلاتے تھے۔ اور جو ان کا مسلک ہے وہی اسلام کی تعلیم تھی اور ہے۔ مگر زمانہ کے دَور میں کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے جن سے اصلی رنگ میں کچھ کچھ تغیرات پیدا ہوئے، جنھوں نے رفتہ رفتہ ترقی پکڑ کر ایک علیحدہ مذہب قائم کر دیا، جس پر چلنے والے اس اصلی صاف و سیدھے راستے سے کسی قدر دائیں بائیں نکل گئے جو مقلد کہلائے اور اس نئے طریقے کے عموماً مروج ہو جانے اور مدت تک اسی طرح رہنے کی وجہ سے اکثر لوگ اس اصلی راہ کو بھول گئے۔ اور اس سے ناواقف ہو گئے بلکہ اس کو غلط سمجھنے لگے۔

---

[1] مفصل آگے آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا طرزِ عمل

تفصیل اس اجمال اور توضیح اس مقال کی یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے جب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا (جب کہ اقسامِ شرک دکفر سے دنیا گندی ہو رہی تھی اور پہلے انبیاء علیہم السلام کے دین طرح طرح کے بدعات پیدا ہونے کی وجہ سے اپنی اصلی صورت سے بدل کر کچھ اور ہی رنگ پکڑ گئے تھے، اور تمام روئے زمین کو جہالت کی ظلمت گھیرے ہوئے تھی اور ضرورت تھی کہ کوئی ہادی بھیجا جاوے۔ پس نبی آخر الزمانؐ کو تمام عالم کی طرف رسول بنا کر بھیجا) اور آپؐ نے تبلیغ رسالت اور تعلیمِ اسلام کی خدمت انجام دینی شروع کی اور انجام کو پہنچائی (اور اسلام کا نورِ عالم پر چمکا اور لوگ صراطِ مستقیم پر ڈال دیے گئے) تو اس زمانہ کا دستور تھا کہ جو کوئی مسلمان[۱] ہوتا تھا، پیغمبر صاحب کو جو کچھ کرتے دیکھتا یا فرماتے سُنتا (سوائے اُن امور کے جن میں پیغمبر صاحبؐ کی خصوصیت ثابت ہو) کرنے لگتا جب کسی کو کوئی نیا واقعہ پیش آتا پیغمبر صاحبؐ سے دریافت کر لیتا وہ بلا ضرورت[۲] مسائل دریافت نہ کرتے تھے۔ ہاں پیغمبر صاحبؐ کی جو حدیث پا لیتے، ضرور یاد کر لیتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے عمل میں اُس پر نہایت پختگی کے ساتھ مستعد رہتے تھے، اور بہت ہی سیدھے اور صاف لوگ تھے۔

صحابہؓ کی آپؐ کے ساتھ والہانہ محبت اور جاں نثاری:

پیغمبر صاحب[۳] کے ساتھ سچی عقیدت میں بڑے راسخ الاعتقاد تھے اور آپؐ کی

---

[۱] یہ بات ایسے تواتر سے ثابت ہے جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں اور یہ واقعات بھی جو یہاں ذکر کیے گئے اس کے شاہد ہیں۔

[۲] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ، مطبوعہ مطبع صدیقی ۱۲۸۶ھ ص۱۴۶ از دارمی۔

[۳] اس کے شواہد حدیث کی کتابوں میں ہزاروں موجود ہیں جن کے ذکر کی حاجت نہیں اور آگے جو لکھا اُس کیلیے دیکھو صحیح بخاری معہ فتح الباری پارہ ۱۱ ص۸ مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۰۶ھ وغیرہ۔

بے حد تعظیم و ادب کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں بیان سے باہر پیغمبر صاحبؐ کی محبت سمائی ہوئی تھی۔ وہ فرطِ محبت و عقیدت کی وجہ سے آپؐ کے کھنکار و تھوک و ناک کے فضلہ کو بھی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ بلکہ جب آپؐ دفع کا قصد فرماتے تھے وہ دوڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور اپنے بدن پر مل لیتے۔ اسی طرح وہ آپ کے وضو کے پانی کے لیے دوڑتے تھے، اور اس کے لینے میں اس قدر جلدی کرتے تھے کہ ان کے آپس میں کشت و خون ہو جانے کا خوف ہو جاتا اور لے کر اپنے بدن پر ملتے۔ اور اگر خود نہ مل سکا تو دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتے۔ بعض[1] کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پچھنے لگوا کر خون ان کو پھینکنے کو دیا۔ انھوں نے بجائے پھینکنے کے وہ خون خود ہی پی لیا۔

کسی[2] جہاد میں ایک صحابی نے ڈھال نہ ہونے کے سبب سے اپنا ہاتھ آپؐ کے روئے مبارک کے سامنے بطور ڈھال کے کر دیا کہ آپؐ کے چہرے مبارک پر تیر نہ لگنے پائے۔ اُن کے ہاتھ پر تیر لگنے شروع ہوئے مگر انھوں نے اپنا ہاتھ نہ ہٹایا حتیٰ کہ کچھ اوپر ستر تیر آکر لگے، اور سارا ہاتھ زخمی ہو کر بیکار ہو گیا، مگر اُن کا ہاتھ سامنے سے نہ ہٹا۔

عام دستور ہے کہ جس کسی کے ساتھ عقیدت رکھی جاتی ہے۔ جس قدر دور دراز کے رہنے والوں اور بعد کے آنے والوں کو ہوتی ہے۔ اس قدر اُس کے پاس رہنے والوں (اور خصوصًا ہر وقت کے ساتھ رہنے والوں) اور ہمعصر لوگوں کو نہیں ہوتی، مگر جب

---

[1] بزاز اور طبرانی اور حاکم اور بیہقی اور ابونعیم وغیرہم نے روایت کیا۔ دیکھو تلخیص الحبیر ابن حجر عسقلانی ص۱۰ مطبوعہ مطبع انصاری ۱۳۰۷ھ۔

[2] دیکھو صحیح بخاری و فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۳۹۱ یہ قصہ احد کے دن کا حضرت طلحہ کا ہے اس میں حضرت طلحہ کی ایک انگلی بھی اڑ گئی تھی، نام نہ لکھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو واقعہ ایک خاص کا ہے مگر یہ تخصیص اتفاقی ہے ورنہ تقریبًا سب ہی صحابہ کی کم و بیش آپ کے اوپر جاں نثاری اور محبت کی یہی حالت تھی۔

ہم پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ صحابہؓ کی عقیدت و محبت کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بڑی حیرت ہوتی ہے۔ جس قدر وہ لوگ آپؐ کے ساتھ عقیدت و محبّت رکھتے تھے، اور آپ کی فرمانبرداری میں سرگرم تھے۔ ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس سے زاید اور بھی ممکن ہے۔ بعد کے آنے والے جس قدر کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، صحابہ کسی طرح اُن سے کم نہیں تھے، بلکہ اُن سے بہت زائد تھے۔ اور یہ ایک بیّن دلیل آپ کی حقانیت اور بے غرضی کی ہے۔ اگر آپ تصنّع کرتے ہوتے یا بنے ہوئے نبی ہوتے۔ اور آپ کی تعلیم وغیرہ خود غرضی کے لیے ہوتی تو کسی طرح ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہر وقت و ہر لحظہ کے پاس رہنے والے اور ہر طرح کے رازدار ایسا کرتے۔ انھوں نے آپؐ کے پیچھے[1] نہ جان کو جان سمجھا، نہ مال کو مال۔ جان و مال و عزّت و آبرو و اولاد سب آپؐ پر فدا کردی۔ گھر بار چھوڑا، اولاد و عزیز و اقارب کو چھوڑا، مگر آپؐ کا ساتھ اور آپؐ کی فرمانبرداری کو نہ چھوڑا۔ انھوں نے سخت سے سخت مصیبتیں سہیں اور مہینوں[2] بھوکے رہتے تھے۔ دنوں تک ایک ایک چھوہارے پر دن بسر کرتے تھے۔ پتے کھا کھا کر دن گزارتے اور پھر ایسے فقر و فاقہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے برابر جہاد کرتے رہتے تھے۔

زبان سے کہنا تو بہت آسان ہے۔ مگر جس نے تجربہ کیا ہے وہی جانتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کیسا سخت بیقرار کرنے والا عذاب اور ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔ مگر انھیں کا ایمان تھا کہ وہ ایسی حالت پر بھی ذرا نہیں گھبراتے تھے۔ اور سخت بھوک کی حالت میں جہاد کرتے رہتے تھے۔

بعض[3] صحابہ کا ذکر ہے کہ اُن کی بھوک کے مارے یہ حالت ہوتی تھی کہ کھڑے

---

[1] ان سب باتوں کے متعلق مفصل حالات کتب حدیث و سیر میں موجود ہیں۔ ہزاروں قصے ہیں، ایک دو بچوں تو اُن کا نشان بتایا جائے۔

[2] دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری پارہ ۲۲ صہ ۲۵۹ اور پارہ ۱۰ صہ ۵۲۹ اور پارہ ۲۶ صہ ۱۱۵-۱۲۱ وغیرہ۔

[3] دیکھو صحیح بخاری مع فتح الباری پارہ ۲۶ صہ ۱۱۵ اور شمائل ترمذی صہ ۲ مطبوعہ احمدی ۱۲۸۲ھ۔

سے گرتے تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مجنون ہو گئے۔ حالانکہ جنون وغیرہ کچھ بھی نہ تھا۔ بھوک کی بیہوشی ہوتی تھی، مگر اس پر بھی آپؐ کا ساتھ نہ چھوڑتے تھے، بلکہ وہ اتنی دیر کے لیے کہ کچھ کھانے کے لیے کما لائیں، غیر حاضری برداشت نہ کر سکتے تھے اور آپؐ کی فرمانبرداری کے سامنے اپنے عیش و آرام و ذاتی منافع کے فوت ہونے کی بال برابر پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کو بجز آخرت کی سچی تمنا کے جو کچھ مصیبتیں سہتے تھے اس کے سوا کسی دُنیاوی نفع کی امید نہ تھی۔ صدق اللہ تعالیٰ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا[1]۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ نے ایسی جاہل[2] و وحشی قوم میں جو اپنی پیاری کھیلتی کودتی اولاد کو بلاقصور اپنے ہاتھوں سے مار ڈالتے تھے۔ زندہ بچوں کو گاڑ دیتے تھے۔ اپنی بیبیوں کو غیروں کے پاس گرو رکھتے تھے۔ اپنی جوروؤں[3] کو دوسرے قوی مردوں کے پاس قوی بچہ لینے کے لیے بھیجتے تھے۔ بات کی بات میں ہزاروں خون کر ڈالتے تھے۔ کون سی ایسی روح پھونک دی تھی، جس سے وہ ایسے شائستہ اور مہذب بن گئے جس سے دنیا نے تہذیب حاصل کی۔ وہ روح تھی سچے دین کی۔ اور یہ آپؐ کا ایک قوی معجزہ ہے، جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔

صحابہ کرامؓ کا جذبۂ اتباعِ سنّت:

غرض صحابہؓ کی آپؐ پر گرویدگی ایک حیرت انگیز ان کی محبت اور عقیدت کا نمونہ ہے۔ اور جیسی اُن کو محبت تھی ویسے ہی آپؐ کے اتباع اور آپؐ کی سُنتوں پر عمل

---

[1] محمد رسول اللہ کے ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں، تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اُس کی خوشی (سورہ فتح رکوع ۴)۔

[2] یہ بیان خود قرآن مجید میں اور مفصل کتب تفسیر و حدیث میں موجود ہے۔

[3] دیکھو صحیح بخاری پارہ ۲۱ صفحہ ۲۸ مطبوعہ مطبع انصاری۔

میں سرگرم تھے۔ اُن کی محبت ہم جیسوں اور ہمارے زمانے کے لوگوں کی سی نہ تھی کہ زبانی محبت کے بڑے بڑے دعوے، مگر اتباعِ سنت اور اطاعت احکام کا نام بھی نہیں، بلکہ سنت کے نام سے نفرت۔

حالانکہ سچی محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کے ساتھ محبت کرے اور اسی کی چال چلے۔ صحابہؓ صرف اُمورِ دینی میں نہیں بلکہ ویسے بھی آپؐ کی چال ڈھال و ہر بات میں آپؐ کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے ایک خاص[1] ضرورت سے انگوٹھی بنوائی اور پہنی، سب نے انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں۔ جب آپؐ نے اس کو اُتار کر پھینک دیا، سب نے اُتار کر پھینک دیں۔

بعض[2] کا ذکر ہے کہ جہاں کہیں سفروں میں آپؐ اُترے، یا کہیں قضاءِ حاجت کی وہ بلا ضرورت وہاں اُترتے اور قضاءِ حاجت کے لیے بیٹھ جاتے۔ آپؐ کے قول و فعل میں ان کو کسی توجیہ اور تاویل یا دریافت علت و سبب کی ضرورت نہ تھی، جو کرتے دیکھا، کرنے لگے۔

ایک[3] مرتبہ آپؐ نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔ آپؐ نے نماز میں نعلین اُتار دیں، سب نے اُتار دیں۔ آپؐ کے اُتارنے کی وجہ تو یہ تھی کہ بحسب اتفاق آپؐ کی نعلین میں کچھ ناپاکی لگی تھی جبرائیلؑ نے نماز میں آکر خبر دی، آپؐ نے اُتار دیں۔ مگر انھوں نے

---

[1] صحیح بخاری پارہ ۲۴ صفحہ ۷۸۹-۷۹۰ مطبوعہ انصاری پریس۔

[2] حضرت ابن عمرؓ کے حالات صحیح بخاری اور شفاء قاضی عیاض میں دیکھو۔ شفا میں حضرت ابن عمرؓ کا ایک قصہ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سفر میں اپنی سواری کی اونٹنی کو ایک جگہ گھماتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو جواب دیا: میں نے رسول اللہؐ کو (اس جگہ) گھماتے دیکھا، میں نے بھی ویسا ہی کر لیا اور کچھ میں نہیں جانتا۔ شفا میں اسی قسم کے اور بھی قصے لکھے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کا ایک قصہ ذہبی کے قول میں بھی بعض طبقۂ سابعہ آگے آتا ہے۔

[3] سنن ابی داؤد، باب الصلوٰۃ فی النعل صفحہ ۹۶ نولکشوری ۱۳۰۵ھ۔

آپؐ کو اُتارتے دیکھ کر بلا وجہ اُتار دیں۔ ایک[1] روز آپؐ نے خطبہ فرمانے کے لیے منبر پر چڑھ کر حاضرین سے ارشاد فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ ایک صحابی باہر سے آ رہے تھے انہوں نے مسجد کے دروازہ پر آپؐ کا یہ ارشاد سُنا۔ وہیں دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب پیغمبر صاحب کی اُن پر نظر پڑی تو اُن کو اندر بُلایا۔ حضرت[2] ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے ایک مرتبہ حسب اتفاق آپؐ کے حضور میں زور سے بولنے پر ممانعت کا حکم آیا۔ اس کے بعد سے ہمیشہ دونوں (باوجودیکہ حضرت عمرؓ بہت بھاری آواز کے آدمی تھے) آپؐ کے حضور میں ایسے آہستہ بولتے تھے کہ مشکل سے ان کی بات سمجھ میں آتی تھی۔

اگر ہم صحابہؓ کے اس قسم کے حالات لکھیں تو ایک مستقل کتاب بن جائے۔ ہم کو جو یہاں پر کہنا ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ اتباعِ سنت میں بڑے مستعد تھے، اور اُن کا دستور یہی تھا کہ ہر بات میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جو اُن کو آپؐ سے ثابت ہوتا تھا اس پر عمل کرتے تھے۔ اور گو ایسا بھی ہوتا ہو کہ بعض صحابہؓ عندالضرورت خصوصاً جو کہ تازہ اسلام اور ناواقف تھے، دوسرے واقف کاروں سے کسی وقت کوئی مسئلہ دریافت کرتے ہوں۔ مگر سب کے مرجع آپؐ ہی تھے۔ اور سوا آپؐ کے اور کسی کا کوئی مذہب مقرر نہ تھا۔

نبی اکرمؐ کے بعد ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ عمل :

پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے بعد خلیفہ ہوئے ابوبکرؓ۔ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ سے اعلم[3] اور سب سے زیادہ ذکی تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ وہ ہمیشہ حضر و سفر میں اول

---

[1] سنن ابی داؤد، ابواب الجمعہ صـ۱۵۷

[2] صحیح بخاری مع فتح الباری پارہ ۲ صـ۳۲۸۔ اور تقریباً سب ہی صحابہ کی یہی حالت تھی۔ دیکھو شفا قاضی عیاض۔

[3] سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں: انہ اعلم الصحابۃ واذکاھم الخ صـ۳۸-۳۹

سے آخر تک برابر پیغمبر صاحبؐ کے ساتھ رہے ہے۔ کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے الاماشاء اللہ اس واسطے فیضانِ صحبت کا جو حصہ ان کو نصیب ہوا، دوسرے کو نہ ہوا اور خدا داد فہم مزید برآں۔

حضرت ابو بکرؓ کا اپنے زمانہ خلافت میں یہ دستور تھا[1] کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا یا کسی مسئلہ کی ضرورت ہوتی، تو اول کتاب اللہ میں نظر کرتے۔ اگر اس سے مسئلہ مل گیا تو خیر، ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ان کے سینہ میں تھیں، ڈھونڈتے۔ اگر اس میں مل گیا تو خیر، ورنہ اوروں سے پوچھتے پھرتے کہ میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے، تم میں سے کسی کو اس کی بابت کوئی حدیثِ رسولؐ معلوم ہے۔ اگر کسی کے پاس حدیث مل جاتی تو اسی کو اختیار کرتے، اور حدیث کے مل جانے پر اللہ کا شکر کرتے۔ اگر موجودین سے کسی کے پاس نہ ملتی اور وہ اپنی حد جستجو کو ختم کر چکتے تو سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے اُن کی رائے و اجتہاد پر نظر کرتے۔ اگر سب کے سب ایک بات پر متفق الرائے ہو جاتے تو اُسی کو لیتے۔ اور خود بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔

فاروقِ اعظمؓ و جملہ صحابہؓ کا طرزِ عمل اور تقلید کا عدم وجود:

اسی طرح حضرت عمرؓ کا بھی دستور[2] رہا۔ اور یہی دستور[3] تقریباً بقیہ صحابہؓ کا بھی تھا۔ جو کوئی کہیں کا حاکم یا مفتی یا قاضی ہوتا، اسی طرح کرتا۔ جب کوئی حادثہ پیش آیا، اگر اپنے علم میں اُس کی بابت کوئی آیت یا حدیث ہوئی، تو اُس کے موافق

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی صہ۶۴ اور افتراق الامم صہ۱۰۲ مطبوعہ نظامی ۱۲۹۱ھ اور سنن ابی داؤد، باب فی الجدۃ صہ۴۵ جلد دوم اور انصاف باب اسباب الاختلاف بین اہل الحدیث صہ۳۸ مطبوعہ دبدبہ احمدی لکھنؤ

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی صہ۹۴۔

[3] کنز العمال جلد ۳ اور سنن دارمی اور افتراق الامم صہ۱۰۲ اور انصاف صہ۳۹۔۴۰

عمل درآمد کیا۔ خود نہ معلوم ہوئی، دوسروں سے تلاش کی۔ پتہ لگ گیا تو خیر، ورنہ اجتہاد سے کام لیا۔ حضرت عمرؓ قرآن وحدیث کے نہ پانے کی صورت میں حضرت ابوبکرؓ کے فیصلہ کو بھی تلاش کرتے تھے۔ حضرت[1] عمرؓ بھی کبار علمائے صحابہ میں سے تھے۔ بلکہ اگر حضرت[2] ابوبکرؓ کے بعد انہیں کو بقیہ صحابہؓ سے افقہ واعلم کہا جائے تو نادرست نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ باوجودیکہ اپنے وقت میں بقیہ افراد مسلمین سے اعلم اور بڑے بڑے مجتہد تھے اور ان کے وقت میں تعداد مسلین کی بھی بہت بڑھ گئی تھی، خصوصاً حضرت عمرؓ کے وقت میں تو بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور اعداد مسلمین اور رقبہ مملکت اسلام بہت ہی وسیع[3] ہو گیا۔ ۲۷ھ[4] ہجری میں افریقہ واندلس بھی ممالک اسلام میں شامل ہو گیا تھا۔

اور یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا کہ تمام قدیمی مسلمان اور نو مسلم سب کے سب مجتہد اور عالم تھے (بلکہ کوئی شک نہیں کہ خواص کے افراد کم ہوتے ہیں، زیادہ تر عوام ہی ہوتے ہیں) مگر ایسا نہیں کیا گیا کہ تمام عوام وخواص کو یا صرف عوام کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے مجتہد وامام کی تقلید پر آمادہ یا مجبور کیا جاتا، اور

---

[1] تاریخ الخلفاء صہ ۱۰۸۔

[2] حضرت عمرؓ کے موافقات کثیرہ اور پیغمبر صلعم کا خواب میں اُن کو اپنا بچا ہوا دودھ دینا اور اس سے مراد علم بتانا اور ان کے محدث ہونے کی حدیث اخرجہا البخاری وغیرہ اور حدیث ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر وقلبہ اخرجہ الترمذی وغیرہ اس پر دال ہیں۔ اور اس کے اور بھی بہت شواہد ہیں۔ حضرت ابن مسعود کا قول ہے اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر کا علم بھاری رہے گا۔ دیکھو استیعاب ابن عبد البر وازالۃ الخفا۔

[3] حضرت عمرؓ کے کل ممالک مفتوحہ کا رقبہ الفاروق حصہ دوم میں بائیس۲۲ لاکھ پندرہ ہزار میل مربع بتایا ہے۔

[4] تاریخ الخلفاء سیوطی صہ ۱۵۴

نہ از خود ان لوگوں[1] نے ایسا کیا بلکہ صحابہؓ و تابعینؒ سب کا دستور یہی رہا اپنے آپ کو مسئلہ

---

[1] ہم یہ جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے صرف ایک واقعی حالت اور نفس الامری سرگزشت اس زمانے کی بتانا چاہتے ہیں تاکہ قدیم اسلام اور اہل اسلام کا نقشہ دکھلائیں اور یہ کہ تقلید شخصی کا مذہب کب سے شروع ہوا۔ لہذا ہمارے کلام پر اس اعتراض کے وارد کرنے کا کوئی موقع نہیں کہ اس زمانے میں تقلید کی ضرورت نہ تھی، اس لیے کہ قرب زمانہ کی وجہ سے سب واقف تھے یا یہ کہ اس زمانے میں تقلید شخصی اس وجہ سے نہ ہو سکتی تھی کہ اس وقت تک کسی کا مذہب مدوّن نہ ہوا تھا کہ اُس کا حاصل کرنا آسان ہوتا اور سب کو اُس کا پابند کیا جاتا۔ لہذا اس زمانے میں تقلید شخصی نہ ہونے کے خاص وجوہ تھے۔ پس اس زمانے کا ذکر فضول ہے۔ کیونکہ اس اعتراض کا اگر موقع تھا تو اسی وقت تھا کہ ہم اس زمانے میں تقلید نہ ہونے کو اس زمانے کی تقلید کے عدم جواز پر بطور استدلال کے پیش کرتے اور یہ کہتے کہ چونکہ اُس زمانے میں تقلید شخصی نہ تھی لہذا اس زمانے میں بھی نہ ہونی چاہیے۔ پس اس کے جواب میں اُس زمانے اور اس زمانے کا فرق دکھایا جاتا۔ علاوہ اس کے یہ اعتراض فی نفسہٖ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ تابعین و تبع تابعین اور زمانہ مابعد کے لوگ جنھوں نے خود پیغمبر صاحبؐ سے استفادہ نہیں کیا تھا۔ ان کو ضرورت تھی کہ کسی نہ کسی کے ذریعہ سے احکام شرعی کو معلوم کرتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سب کے سب عالم و مجتہد نہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مسائل میں اختلاف زمانہ صحابہ ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس وقت تقلید کی ضرورت ہے اور اُس وقت نہ تھی جو اس وقت کا حال ہے وہی اس وقت کا حال تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت تھوڑے واسطوں سے پیغمبر صاحبؐ تک سلسلہ پہنچ سکتا تھا اور زمانہ مابعد میں زائد سے۔ اور مدون نہ ہونے کا عذر بھی غیر صحیح ہے۔ اگر تقلید کی جاتی تو جس مجتہد کی تقلید کی جاتی اسکے عندیے اور مذہب کی سب ہی کو تلاش ہوتی اور سب ہی اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرتے پس ایک کو دوسرے سے بآسانی معلوم ہوتا رہتا اور سب اپنے حوادث و واقعات میں اس پر عمل کر سکتے۔ آخر پیغمبر صاحبؐ کے فرمان و ارشادات بھی تو مدوّن نہ تھے۔ پھر ان پر کیسے سب کے سب عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اشاعت علم کے ذرائع بہت پیدا کیے تھے۔ جابجا علماء تعلیم کے لیے مقرر کیے۔ برابر بذریعہ خط و کتابت اطراف ممالک میں علمی مضامین پہنچایا کرتے تھے۔ دیکھو کتب تراجم و تذکرے۔ اور الفاروق شبلی نعمانی حصہ دوم جس میں انھوں نے حضرت عمرؓ کا بانی فقہ اور اصول فقہ (باقی اگلے صفحہ پر)

معلوم ہوا، اس پر عمل کیا، نہ معلوم ہوا جس سے معلوم ہو گیا عمل کر لیا۔ جس سے اتفاق پڑا، دریافت کر لیا۔ کسی کی کوئی تخصیص یا قید نہ تھی۔ ہر شخص اپنے شوق و توفیق کے موافق احادیث رسول ؐ معلوم کرنے میں جہاں سے اور جس سے ملتیں حصہ لیتا اور اس پر عمل کرتا۔ ان کا طریقہ تھا عمل بالحدیث۔ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف[1] میں تحریر فرماتے ہیں: "صحابہؓ اور تابعین سے بطور تواتر کے ثابت ہے کہ اُن کو جب کوئی حدیث پہنچتی تھی تو بلا کسی شرط کے وہ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔" انتہیٰ۔ اور سب کے سب ایک ہی روش پر تھے، گو بعض بعض مسائل میں اختلاف بھی تھا مگر فرقے و مذہب علیحدہ علیحدہ قائم نہ تھے، اور جیسے وہ لوگ عمل میں ایک سیدھے اور صاف طریقہ (عمل بالحدیث) پر تھے۔ اسی طرح اس وقت میں عقاید کی سطح بھی نہایت ہی مستوی و ہموار تھی۔ قرآن و حدیث میں صفات الٰہی اور امور آخرت وغیرہا عقاید کے متعلق جو کچھ وارد ہوا، اس کے ظاہر کے موافق عقیدہ رکھتے تھے، اور زبان سے اُس کا اقرار کرتے تھے اور اُس کی کیفیت و تفصیل میں اپنی طرف سے کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اس وقت تک عقاید کے متعلق جو باتیں مذکور ہیں نہ ان میں کوئی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہونا تسلیم کیا ہے (ص ۲۱۶ وغیرہ) اور لکھتے ہیں: "چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں" (ص ۱۳۳) اور لکھتے ہیں: "فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایات صحیحہ منقول ہیں اُنکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں۔" (بحوالہ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ ص ۲۳۵ مطبوعہ نامی پریس کانپور)۔ الغرض تقلید شخصی کی اگر اس وقت ضرورت ہے تو اُس وقت بھی تھی اور اگر تقلید شخصی اختیار کی جاتی تو کوئی وجہ اس کے نہ ہو سکنے کی نہ تھی۔ پس اعتراض مذکور غیر صحیح ہے۔

[1] ص ۲۰ عبارت یہ ہے: وقد تواتر عن الصحابۃ والتابعین انھم کانوا اذا بلغھم الحدیث یعملون بہ من غیر ان یلاحظوا شرطا۔ انتہیٰ

موشگافیاں پیدا ہوئی تھیں اور نہ تاویلیں پیدا کی گئی تھیں۔ غرض اعمال و عقاید ہر ایک کی طرف سے سب مسلمان ایک ہی جماعت تھی اور پورے طور پر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا[1] کے مصداق ہو رہے تھے جو کہ شارع کا مقصود اصلی ہے۔

مذہب شیعہ کی ابتدا:

اسلام میں سب سے اوّل خلاف جس کی بنا پر تفرق ہو کر اور مذہبی خلاف ٹھیر کر آیندہ کے لیے مذہبًا ایک علیحدہ فرقہ قائم ہو گیا، یہ ہے کہ بزمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک یہودی تھا: عبداللہ بن سبا نامی، معروف بابن السوداء۔ وہ مسلمانوں کے شہروں میں آکر مسلمانوں کو بہکایا کرتا تھا۔ مگر جب اُس کی کچھ پیش نہ گئی تب[2] ایک داؤ چلا پہلے مسلمان بنا اور ۳۳ھ میں بصرہ کے اندر آکر ٹھیرا اور لوگوں سے اختلاط پیدا کیا، اور اُن کو چند نئے قسم کے مسائل (صاف صاف نہیں بلکہ مجمل طرز سے دلپذیر الفاظ میں) سکھانا شروع کیے۔ بصرہ کے حاکم تھے عبداللہ بن عامر۔ رفتہ رفتہ ان کو خبر پہنچی۔ اُنھوں نے اُس کو طلب کیا، اور اُس سے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا اہل کتاب میں سے تھا۔ دین اسلام پسند آیا، مسلمان ہو گیا ہوں، اور تمھاری حدودِ مملکت کے اندر رہنا اچھا معلوم ہوا، اس واسطے یہاں آکر رہنے لگا۔ پھر انھوں نے اس کے مسائل کی تحقیقات کی۔ ان کو جعلی پا کر اس کے اخراج کا حکم دیا۔ وہاں سے نکل کر کوفہ میں جا کر رہا۔ وہاں بھی یہی قصہ پیش آیا۔ تب مصر میں اقامت اختیار کی اور وہاں بھی وہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ لوگوں سے کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آویں گے اور

---

[1] مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو (یعنی ایک ہو کر رہو فرقے فرقے نہ بنو) سورۂ آل عمران رکوع ۱۱۔

[2] خبیئۃ الاکوان فی افتراق الامم والادیان (ص ۱۰۴ تا ۱۰۵) از نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نیز دیکھیے علامہ مقریزی کی کتاب المخطط والآثار ص ۲۶۷ ج ۴ (ع - ح)

یہ صحیح نہ ہو کہ (ہمارے پیغمبر) محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں آویں۔
بعض لوگ اُس کی یہ بات مان گئے اور یہ رجعت کا مسئلہ قائم ہؤا۔ پھر لوگوں سے بیان کیا کہ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی وصی ہوتا ہے (اور ہمارے نبیؐ کا بھی کوئی ضرور وصی تھا) وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں اور وہی مستحق خلافت ہیں، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو رسولؐ کی وصیت کو جاری نہ ہونے دے، اور عثمانؓ تو بلا استحقاق خلیفہ ہو گئے۔
غرض اس نے فساد اٹھانے کی غرض سے شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے لوگوں کو بدظن و بدعقیدہ کرنا چاہا اور اُس میں بہت کچھ سعی کی، اور جا بجا اپنے بھیدی مقرر کیے کہ انھوں نے رفتہ رفتہ ہر جگہ کے لوگوں کے دلوں میں وہاں کے عُمّال اور حاکموں کا ظالم ہونا جمایا (تاکہ مسلمانوں میں فساد برپا ہو اور بغاوت قائم ہو) حتیٰ کہ تمام بلاد سے ایک شور اٹھ کر دار الخلافہ مدینہ منورہ کو پہنچا، جس کا (بعد ایک طویل قصّہ کے) انتہائی انجام یہ ہؤا کہ ملک میں بغاوت قائم ہوئی اور حضرت عثمانؓ ۳۵ھ میں شہید کیے گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)۔
اگرچہ اس بغاوت اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کی اور بھی مؤید باتیں پیدا ہو گئی تھیں مگر اصلی اور بڑا سبب ابن السوداء کا اندرونی فساد تھا۔ ابن السوداء جو اسلام کا سخت بدخواہ تھا اور اسلام کے اندر فتنہ انگیزی چاہتا تھا اپنی چال میں خوب کامیاب ہؤا، اور اس کے ان جعلی مسائل کا نتیجہ یہ ہؤا کہ ایک بہت بڑا مذہب علیحدہ قائم ہو گیا، اور جماعت عظیم اُس کی قائل ہو کر مذہبًا ایک دوسرا فرقہ ٹھہری جس کا نام شیعہ یا رافضی ہؤا۔ اس مذہب کی بنیاد تو ابن السوداء سے قائم ہوئی اور اُسی وقت سے تشیع شروع ہؤا۔ مگر وقتاً فوقتاً اُس میں جیسی ترقی ہوتی گئی شاخیں پھوٹتی گئیں۔ چنانچہ اب شیعوں کے بڑے بڑے بیس فرقے ہیں۔ اور ویسے تو تین سو تک نوبت پہنچ گئی۔[1]

---

[1] افتراق الامم ص۱۱۔

حضرت عثمانؓ کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے روافض[1] میں کا ایک غالی فرقہ پیدا ہوا۔ جو حضرت علیؓ کے ساتھ حد سے متجاوز محبت کا دعوے رکھتا تھا۔ اِن کو حضرت علی المرتضےؓ نے سخت عذاب دے کر جان سے مارا۔ اس بات کی کہ علیؓ وصی رسولؐ ہیں خود حضرت علیؓ نے تکذیب کی۔ جیسا کہ ابن عساکر[2] کی روایت میں مصرح مذکور ہے مگر ابن السوداء کی تو غرض ہی اور تھی۔

افسوس تو ان پر ہے جو اس کی اصلی غرض سے بے خبر رہ کر اس کے دام میں مبتلا ہو گئے اور ابن السوداء نے اہل بیت کی محبت کی ٹٹی میں شکار کھیلا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ کسی مذہب کو مقبولیت نہیں ہو سکتی اور نہ لوگ اس کو مان سکتے ہیں جب تک کہ وہ خوشنما بنا کر نہ دکھایا جائے اور اس میں کوئی نہ کوئی بات عام پسند اور دل گیر نہ ہو، اسی وجہ سے ان تمام مذاہب میں جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے کوئی بات ایسی ضرور دکھائی گئی جو دلپذیر اور لوگوں کو قابو میں لانے والی ہو۔ مذہب تشیع[3]

---

[1] جن لوگوں کو حضرت علیؓ نے جلا دیا (اخرجہ البخاری والترمذی وغیرہما) لمعات وغیرہ میں ان سے یہی لوگ مراد بتائے ہیں جو حضرت علیؓ ہی کو (نعوذ باللہ) رب بتاتے تھے۔ اور دیکھو فتح الباری پارہ ۲۸ صفحہ ۲۱۲۔

[2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۵ تا ۲۷۶۔

[3] مذہب تقلید میں جو بات خوش آیند اور عام پسند ہے جس سے وہ عموماً خوش منظر اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے اپنا غایت انکسار و تواضع اور اس عالم کی جس کی تقلید کی جائے نہایت تعظیم اور اس کے ساتھ بے حد حسنِ ظن یعنی یہ کہ قرآن و حدیث کو وہی خوب سمجھتے تھے اور اسرار شریعت سے واقفیت انھیں کا حصہ تھا۔ اجتہاد واستخراج مسائل و فہم قرآن و حدیث انھیں کا کام تھا۔ جو کر گئے ہم کو کہاں ایسا علم یا لیاقت یا سمجھ کہ ہم قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں یا اُن کی باتوں میں دخل دیں۔ اگر ہم اُن کی کسی بات کو ضعیف یا مرجوح کہیں تو ہماری مثل وہی ہے چھوٹا منہ بڑی بات۔ ان کا علم بہت وسیع تھا۔ ان کی کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہونا دور از عقل ہے۔ ہم لوگ جاہل و بے علم ہیں۔ ہم کو تو انھیں کی تقلید چاہیے۔ غرض اپنا انکسار اور اُن کی کمال عظمت کا اظہار۔ اسی وجہ سے اپنے فریق مخالف کو گستاخ متکبر بتاتے ہیں۔ اگرچہ (باقی بر صفحہ آیندہ)

میں اہل بیت کی محبت اور ان کی حق رسی کو آگے رکھ دیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ ایسی ملمع کاری والی باتیں جو کلمۃ[1] حق ارید بہا الباطل کے مصداق ہیں محققانہ نظر سے دیکھنے والے اور اس طرزِ عمل کے برتنے والے کے سامنے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کبھی چھپ نہیں سکتیں۔ چونکہ تشیع کی ابتدا ابن السوداء سے ہے، اور اس کی قیام گاہ تھی مصر۔ اس لیے تشیع کا زور[2] مصر سے اٹھا۔ اور وہ مصر میں بہت غالب رہا، حتیٰ کہ ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین نے دولت اسماعیلیہ کو نیست و نابود کر کے مصر کو تشیع سے صاف کیا۔ تشیع نے زمانۂ مابعد میں بے حد ترقی کی اور اس کے فتنہ نے اسلامی دنیا کو باہم جنگ وجدال پیدا کر کے سخت سخت نقصان پہنچائے[3]۔

باطل فرقے اور ان کے حدوث کے اسباب:

جیسا کہ ہم نے تشیع کی ابتدا بیان کی، اسی طرح اور تمام مذاہب اور فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے۔ مثلاً[4] ۳۷ھ میں حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی باہم فوج کشی ہوئی اور آخر میں دو پنچوں کی پنچایت پر فیصلہ ٹھہرا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ کے لشکر کے کچھ لوگ تحکیم (پنچایت) کے مسئلہ کے مخالف ہو کر علیحدہ ہو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اپنا انکسار اور ائمہ کی تعظیم نہایت مستحسن امر ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر اس کی بھی ایک حد ہے۔ تحقیق حق کے موقع میں اگر اسی کو پیش نظر رکھا جائے تو کبھی حق دریافت نہیں ہو سکتا۔ یہی طرز عمل اگر ہمیشہ برتا جاتا تو کبھی کوئی متاخر عالم اپنے متقدم کا خلاف نہ کرتا۔ اس کے علاوہ ہم نہیں سمجھ سکتے جب وہی علماء جن کے ساتھ حسن ظن ہے، باہم مختلف ہیں تو اب ہم کو کیا کرنا چاہیے درآنحالیکہ یہ بھی یقین ہے کہ حق پر عند اللہ ان میں سے ایک ہی ہے۔

[1] یعنی بات تو صحیح ہے مگر نتیجہ غلط پیدا کیا گیا۔

[2] افتراق الامم ص۱۰۱ تا ۱۰۵۔

[3] دیکھو کتب تواریخ۔

[4] تاریخ الخلفاء ص۱۷۳۔ افتراق الامم ص۱۱۱، ۱۲۰۔ فتح الباری پارہ ۲۸ ص۳۴۴ ۲۳۵/۲۸ باب قتال الخوارج۔

گئے اور اس میں انھوں نے سخت تشدد اختیار کیا اور فرط تشدد کی وجہ سے حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ والوں کو مشرک و کافر کہنے لگے اور مضمون آیت اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سے استدلال کیا۔ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے اور اُن کے جو حضرت عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں حضرت علیؓ سے لڑے پہلے ہی سے سخت مخالف تھے اور اب حضرت علیؓ سے بھی مخالف ہو گئے اور حروراء میں جاکر ایک علیحدہ اپنی جماعت قائم کی۔ یہ لوگ خارجی کہلائے۔ یہاں سے خارجیوں کے مذہب کی ابتداء ہوئی اور وقتاً فوقتاً اُن کے مذہب میں اضافے ہوتے رہے اور نئے نئے مسائل داخل ہوتے گئے۔ اب ان میں بھی کوئی بیس فرقے ہیں۔

حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کو اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اُن کو سمجھانے کے لیے بھیجا۔ اکثر ان میں سے تو سمجھ گئے اور اپنے خیالات سے رجوع کر کے واپس آ گئے اور کچھ اپنی ہٹ پر قائم رہے۔ آخر اُن سے حضرت علیؓ نے بمقام نہروان میں قتال کیا، جن کے بارے میں پیغمبر صاحبؐ کی وہ پیشین گوئی، جس میں ایک ایسی جماعت نکلنے کی خبر ہے جو قرآن کی خوب تلاوت کریں گے اور بڑی طول طویل نمازیں پڑھیں گے مگر ایمان سے بے بہرہ ہوں گے، پوری[1] ہوئی۔ خارجیوں[2] میں سے ایک

---

[1] حدیث کا غلط انطباق:

صحیح بخاری باب من ترک قتال الخوارج للتالف میں ہے۔ ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر صاحبؐ (دیکھو) مال تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کے قبیلہ کا ایک شخص ذوالخویصرہ کا بیٹا عبداللہ نامی آیا (صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث علی میں ہے آنکھیں اسکی دھنسی ہوئیں، گالوں کی ہڈی اُٹھی ہوئی۔ پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی گھنی، سر گھٹا ہوا، تہمد اونچا) اور کہنے لگا، یارسول اللہؐ انصاف سے بانٹو۔ آپؐ نے جواب دیا، افسوس میں انصاف نہ کروں گا تو پھر کون کریگا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، مجھ کو اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ آپؐ نے فرمایا، جانے دو۔ فرمایا اس کے ساتھ کچھ لوگ ہوں گے۔ (کتاب المغازی والی روایت میں ہے اس کی نسل سے ایک قوم نکلے گی، جن کی نماز کے سامنے (تم) اپنی نماز کو حقیر سمجھو گے (داتی انگلے مطرپہ

شخص نے حضرت علیؓ کو ۴۰ھ میں شہید کیا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) تم اپنی نماز کو اور روزے کے سامنے اپنے روزے کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوں گے، مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے صاف نکل جائے (بعض روایت میں ہے بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کریں گے) انکی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ہوگا کہ ایک ہاتھ اس کا مثل پستان عورت کے (گوشت کا لوتھڑا) ہوگا (ایک دوسری روایت میں ہے عضد بلا ذراع کے ہوگا عضد کے کنارے سر پر پستان کی طرح ہوگا اور اُس پر سفید بال ہونگے) یہ لوگ اسوقت ظاہر ہونگے جب (مسلمان) لوگوں میں پھوٹ ہو رہی ہوگی (صحیح مسلم میں ہے جب میری امت دو فریق ہو رہی ہوگی ان کے قتل میں مشغول وہ فریق ہوگا جو ان دونوں فریق میں زیادہ حق کے قریب ہوگا۔ طبری کی روایت میں علامت اُن کی سر منڈانا بھی بتائی ہے)۔ صحیح بخاری کے باب قتال الخوارج میں بروایت حضرت علیؓ اس طرح ہے کہ پیغمبر صاحبؐ نے ارشاد فرمایا عنقریب آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی۔ نئی عمر والے۔ عقل کے کوتاہ۔ قرآن سے دلیل پکڑ کر بات کریں گے مگر ان کا ایمان اُن کی گردن کی ہنسلیوں سے تجاوز نہ کریگا الخ ابو سعید کہتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث پیغمبر صاحبؐ سے سنی اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو قتل کیا، اور میں حضرت علی کے ساتھ (مقاتلہ میں) شریک تھا اور وہ شخص بھی ان میں پایا گیا اسی حلیے کے مطابق جیسا کہ پیغمبر صاحبؐ نے بتایا تھا (طبری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ کے سامنے اس حلیہ کے شخص کے مقام نہروان میں قتل ہونے پر پچاس آدمیوں نے گواہی دی۔ صحیح مسلم میں ہے جب حضرت علی کے حروراء والے مقابل ہوئے تو حضرت علیؓ نے بیان فرمایا کہ پیغمبر صاحبؐ ایک قوم کی بابت پیشین گوئی فرما گئے ہیں بلاشبہ وہ باتیں میں ان میں پاتا ہوں الخ سہل بن حنیف بھی اس پیشین گوئی کا مصداق انھیں خوارج کو بتلاتے تھے۔

الحاصل اس سے کوئی اہل علم انکار نہیں کرسکتا کہ اس پیشین گوئی کے مصداق خوارج ہیں اور یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی۔ چنانچہ شراح حدیث برابر اس کی تصریح کرتے آئے اور آخر زمانہ کا لفظ جو بعض روایت میں وارد ہوا اس سے مراد آخر زمانہ خلافت راشدہ ہے۔ چنانچہ خوارج کا قصہ خلافت راشدہ کے (جسکی کل مقدار تیس سال بتائی گئی ہے) اٹھائیسویں سال واقع ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اسی معنی کو پسند کرتے ہیں (فتح الباری پارہ ۲۸ صفحہ ۱۳۶ ج ۶) ہم کو بعض حضرات پر سخت تعجب ہے کہ وہ اس حدیث کے بعض (حاشیہ)

بزمانۂ[1] خلافت عبدالملک بن مروان بصرہ میں ایک شخص معبد بن خالد جہنی ظاہر ہوا جس نے تقدیر کا انکار کیا۔ یہاں سے قدریوں کی ابتدا ہوئی۔ بصرہ کے بہت لوگ اس کے تابع ہوگئے۔ جب فتنہ زائد بڑھا تو سنہ ۸۰ھ میں حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے اس کو سولی دی۔ مگر وہ تو ایک فرقہ قائم ہوچکا تھا جو باقی رہا۔ حضرت ابن عمرؓ کو جب ان لوگوں کے عقیدے کی خبر پہنچی تو بہت کچھ ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کی۔

اسی[2] طرح اخیر صدی پر ایک شخص بلاد مشرقیہ میں سے جہم بن صفوان نامی ظاہر ہوا جس نے صفات الہٰی کا انکار کیا۔ یہاں سے مذہب جہمیہ قائم کیا اور اسی[3] طرح ہجرت سے دو صدی بعد مذہب اعتزال بھی شروع ہوا۔

غرض اسی طور سے وقتاً فوقتاً یہ تمام مذاہب و فرقے جو ہم دیکھ رہے ہیں پیدا ہوتے گئے اور ابتداء تو ان کی کسی کی بدباطنی یا چالاکی یا خودغرضی یا تعصب یا غلط فہمی یا کسی اور اتفاقی وجہ سے ہوئی مگر آہستہ آہستہ اس کو ترقی ہوتی رہی اور تھوڑے بہت لوگ اس میں مبتلا ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ رواج نے تھوڑے دنوں کے بعد ایک مستقل

ٹکڑوں کو لے کر عوام کو غلطی میں ڈالنے کیلئے اہلحدیث کو اس کا مصداق ٹھیراتے ہیں اور اہلحدیث کے رد میں اس قسم کی احادیث پیش کرتے ہیں اول تو اہلحدیث کا مذہب اسی دن سے ہے جس دن سے اسلام ہے۔ پھر آخر زمانے میں نکلنے کے کیا معنے۔ دوسرے جو علامتیں اس حدیث میں بتائی گئی ہیں ان سے اہلحدیث کو ذرا بھی تعلق نہیں اور تحلیق کے مسئلہ کی تو بعض علماء اہلحدیث نے بالکل ہی مخالفت کی ہے۔ فتح المبین کے ضمیمہ میں بھی یہ اور اس قسم کی اور کئی حدیثیں اور بعض بالکل بے پتے اہلحدیث پر تھوپ دیں۔ افسوس کہ ہم مفصل جواب کی اس مقام پر گنجائش نہیں پاتے۔ [۲] تاریخ الخلفاء صـ۱۶۴۔

---

[1] افتراق الامم صـ۱۲۰

[2] " " صـ۱۲۱

[3] " " صـ۱۲۱

مسلک اور پورا مذہب بنا کر کھڑا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ رواج یافتہ بات کی ابتدائی حالت کچھ ہوتی ہے اور ترقی و رواج کے بعد وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔ جس سے اصلی حقیقت اس کی نامعلوم ہو جاتی ہے۔ اور اس کا رسم و رواج اس کے پیروؤں کو دکھاتا ہے کہ یہی مذہب قدیم ہے اور یہی اصلی اور صحیح طریقہ ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی بات کسی خاص مصلحت یا کسی مناسب وجہ کی بنا پر شروع ہوتی ہے اور بعد رواج کے اس کی اصلی منشا تو نظر انداز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ایک مستقل صورت قائم کر لیتی ہے۔ یہ نئے نئے مذاہب جو پیدا ہوئے صحابہؓ تو ان سے محفوظ رہے۔ مگر بعض بعض بدعات ان کے سامنے شروع ہو گئی تھیں جس کے رد کرنے میں انھوں نے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

اہل سنّت کا طرزِ عمل :

اسی طرح تابعین اور تبع تابعین بھی جو قدم بقدم صحابہؓ کے اس اصلی و سیدھے راستہ پر چلے آتے تھے، ان کا رد کرتے رہے۔ جو ان مستحدث فرقوں کے مقابلہ میں[1] اہل السنّۃ والجماعۃ کہلائے۔ باقی ان اہلسنت کا اصول (عقائد) و فروع (اعمال) میں وہی طریقہ تھا جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

چھوٹے[2] بڑے سب قرآن وحدیث پر عمل کا قصد رکھتے تھے اور جس کو جس علم

---

[1] شرح عقاید نسفی مطبوعہ نولکشور ص۳ وغیرہ۔ نیز شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: فعلی المؤمن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنۃ ما سنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مطبوعہ لاہور ص۱۹۶) یعنے سنت سے مراد سنت رسول ہے اور جماعت سے جماعت صحابہ۔ اور توضیح تلویح میں ہے: اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقتھم طریقۃ الرسول (مطبوعہ نولکشور ص۲۵۸) یعنی اہل سنت والجماعۃ وہ ہیں جن کا طریقہ طریقۂ رسولؐ ہے۔

[2] چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔ علامہ قاضی شوکانی یمانی القول المفید میں تحریر فرماتے ہیں (م)

سے اتفاق پڑتا مسئلے کی تحقیق کر لیتا۔ نہ کسی کی تخصیص تھی، نہ کسی مولوی، امام[4] کے نام کا مذہب مقرر تھا۔ اور اس زمانے کا علم بھی زبانی تھا، جس کے خزانے انھیں کے سینے تھے۔ مدینہ کے تابعین میں سے سات[5] اماموں نے باعتبار کثرت علم وخدمت افتاء کے بہت زائد شہرت پائی۔ جو فقہاء سبعہ کے نام سے مشہور ہیں۔

---

(۴) " ہر عالم جانتا ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کے نام کے مذہب کی طرف منسوب تھے بلکہ ناواقف لوگ عالم سے حکم شرعی جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہو دریافت کیا کرتے تھے۔ اور علماء حکم شرعی کو لفظاً یا معناً روایت کر کے فتویٰ دیتے تھے لہٰذا ان کا عمل روایت پر ہوتا (نہ کسی کی) رائے پر" عبارت یہ ہے، وقد علم کل عالم انھم راھل القرون الثلاثۃ) لم یکونوا مقلدین ولا منتسبین الی فرد من افراد العلماء بل کان الجاھل یسأل العالم عن الحکم الشرعی الثابت فی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ نیفتیہ بہ ویرویہ لہ لفظا او معنہ فیعمل بذالک من باب العمل بالروایۃ لا بالرای انتہی۔ تبع تابعین کا زمانہ دوصدی ہجری کے بعد تک رہا ہے۔ چنانچہ آگے انشاء اللہ مفصل آوے گا۔

لفظ امام[4] کی تحقیق:

امام کے معنے لغت میں پیشوا کے ہیں۔ عرب میں بڑے عالم کو امام بولتے ہیں۔ ہر ملک کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، جیسے بنگالہ میں بڑے عالم کو مولٰنا کہتے ہیں اور افغانستان میں ملّا۔ عرب سے نکل کر امام کا لفظ اور ملکوں میں بھی مستعمل ہوا لیکن عوام کی نظروں میں اب وہ ایک ایسے عہدہ کا نام ہو گیا۔ جس کا محل سوا متقدمین کے چند اشخاص مخصوصہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ اب کسی پر بولا جا سکتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسے مرتبہ کا نام ہے جو ختم ہو چکا۔

[5] نام نامی ان کے یہ ہیں: سالم[1] بن عبداللہ۔ خارجہ[2] بن زید۔ عروہ[3] بن زبیرؓ۔ سلیمان[4] بن یسار۔ سعید[5] ابن المسیب۔ قاسم[6] بن محمد۔ عبید[7] اللہ بن عبداللہ ہذلی۔ اور بعض نے بجائے سالم کے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو۔ اور بعض نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث کو شمار کیا ہے۔ دیکھو "خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال"۔

امت محمدیہ میں ائمہ و مجتہدین کی کثرت :

ان کے سوا اور بہت سے انھیں کے وقت میں امام و مجتہد تھے۔ صحابہ اور تابعین، اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کے ہمعصر اور ان کے بعد کے زمانہ میں جس قدر امام و مجتہدین طبقۃً بعد طبقۃٍ (جو مقتدائے وقت اور مرجع خلائق تھے) گزرے ہیں ان کا شمار تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جس نے تاریخ الاسلام للذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ کامل ابن الاثیر۔ تاریخ ابن خلکان۔ فوات الوفیات۔ تاریخ ابن الوردی۔ طبقات ابن رجب۔ نفح الطیب للمقری۔ الدرر الکامنہ لابن حجر۔ کتاب ابن الدباغ۔ کتاب ابن المفضل۔ کتاب الحافظ ابن حجر المسمیٰ بہ انباء الغمر۔ کتاب ابن فہد مکی۔ کتاب الشیخ جلال الدین سیوطی۔ البدر الطالع وغیرہا دیکھی ہیں وہ جانتا ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایک ایک وقت میں کتنے کتنے مجتہد و امام گزرے ہیں جنھوں نے دین کی خدمتیں کیں اور پیشوا بنے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں امام ایسے گزرے ہیں (یہ بھی ہمارے پیغمبر صاحبؐ کا ایک معجزہ ہے کہ ان کی امت میں اس قدر اور ایسے ایسے عالم ہوئے) جو اجتہاد کے بڑے بڑے پایہ پر پہنچے اور بہت سے صاحب مذہب مستقل کہلائے (مگر جن کا زمانہ مساعد ہوا اور اسباب موافق مہیا ہو گئے اُن کا نام آگے کو بھی چلا اور عوام و خواص سب نے اُن کو جانا، اور جن کو یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں نہ وہ آگے کے لیے مشہور ہوئے اور نہ سوا خواص کے عموماً لوگ اُن سے واقف ہوئے، بلکہ عام لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سوا ان کے جن کو ہم جانتے ہیں اور کوئی امام نہیں ہوا اور یہی ساری دنیا کے لیے امام کر کے بھیجے گئے) ان اماموں کے اگر ہم صرف نام ہی شمار کرانا چاہیں تو اس کے لیے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ مگر اس موقع پر ملخص طبقات ذہبی سے اجمالی مضمون اس کے متعلق نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتے۔

امام ذہبی نے طبقات کے پہلے طبقہ میں حفاظ صحابہ کو اور سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو ذکر کیا۔ پھر طبقہ ثانیہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس قرن فاضل میں اہلِ علم اور ائمہ مجتہدین وغیرہم کی ایک خلق عظیم تھی اور کیا عجب جن کو ہم نے ذکر کیا اور علماء ان سے

بھی زیادہ علم والے اور بڑھ کر ہوں جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ اس وقت اسلام غالب اور زور پر تھا اور تمام روئے زمین پر پھیل گیا تھا۔ اور بلاد ترک اور اقلیم اندلس عرصۂ تسعین تک خلافت ولید میں فتح ہو گئے تھے۔ تمام امت انھیں کے زیر حکم تھی۔ ان کی کثرت اموال وجیوش اور قوۃ سلطنت اور فراوانی خزانہ کا حال لکھ کر طبقۂ ثالثہ کا ذکر کیا یہ طبقہ جماعت وسطی تابعین کا ہے۔ اسی میں ابوالشعثاء جابر بن زید کو ذکر کر کے ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔ ان کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے طواف میں ملاقات ہوئی۔ ابن عمرؓ نے ان سے کہا: "اے جابر! تم بصرہ کی جماعت علماء میں سے ہو تم سے فتوے پوچھے جاتے ہیں تو بغیر قرآن ناطق یا سنت ماضیہ کے فتویٰ نہ دیا کرو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تم خود بھی ہلاک ہو گے اور دوسروں کو بھی ہلاک کرو گے"۔ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس وقت مملکت اسلام میں علماء تابعین بہ تعداد کثیر موجود تھے اور اُن کے نام بھی بتائے۔ پھر طبقۂ رابعہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: اس طبقہ کے زمانہ میں دولت اسلام بنی امیہ سے ۱۳۲ھ میں نکل کر عباسیوں کے ہاتھ میں گئی۔ اس انقلاب میں خون کے ندی نالے بہہ گئے، اور خراسان اور عراق اور شام وغیرہ میں ایک عالم تہ تیغ ہوا جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے اور فلاں فلاں علماء نے وفات پائی جو حفاظ وقت وفقہائے زمانہ تھے۔

اور لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں بصرہ میں اعتزال اور مذہب قدریہ ظاہر ہوا۔ اور خراسان میں مقاتل بن سلیمان نکلا جس نے صفات الٰہی کے اثبات میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ جسمیت تک نوبت پہنچا دی۔ (یہاں سے مذہب مجسمہ کا شروع ہوا) اور ان مبتدعین کے مقابلہ پر علماء تابعین اور ائمہ سلف کھڑے ہوئے اور لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔

تدوینِ حدیث کی تاریخ:

اور علماء کبار نے تدوین سنن (حدیث) اور جمع فروع (مسائل) اور تصنیف عربیہ (فنون ادب) شروع کی۔ پھر (آگے بڑھ کر) یہ (سلسلہ تالیف وتصنیف) ہارون رشید کے زمانہ میں ترقی پکڑ گیا اور لغت کی کتابیں بنیں اور علماء کا حفظ

(پر جو مدار تھا) گھٹنے لگا۔ کیونکہ اب کتابوں پر بھروسہ ہونے لگا۔ اس سے پہلے صحابہ اور تابعین کا علم سینوں میں رہا کرتا تھا۔ اور سینے ہی اُن کے علم کے خزانے تھے۔ پھر طبقہ خامسہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ صاحب کو ذکر کیا۔ اسی میں ابن جریج، سفیان ثوری کو بھی گنا۔ اس طبقہ میں کچھ اوپر ستر امام شمار کرائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: میں نے اتنے ہی اماموں پر اختصار صرف بغرض تخفیف کیا (ورنہ امام اس طبقہ میں ان کے سوا اور بھی تھے)۔ ذہبی نے جو اس موقعہ پر تدوینِ کتب کی طرف اشارہ کیا۔ مناسب ہے کہ ہم بھی کچھ اور مختصر تفصیل یہاں پر ذکر کر دیں۔

مؤلفینِ حدیث:

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء[1] میں امام ذہبی کا ایک قول بابت واقعات سنہ ایک سو تینتالیس کے ذکر کرتے ہیں۔ ذہبی فرماتے ہیں: "اس وقت ۱۴۳ھ میں علماء اسلام نے تدوین حدیث و فقہ و تفسیر شروع کی تو مکہ میں تصنیف کرنے والے ابن جریج تھے، اور مدینہ میں (امام مالک صاحب) نے مؤطا تصنیف کیا۔ اور شام میں اوزاعی اور بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہما، اور یمن میں معمر اور کوفہ میں سفیان ثوری اور ابن اسحاق نے مغازی جمع کی۔ اور (امام) ابوحنیفہ نے فقہ و رائے[2] کو جمع کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ہشیم اور لیث اور ابن لہیعہ نے تصنیفات کیں۔ پھر ابن مبارک اور ابویوسف اور ابن وہب نے (کتابیں لکھیں) تدوینِ کتب

---

[1] دیکھو ص ۲۶۳ جلال الدین سیوطی نے کتاب الوسائل الی معرفۃ الاوائل میں بھی اس کی شرح لکھی ہے اس میں ابن حجر اور عراقی کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لوگ (مالک، اوزاعی، وغیرہ) ایک ہی وقت میں تھے۔ نہیں معلوم سب سے پہلے کس نے تصنیف کی۔ مگر یہ ایک سو چالیس سے کوئی برس اوپر میں ہوا۔

[2] رائے سے یہ مطلب نہیں کہ محض اپنی رائے و عقل سے دین بنا دیا۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی مسلمان نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ان جیسے امام کہ جن کے علم و تقویٰ سے دنیا واقف ہے بلکہ اسکے معنی غالباً وہی مقصود ہیں جو آئندہ ہم اہل الرائے کی تحقیق میں لکھنے والے ہیں۔

اور ترتیب ابواب کی کثرت ہوئی، کتب عربیت و لغت و تاریخ جمع کی گئیں، اس سے پہلے ائمہ اپنی یاد پر کلام کیا کرتے تھے یا غیر مرتب پرچوں سے روایت کرتے تھے" حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمہ[1] فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں۔

احادیث نبویہ، پیغمبر صاحب اور صحابہ اور کبار تابعین کے زمانہ میں کتابیں بنا کر مدون و مجتمع نہ کی گئی تھیں دو وجہ سے، اول تو یہ کہ شروع شروع حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس مضمون کی حدیث مذکور ہے۔ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ کہیں قرآن و حدیث میں اختلاط نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ ان لوگوں کی قوت حافظہ اور سیلان ذہن ہے (اس وجہ سے اُن کو لکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ ویسے ہی ان کا کام بآسانی چلتا تھا) اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اکثر وہ لکھنا جانتے بھی نہ تھے۔ پھر اخیر زمانۂ تابعین میں جب کہ علماء دور دراز ممالک میں منتشر ہوئے اور بدعات روافض و خوارج و منکرانِ تقدیر زائد ہوئیں، تو تدوین آثار اور تبویب اخبار شروع ہوئی۔ پس سب سے اول جمع کرنے والے حدیث کے ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہا ہیں۔ یہ ہر ہر باب کو علیحدہ لکھتے تھے۔ پھر کبار طبقہ ثالثہ[2] (تبع تابعین) اٹھے، انھوں نے احکام کو جمع کیا۔ چنانچہ (مدینہ میں) امام مالکؒ نے مؤطا لکھا۔ جس میں اہلِ حجاز کی قوی قوی حدیثیں لانے کا قصد رکھا۔ اور ان کے ساتھ صحابہ و تابعین اور اُن کے بعد کے لوگوں کے فتوے بھی شامل کیے اور مکہ میں ابن جریج نے کتاب تصنیف کی اور شام میں امام اوزاعی اور کوفہ میں سفیان ثوری نے اور بصرہ میں حماد بن سلمہ نے پھر ان کے بعد بہت سے اُن کے معاصرین انھیں کی طرز پر تصنیف کرنے لگے۔ حتیٰ کہ بعض ائمہ کی رائے ہوئی کہ حدیث نبوی (بلا اختلاط اور چیز کے) جمع کریں اور یہ دو صدی کے ختم کا ذکر ہے تو عبیداللہ بن موسیٰ کوفی نے ایک مسند لکھی اور مسدد بن مسرہد بصری نے ایک مسند جمع کی اور اسد بن موسیٰ

---

[1] مقدمہ فتح الباری الفصل الاول من المقدمۃ ص۴ تا ۶ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی۔

[2] یہ اصطلاح ذہبی کے طبقات کی اصطلاح سے علیحدہ ہے لہذا ذہبی اور انکے کلام میں کوئی تعارض نہیں۔

اموی نے ایک مسند طیار کی اور نعیم بن حماد نزیل مصر نے ایک مسند تصنیف کی۔ پھر اور ائمہ بھی ان کے بعد انھیں کے نشان قدم پر چلے تو حفاظ میں سے مشکل سے کوئی امام نکلے گا۔ جس نے اپنی احادیث کو مسند کے طور پر جمع نہ کیا ہو۔ منجملہ ان جمع کرنے والوں کے امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم ہیں۔ اور بعض نے ابواب و مسانید دونوں طرز پر تصنیف کیا جیسے ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں۔

حالات امام بخاریؒ (مختصر) :

(اب آیئے فخر المحدثین امام بخاری) امام بخاری صاحب نے جب ان تصانیف کو دیکھا اور ان کو پڑتالا اور ان میں ہر قسم کی صحیح وضعیف حدیث مختلط پائیں تو ان کا قصد یہ ہوا کہ صرف صحیح صحیح احادیث کو جمع کر دیں جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے بھی ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی، یہ بھی بخاری کے اس ارادے کی وجہ پڑی۔ اور معتبر اسناد سے ثابت ہوا ہے کہ امام بخاری نے بیان کیا: "کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میں آپؐ کے حضور میں کھڑا ہوا ہوں، اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے جس سے آپ سے (مکھیوں وغیرہ کو) دفع کرتا ہوں" اس کی معبرین نے تعبیر دی کہ پیغمبر صاحبؐ کی طرف جو جھوٹی احادیث منسوب کی جاتی ہیں تم اُن کو دفع کرو گے۔ اس نے مجھ کو ایسی کتاب لکھنے پر (اور بھی) آمادہ کر دیا۔ بخاری کہتے ہیں، میں نے اس کتاب کو چھ لاکھ احادیث سے چن کر لکھا ہے۔ امام بخاری نے جب یہ کتاب تصنیف کی تو اس کو (بغرض استصواب) امام احمد اور یحییٰ ابن معین اور علی بن المدینی وغیرہ پر (جو اس وقت ..... بڑے پایہ کے ائمہ حدیث میں سے تھے) پیش کی تو سب ہی نے پسند کی اور اُس کی تمام احادیث کی صحت کی شہادت دی۔ ہاں صرف چار حدیث میں اُن کو کلام ہوا۔ عقیلی کہتے ہیں (تحقیق کے بعد ثابت ہوا) کہ ان میں بھی امام بخاری ہی کا پلہ غالب ہے، اور وہ چار حدیثیں بھی صحیح ہیں۔ محمد بن ابی حاتم وراق نے امام بخاری کو خواب میں دیکھا کہ "وہ پیغمبر صاحبؐ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، اور جہاں پر سے نبی صاحبؐ قدم اٹھاتے ہیں وہیں پر یہ قدم رکھتے ہیں" دیہ اُن

کی پوری پوری اتباع اور حق رسی کی صورت دکھائی گئی۔ (علامہ) عبدالواحد طواویسی کہتے ہیں میں نے پیغمبر صاحبؐ کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ مع ایک جماعت صحابہ کے ایک مقام پر کھڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کرنے کے بعد عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ فرمایا، محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کا منتظر ہوں۔ پھر چند روز کے بعد مجھ کو امام بخاری صاحب کی وفات کی خبر ملی۔ میں نے شمار جو کیا تو اُن کی وفات کا وہی وقت نکلا۔ جس وقت میں نے پیغمبر صاحب کو منتظر کھڑا ہُوا دیکھا تھا۔ امام بخاری کو جب قبر میں رکھا تو اس سے مشک کی سی خوشبو اڑنے لگی اور برابر اڑتی رہی۔ لوگوں نے مٹی اُٹھا اُٹھا کر لے جانا شروع کی۔ آخر بغرضِ حفاظت اس پر جنگلہ لگا دیا گیا۔ امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔[1]

عمل بالحدیث کی سہولت :

اسی[2] عرصہ میں اور اس کے قریب زمانے میں اکثر کتب حدیث تصنیف ہوئیں اور احادیث جو منتشر تھیں مدوّن و مجتمع ہو کر ضبط میں آگئیں (ان پچھلوں کی تالیفات نے ان اگلوں کے اکثر مؤلفات سے جنھوں نے شروع زمانہ تدوین میں تصنیف کی تھیں مستغنی کردیا، دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ مابعد کے زمانہ میں تجربہ ہو جانے کی وجہ سے پچھلوں کی مؤلفات جودت اور حسن ترتیب میں اگلوں سے زائد مفید واقع ہوئیں۔ دوسرے پچھلوں کو جس قدر معلومات کی فراہمی ہوئی، اگلوں کے افراد کو اُس کی آدھی تہائی بھی نہ ہو سکی۔ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے) اور آگے بڑھ کر علم حدیث ایک کامل اور وسیع فن ہو گیا اور اس کے فنون اور متعلقات کی تنقیح و توضیح نے بہت کچھ ترقی حاصل کی جس سے

---

[1] خاتمہ مقدمہ فتح الباری صـ ۵۸۲۔

[2] علامہ ابن الجزری مقدمہ جامع الاصول میں لکھتے ہیں: فکان غایۃ ھذا العلم الی زمان البخاری ومسلم ومن کان فی عصرھا۔ انتہی

علم حدیث اپنی کمال وضاحت کو پہنچ گیا[1] کہ ایک معمولی لیاقت والے کے لیے بھی اس میں کوئی محل دقت اور جائے اشکال باقی نہیں رہی، صرف توجہ صادق اور طلب صحیح کی ضرورت رہ گئی۔ اب ہم پھر امام ذہبی کے سلسلۂ کلام کو لیتے ہیں۔ طبقہ خامسہ کے بعد ذہبی نے طبقۂ سادسہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ننانوے امام شمار کرائے منجملہ اُن کے

حدیث مل جانے پر خلاف حدیث فتاویٰ سے امام ابویوسفؒ کا رجوع :

امام ابویوسفؒ کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی نقل کیا کہ میں نے جس قدر فتوے دیے تھے سوا اُن کے جو قرآن وحدیث کے موافق تھے، میں سب سے رجوع کرتا ہوں اسی طبقہ میں یحییٰ بن سعید قطان اور عبداللہ بن وہب[2] فہری کو جو کہ ایک مجتہد کامل تھے گنا ہے۔ لکھتے ہیں: اُس وقت میں اصحاب حدیث کے گروہ کے گروہ موجود تھے۔ مثل (امام) ترمذی وغیرہ کے۔ اسی طرح مشائخ کے بھی گروہ کے گروہ تھے مثل شقیق بلخی وغیرہ کے۔ اور سلطنت ہارون رشید اور برامکہ کے قبضہ میں تھی، ان کے بعد امین اور امین کے بعد دو صدی کے ختم پر جب مامون خلیفہ ہوئے تو تشیع چمک اُٹھا اور خوب زور پکڑ گیا۔ اور حکمت اوائل اور منطق یونان کا عربی میں ترجمہ

---

[1] در مختار میں علوم کی تین قسمیں بتائی ہیں اور فن حدیث کو اس قسم میں بتایا کہ جس علم کے قواعد مقرر ہو گئے اور قواعد پر فروعات متفرع کر دیے گئے اور اس کے مسائل کی توضیح کر دی گئی۔ اور وہ اپنے نہایت کمال کو پہنچ گیا۔ یعنی اب اس میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی۔ شیخ ابن عابدین لکھتے ہیں کیونکہ محدثین جزاہم اللہ نے اسماء الرجال میں کتابیں بنائیں اور اُن کے نسب اور اُنکے باہم وجوہ فرق بیان کیے اور روایت میں ثقہ وغیر ثقہ علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیے۔ کوئی ایک لاکھ کے حافظ تھے۔ کوئی تین لاکھ کے۔ صحابۂ رسول کا حصر وشمار کیا۔ احکام احادیث اور اُن سے مرادیں بیان کیں۔ پس فن حدیث کی حقیقت خوب روشن ہو گئی۔ انتہیٰ۔ دیکھو الرد المحتار۔ حاشیہ در مختار مقدمہ ص۳۶ تا ۳۷ مطبوعہ مصر۔ اس مضمون کی توضیح آگے آتی ہے۔

[2] لکھتے ہیں: کان ثقۃ حجۃ حافظا مجتہدا لا یقلد احدا مات سنہ ۱۹۹ھ انتہی۔

ہؤا اور کواکب کے حالات دیکھنے کے لیے آلات رصدیہ بنائے گئے۔ اب، لوگوں کو ایک نیا علم ہاتھ لگا۔ جو تعلیم نبوت اور (پہلے زمانہ کے) مؤمنین کی توحید (و عقائد) سے غیر ہے، اس سے پہلے کے مسلمان عافیت میں تھے۔ اس وقت میں روافض و معتزلہ کی شوکت قوی ہو گئی، اور مامون نے مسلمانوں کو قرآن کے مخلوق کہنے پر مجبور کیا اور علماء کو اذیتیں پہنچائیں۔ ذہبی اس کے متعلق کچھ نصیحت اور اظہار افسوس کے بعد طبقہ سابعہ کو ذکر کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ اِس طبقہ میں حفاظِ حدیث بہت تھے میں صرف سربرآوردہ لوگوں کو ذکر کرتا ہوں۔ چنانچہ سو امام ذکر کیے، انھیں میں شعبی بصری کو بھی ذکر کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کا بہت سے مسائل سے رجوع :

ان سے کسی نے کہا (امام) ابو حنیفہؒ نے بہت سے مسائل سے رجوع کیا۔ (یعنے پہلے کچھ فرمایا بعد اُس کے پہلی بات کو چھوڑ کر اس کے خلاف فرمایا) شعبی نے جواب دیا عالم رجوع اسی وقت کرتا ہے کہ اس کا علم وسیع ہو۔ انھیں کا قول ہے دین باتوں کا نام نہیں ہے بلکہ دین حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طبقہ میں امام شافعیؒ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ حافظ حدیث تھے، علل حدیث سے خوب واقف تھے اور قاضی حفص بن عبداللہ نیشاپوری کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ کبھی رائے سے فیصلہ نہیں کرتے تھے (بلکہ حدیث کے موافق چلتے تھے) ذہبی نے انھیں کے واسطے سے روایت کیا کہ کسی نے حضرت ابن عمرؓ سے حج تمتع کی بابت سوال کیا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا حلال ہے۔ سائل نے کہا آپ کے والد (حضرت عمرؓ) تو منع کرتے تھے، ابن عمرؓ نے فرمایا گو میرے باپ نے منع کیا۔ مگر جب پیغمبر صاحبؐ نے اس کو کیا ہے تو ہم اپنے باپ کی تابعداری کریں یا پیغمبر صاحب کی۔

اس طبقہ کے بعد طبقہ ثامنہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں امام ابن حبان کو لکھ کر ان کا مقولہ ذکر کیا کہ دنیا میں کوئی مبتدع نہیں جو اصحاب حدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔ اور جب آدمی کوئی بدعت کرتا ہے تو حدیث کا لطف اس کے

دل سے نکل جاتا ہے انھوں نے ۲۵۶ھ میں انتقال کیا۔

پھر لکھتے ہیں، "ان مذکورین کے سوا انھیں جیسے غالباً اور نکلیں جن کو ہم نے نہیں ذکر کیا۔ کیونکہ اس وقت میں ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار حدیث لکھنے والے جمع ہوتے تھے جو فن حدیث کے اندر مشغول رہنے والے تھے جن میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے جو لوگوں کو فتوے دینے کے لیے ظاہر ہو کر بیٹھے، اور وہ اس کی اہلیت رکھتے تھے۔ بعد طبقۂ ثامنہ کے طبقۂ تاسعہ کو ذکر کیا۔ اس طبقہ میں ایک سو چھ اماموں کو ذکر کیا جن میں ابوداؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ اور امام ابوداؤد صاحب سنن متوفی ۲۷۵ھ کو بھی ذکر کیا۔ ابوداؤد کا یہ مقولہ بھی ذکر کیا کہ میں نے پانچ لاکھ حدیث رسولؐ لکھی ہیں، اُن سے انتخاب کر کے یہ سنن بنائی جس میں چار ہزار آٹھ سو حدیث ہیں۔ علامہ ذہبی اس طبقہ کے ختم پر لکھتے ہیں، اس وقت اور اس کے قریب قریب کے زمانہ میں ائمہ حدیث نبویؐ کی خلق کثیر موجود تھی جن کا ہم دسواں حصہ بھی ذکر نہ کر سکے، ہاں زیادہ تر میری تاریخ کبیر میں مذکور ہیں۔"[1]

تقلید کی ابتداء:

اور اسی طرح اس وقت میں اہلُ الرّائے و فروع (فقہاء) کی ایک جماعت اور کتنے سردارانِ معتزلہ اور شیعہ اور اصحابِ کلام موجود تھے، جو آرائے معقول پر چلے اور سلف کا جو طریقہ احادیث کے ساتھ تمسک کا تھا اس کو چھوڑ دیا، اور اس وقت سے فقہاء میں تقلید ظاہر ہوئی اور (طریقہ) اجتہاد گھٹنے لگا فسبحان من لہ الخلق والامر[1]

---

[1] عبارت یہ ہے: لقد کان فی ھذا العصر وما قاربہ من ائمۃ الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا خلق کثیر۔ ما ذکرنا عشرھم ھھنا واکثرھم المذکورون فی تاریخی الکبیر وکذالک کان فی ھذا الوقت خلق من اھل الرائی والفروع وعدد من اساطین المعتزلۃ والشیعۃ واصحاب الکلام الذین مشوا اراء المعقول واعرضوا عما علیہ السلف من التمسک بالآثار النبویۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وظھر فی الفقہاء التقلید وتناقص الاجتہاد فسبحان من لہ الخلق

اب اس وقت سے (کہ دو صدی کے بعد کا زمانہ ہے) مذہب تقلید شروع ہوا۔ اس سے پہلے عموماً اہلِ اسلام اہل سنت کا وہی مذہب تھا جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ ان میں نہ اس طرح خاص خاص اماموں کے نام کا مذہب مقرر تھا اور نہ ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ علامہ سند بن عنان مالکی تحریر فرماتے ہیں: "(مذہب) تقلید[1] ایک بدعت ہے جو

---

(۱) فالامر۔ انتہٰی۔ یہ عبارت تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف نظامیہ جلد دوم کے صفحہ ۲۰۳ میں ہے: ہم جس وقت اس رسالہ کو مرتب کر رہے تھے اس وقت ہمارے پاس تذکرۃ الحفاظ موجود نہ تھا ہم نے جو عبارات تذکرے کی نقل کی ہیں وہ التاج المکلل سے لکھی ہیں۔ التاج المکلل میں تذکرے کی یہ عبارات نقل ہیں۔

تعریف تقلید[1]:

عبارت یہ ہے: اما التقلید فهو قبول قول الغیر من غیر حجة۔ وهو ایضا فی نفسه بدعة محدثة لانا نعلم بالقطع ان الصحابة رضوان الله علیهم لم یکن فی زمانهم وعصرهم مذهب لرجل معین یدرس ویقلد وانما کانوا یرجعون فی النوازل الی الکتاب والسنة او الی ما یتمخض بینهم من النظر عند فقد الدلیل وکذلك تابعوهم ایضا یرجعون الی الکتاب والسنة فان لم یجدوا نظروا الی ما اجمع علیه الصحابة فان لم یجدوا اجتهدوا او اختار بعضهم قول صحابی فرآه الاقوی فی دین الله تعالیٰ ثم کان القرن الثالث وفیه ابو حنیفة ومالك والشافعی وابن حنبل فان مالکا توفی سنة تسع وسبعین[179] ومائة وتوفی ابو حنیفة سنة خمسین ومائة وفی هذه السنة ولد الامام الشافعی وولد ابن حنبل سنة اربع وستین[164] ومائة وکانوا علی منهاج من مضی لم یکن فی عصرهم مذهب رجل معین یتدارسونه وعلی قریب منهم کان اتباعهم فکم من قولة لمالك ونظرائه خالفه فیها اصحابه ولو نقلنا ذلك لخرجنا عن مقصود هذا الکتاب وما ذاك الا لجمعهم آلات الاجتهاد وقدرتهم علی ضروب الاستنباطات ولقد صدق الله نبیه صلی الله علیه وآله وسلم فی قوله خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ذکر بعد قرنه قرنین والحدیث فی صحیح البخاری فالعجب لاهل التقلید کیف یقولون هذا هو الامر القدیم

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

(بعد کے زمانہ میں) پیدا کیا گیا۔ اس لیے کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ صحابہؓ کے زمانہ میں کسی خاص شخص کے نام کا مذہب نہ تھا جس کو پڑھا پڑھایا جاتا ہو اور اس کی تقلید کی جاتی ہو بلکہ وہ لوگ واقعات میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور قرآن و حدیث سے نہ ملنے کی صورت میں جس طرف اُن کی بصیرت پہنچتی اسی طرح تابعین کرتے رہے یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اگر قرآن و حدیث سے نہ ملتا اجماع صحابہؓ کی طرف نظر کرتے۔ اگر اجماع بھی نہ ملتا تو خود اجتہاد کرتے اور بعض کسی صحابی کے قول کو قوی سمجھ کر اختیار کر لیتے۔ پھر قرنِ ثالث (تبع تابعین کا زمانہ) آیا۔ اسی قرن میں (امام) ابو حنیفہؒ اور (امام) مالکؒ اور (امام) شافعیؒ اور (امام) احمدؒ بن حنبل ہوئے۔ کیونکہ (امام) مالکؒ نے ایک سو اناسی ۱۷۹ میں وفات پائی، اور (امام) ابو حنیفہؒ نے ڈیڑھ سو ۱۵۰ میں، اور اسی سال میں (امام) شافعیؒ پیدا ہوئے۔ اور (امام) احمدؒ ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں بھی پہلوں ہی کے طریقے پر تھے۔ ان کے زمانے میں بھی کسی خاص شخص کا مذہب مقرر نہ تھا جس کو آپس میں درس دیتے ہوں۔ اور انھیں کے طرزِ عمل کے قریب قریب اُن کے اتباع کا بھی طرزِ عمل تھا۔ بہت سے امام مالکؒ اور ان کے ہم پلہ اماموں کے قول ہیں جن میں انھیں کے شاگردوں نے ان کا خلاف کیا۔ اگر ہم اُن کو نقل کریں تو اس کتاب سے جو مقصود ہے وہ رہ جائے گا۔ ان شاگردوں نے (اس آزادی کے ساتھ) خلاف اسی واسطے کیا کہ وہ (مقلد نہ تھے) بلکہ آلات اجتہاد کے جامع تھے اور استنباط مسائل کے طریقوں پر قادر تھے (بہر حال قرون ثلثہ میں مذہب تقلید پیدا نہ ہوا تھا) اور اللہ نے اپنے نبی کو ان کے اس قول میں سچا کر دیا کہ بہتر سب قرون میں اہل زمانہ میرے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد والے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) وعلیہ ادرکنا الشیوخ وھو انما حدث بعد مائتی سنة من الھجرة وبعد فنام القرون الذین اثنی علیھم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ انتھی۔ (منقول از ایقاظ ھمم اولی الابصار۔ ص ۷۴، ۷۵ ۔ ح ۔ ح)۔

ہیں، پھر جو ان کے بعد والے۔ اپنے زمانے کے بعد صرف دو زمانوں کا ذکر کیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

پس اہل تقلید سے تعجب ہے کہ وہ کیسے کہتے ہیں کہ یہ (تقلید والا مذہب) قدیم ہے اور یہی ہم بزرگوں سے دیکھتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ ہجرت سے دو سو برس بعد پیدا ہوا۔ بعد گزرنے ان قرون کے جن کی رسولؐ نے تعریف کی۔" اسی طرح شیخ صالح فلانی مدنی استاد شیخ محمد عابد سندی نے بھی ایقاظ ہمم اولی الابصار[1] میں اور علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے، اور اسی کے قریب علامہ ابن حزم اندلسی اور علامہ ابوطالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے تحریر فرمایا چنانچہ ان کے اقوال ہم آگے انشاء اللہ ذکر کریں گے۔ اُن کے علاوہ اور بھی بہت علماء کے اقوال سے اِس کی تصریح نکلتی ہے۔ غرض اس سے کسی ذی علم کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کر سکتا ہے کہ مذہب تقلید پیغمبر صاحبؐ سے تقریباً دو سو برس بعد پیدا ہوا اس سے پہلے کے مسلمانوں کا جن میں عوام اور خواص، عالم و جاہل، آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ موجود تھے، یہ مذہب نہ تھا جو ان مقلدوں کا مذہب ہے (بلکہ عموماً ان کا طرزِ عمل وہی تھا جو کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ جو کہ ان اہل حدیث کا طریقہ ہے جن کو مقلدین بہت بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں)۔

"تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا!"

اب رہی یہ بات کہ یہ پیدا کیوں کر ہوا، اور اس قدر اس نے ترقی کیسے پکڑی؟ ہم اس کو بھی منصفانہ طریقے سے بطور ایک امرِ واقعی کے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے اور ہوتا ہے کہ کوئی طریقہ یا طرزِ عمل

---

[1] للاقتداء بسید المہاجرین والانصار وتحذیرھم عن الابتداع من تقلید المذاہب بین فقہاء الاعصار (مختصراً) للفلانی المتوفی سنہ ۱۲۱۸ھ۔ یہ نفیس کتاب پہلے (مقدمہ) ہندوستان میں چھپی تھی۔ بعد ۱۳۵۴ھ میں مطبع منیریہ مصر سے سلطان عبدالعزیزؒ کے خرچ پر اعلیٰ طباعت کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔ صفحات ۱۷۰ (ع۔ ح)

کسی اتفاقی وجہ سے یا کسی خاص مصلحت کی بنا پر شروع ہوتا ہے، مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ اتفاقی وجہ اور وہ خاص مصلحت تو بالکل معدوم ہو جاتی ہے، اور وہ طریقہ اور وہ طرزِ عمل اپنی ایک مستقل شکل قائم کر لیتا ہے۔ اس قسم کی باتوں کی ابتدائی حالت تو کچھ ہوتی ہے لیکن بعد کو وہ کچھ اور ہی رنگ پکڑ جاتی ہے۔ یہ بات دینی امور کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس بارہ میں دینی و دُنیاوی رسوم دونوں ہی یکساں حالت رکھتی ہیں۔ ہماری اس قیمتی اور محقق بات کو وہ شخص کبھی بے قدری کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ جس نے کبھی اپنے ملک کی رسوم ورواج کے اصل کی تحقیقات کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کی ہے اور یہ دیکھنا چاہا ہے کہ ان رسوم کی ابتداء کیوں کر ہوئی ہے اور ان کی ابتدائی حالت کیا تھی اور اب کیا ہے۔ بہت سے مراسم شادی و غم وغیرہ ہمارے پیشِ نظر ہیں جو کسی خاص ضرورت یا مصلحت سے یا بمقتضاء وقت عقلاء نے ایجاد کیے تھے۔ لیکن اب اُن کی اصلی وجہ نظر انداز ہے۔ اور گو بعد کے زمانہ میں اُن کی اصلی منشاء کے خلاف ہی کیوں نہ لازم آتا ہو مگر وہ ایک ایسے لازمی امور قرار پا گئے جو کسی طرح چھوڑے نہیں جا سکتے۔

اسی طرح ہم بہت سی ایسی رسوم پیش کر سکتے ہیں جو دینی حیثیت سے دیکھی جاتی ہیں[1] کہ وہ ابتداء میں کسی غیر قوم کی صحبت اور مخالطت سے پیدا ہو گئیں یا پہلے زمانہ میں کسی بزرگ یا صاحبِ رائے نے کسی خاص ضرورت یا مقتضاء وقت یا اس وقت کی کسی مصلحت کی بنا پر یا اپنی رائے میں کسی وجہ سے ویسا ہی مناسب سمجھ کر یا اتفاقی طور پر کیں اور وہ بحسب اتفاق کچھ دنوں جاری رہیں۔ اُن کے بعد چونکہ لوگ ان کی اصلی منشاء سے بالکل بے خبر ہو گئے۔ لہٰذا ان مراسم کو اُمورِ دینی اور شعائرِ اسلامی سمجھنے

---

[1] کیا خوب کسی نے کہا ہے:

کفر گیرد کاملے ملت شود   ہرچہ گیرد علتی علت شود

مگر یہ صرف بطور نظیر و استشہاد سے پیش کیا گیا۔ جھوٹ عنہا امور پر کفر کا لفظ بولنا نہیں چاہتے اور نہ انھیں ایسا سمجھتے ہیں۔

لگے۔ حالانکہ دین میں نہ اُن کی کوئی اصل ہے اور نہ شارع نے کہیں اُن کا حکم دیا۔ چنانچہ مقلدین بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے اور صرف بعض میں باستثناء بعض کے سب ہی ان کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

کیا، تیجے۔ دسویں۔ بیسویں۔ چالیسویں۔ چھماہی۔ برسی۔ سات جمعراتوں۔ عرس فاتحہ۔ وغیرہ مروجہ رسوم کو جو میت کے بعد کیے جاتے ہیں، اور محفل میلاد شریف اور اس میں تولد کے ذکر کے وقت قیام اور مصافحہ بعد العصر اور معانقہ بعد العید کو نہیں دیکھتے[1] اسی قسم کی اور اس سے بڑھ کر اور بھی بہت باتیں ہیں جو اسلام میں مثل دیگر ادیان کے وقتاً فوقتاً خاص خاص وجوہ سے رواج پا گئیں اور جن کا رواج پانا ایک

---

[1] **اہلِ دیوبند پر تعجب :**

ہندوستان میں مقلد مولویوں میں سے دیوبندی المذہب مولوی بہ نسبت دوسرے فریق کے تعداد کی رو سے زائد ہیں وہ سب کے سب ان تمام مراسم کا بدعت و خلاف طریقۂ سلف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے فریق کے مولویوں کو ان مراسم میں سے بعض کے بدعت ہونے سے انکار ہے۔ لیکن نظرِ تحقیق سے کام لینے کے بعد دیوبندیوں کی رائے کے اس بارہ میں صحیح ہونے اور فریقِ مقابل کی رائے کے خطا ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دیوبندی المذہب فریق سے تعجب ہے کہ باوجودیکہ ان تمام مراسم کا بدعت ہونا تسلیم کرتے ہیں، تقلید شخصی کا بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ دونوں ایک ہی حالت رکھتے ہیں۔ ان مراسم کے بدعت ہونے کی بجز اس کے کوئی وجہ نہیں کہ ان میں ہیہات کذائیہ اور خاص خاص خصوصیات کا بحیثیت دینی التزام کر لیا گیا جس خصوصیت کے التزام کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ یہی بات تقلید شخصی والے مذہب میں بھی موجود ہے۔ ایک امام کی تمام مسائل میں پابندی اور اُس کی خصوصیت کا التزام کہیں شارع نے اس کا حکم نہیں دیا۔ پس جو وجہ ان مراسم کی بدعت ہونے کی ہے وہی بعینہٖ مذہب تقلید میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کا بدعت ہونا تسلیم کیا جائے اور اس کا نہ کیا جائے۔

زیادہ تفصیل آگے انشاء اللہ مذکور ہو گی۔

شدنی امر اور لازم تھا۔ اس لیے کہ خود پیغمبر صاحبؐ اس کی بابت پیشین گوئی[1] کرچکے ہیں جو ٹل نہیں سکتی)۔

اہل حدیث اور اہل الرائے :

یہی حالت اس مذہب تقلید کی بھی ہے۔ تبع تابعین کے زمانہ میں یا اس سے کچھ پہلے اور زمانہ مابعد میں کچھ علماء ایسے خیال کے ہوئے جو روایت حدیث سے (خوف کچھ زیادتی کمی ہو جانے یا کسی قدر غلطی میں پڑ جانے کے) ڈرتے اور حدیث کے شغل سے بچتے تھے۔ یہ لوگ مسائل میں ضرورت کے وقت بہ نسبت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روایت کرنے کے بہتر سمجھتے تھے کہ اپنے سے پہلے کسی عالم یا اپنے وقت کے مشہور عالم کے قول سے سند پکڑ کر سبکدوش ہو جاویں۔ یہ لوگ مسائل میں زیادہ تر اقوال علماء پر اعتماد کرتے تھے۔ اگر ان علماء کے اقوال سے جن پر وہ اعتماد کرتے تھے صریح مسئلہ نہ نکلتا تو اس سے تخریج اور استنباط کرتے۔ یہ لوگ اہل الرائے کہلائے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے تتبع احادیث اور مسائل میں جہاں تک ہو سکا حدیثِ رسولؐ ہی پر اعتماد کیا جو کہ اصلی طریقہ ہے ان کے مقابلہ میں اہل الحدیث کہلائے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ[2] میں تحریر فرماتے ہیں: "اہل الرائے سے وہ لوگ مراد

---

[1] تقلید، سنت یہود!

چنانچہ فرمایا: لتتبعن سنن من قبلکم شبرا شبرا وذراعا ذراعا حتے لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔ صحیح بخاری پارہ ۲۹ صہ ۱۷۵ یعنی تم پہلی امتوں کے سارے طریقے اختیار کرلو گے۔ چونکہ تقلید کا طریقہ یہود میں گزر چکا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ اور علامہ شوکانی نے الفتح الربانی میں ثابت کیا ہے کہ تقلید سنت یہود سے ہے، اور تقلید کے طریقہ کی ابتداء یہود سے ہوئی۔ لہٰذا ضرور تھا کہ اس اُمت کے کچھ نہ کچھ لوگ اس مسلک پر ضرور ہوتے۔

[2] صہ ۱۶۶-۱۶۷ مطبوعہ صدیقی پریس سنہ ۱۲۸۶ھ۔

ہیں جنھوں نے اجماعی یا اکثروں کے اتفاقی مسائل کے سوا اور مسائل میں کسی پہلے شخص کے قاعدے (اقوال) پر تخریج اختیار کی، تو زیادہ تر ان لوگوں کا یہی شغل رہا۔ یعنے ایک مسئلہ کا حکم دوسرے مسئلے کے حکم سے مشابہت کی وجہ سے نکالنا (یعنے قیاس کرنا) اور پھیر پھار کر اسی شخص کے قاعدے میں داخل کر دینا بغیر اس کے کہ احادیث اور آثار کا تتبع کریں۔ انتہیٰ۔[1]

اور شاہ صاحب باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائے میں اہل الحدیث کے بیان کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "اور ان اہل الحدیث کے مقابل امام مالک[2] اور سفیان اور ان کے بعد کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جو (قیاس و استنباط سے) مسئلہ بتانے اور فتویٰ دینے سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے فقہ (فروعی مسائل) پر دین کی بنا ہے، لہٰذا اس کی اشاعت ضروری ہے اور یہ لوگ حدیثِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روایت کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک (مسئلہ کی سند) پہنچانے سے ڈرتے تھے۔ شعبی کہتے تھے ہم بات کو رسول سے نیچے کسی عالم کے قول پر ختم کر دیں یہی زیادہ ہم کو پسند ہے اس لیے کہ نقل میں کچھ زیادتی یا کمی ہو تو رسول اللہ کی حدیث میں تو نہ ہو، اور ہی کی بات میں ہو۔ ابراہیم کا مقولہ ہے میں (کسی مسئلہ کے بتانے میں) یہ کہہ دوں، عبداللہ (بن مسعود) نے (اس طرح) کہا۔ یا علقمہ نے کہا۔ یہ ہم کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کروں"۔ شاہ صاحب اسی قسم کے کچھ اور اقوال وغیرہ ذکر کر کے لکھتے ہیں[3]: "ان کے پاس احادیث رسول اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے جن سے استنباط مسائل اس طور پر کر سکتے جس طور پر کہ اہل حدیث (جن کے پاس احادیث

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۷ ج ا طبع منیریہ مصر۔

[2] یہ امام ابو حنیفہ کے استاذ الاستاذ ہیں۔

[3] ایضاً باب ایضاً (۱/۴۶)

و آثار بہت فراہم تھے) کرتے تھے۔ اُن کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول نہ کیا کہ (اپنے شہر کے علماء و فقہاء کے سوا) اور اور شہروں کے علماء کے اقوال کو دیکھیں، اور اُن کو جمع کریں اور اُن میں (راجح و مرجوح معلوم کرنے کے لیے) بحث کریں، بلکہ انھوں نے (براہِ کسرِ نفسی) اپنے آپ کو اس لائق ہی نہ سمجھا۔ اور اپنے اماموں کے حق میں (جن کے اقوال کو وہ لیتے تھے) معتقد رہے کہ وہ تحقیق کے اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں کا رجحان اپنے ہی اساتذہ کی طرف رہا۔ چنانچہ علقمہ کا قول ہے۔ کیا کوئی عبداللہ (بن مسعود) سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور (امام) ابو حنیفہ صاحب کا مقولہ ہے، ابراہیم (نخعی) سالم سے افقہ ہیں۔ اور صحابیت کے فضل کا اگر خیال نہ ہو تو میں علقمہ کو (حضرت) ابن عمرؓ سے افقہ کہہ دوں۔ ان لوگوں کو فطانت و ذہانت و سرعت انتقالِ ذہن ایسا حاصل تھا جس سے وہ (سارے) مسائل کے جواب اپنے اساتذہ کے اقوال پر تخریج کر کے بتانے پر قادر تھے۔ اور (بات یہ ہے کہ) ہر شخص پر وہ کام جس کے لیے وہ ہے ضرور آسان ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے مسلک کو پسند کرتا ہے تو ان لوگوں نے (مسائل) فقہ کو تخریج کے قاعدہ پر مرتب کیا" تخریج کی مفصل شرح تو ہم انشاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔ مگر خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اماموں کے صریح قول سے مسئلہ نکل آیا تو اسی کو اختیار کیا۔ اگر صریح نہ نکلا تو انھیں کے اقوال سے استنباط کیا۔

الحاصل۔ اہل الرائے کا دستور تھا حدیث کا شغل کم کرنا اور مسائل میں متقدمین کے اقوال پر اعتماد کرنا اور انھیں کو سند میں لانا۔ اس طرزِ عمل نے لوگوں کو علماء کے اقوال پر بھروسہ کر لینے اور انھیں کو حجت سمجھ لینے کی تعلیم کی۔ یہیں سے تقلید پیدا ہوئی۔ یہ طرزِ عمل ابتداءً تو ایک نیک نیتی اور خاص احتیاط پر مبنی تھا لیکن بعد کو جب کہ احادیث جمع ہو گئیں اور روایت حدیث کا بارگراں اللہ تعالیٰ کے دلیر بندوں کے ایک دوسرے گروہ نے اپنے سر پر لے کر اُس کو انجام و کمال تک پہنچا دیا۔ (اسی کا طفیل ہے کہ آج تک دین محفوظ، اور حق و ناحق ممتاز رہا اور رہے گا) کوئی وجہ نہ تھی کہ حدیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو محلِ استدلال سے نظر انداز کیا جاتا، اور ہر موقع میں علماء کے اقوال پر اعتماد اور انھیں کو دلیل وسند قرار دیا جاتا، مگر وہ ایک دستور تھا جو پڑ چکا۔ جس نے لوگوں کو علماء کی تقلید اور انھیں کے اقوال پر کاربند رہنے کا طریقہ سکھا دیا۔ اور دلائل شرعیہ کے ساتھ استدلال اور اُن کی طرف توجہ کے ترک کا عادی بنا دیا۔ پھر تو وہ ایک مستقل مسلک بن گیا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک ذی علم جس کے سامنے قرآن وحدیث موجود ہے اور وہ قرآن وحدیث کو سمجھتا بھی ہے اس کو بھی یہی چاہیے کہ کسی[1] نہ کسی اپنے سے پہلے کی تقلید کرے اور جب کوئی واقعہ پیش آئے تو قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اسی پہلے کے قول سے اس کا حکم تلاش کرے اور اُس پر کاربند ہو۔

پس اہل الرائے کا وتیرہ تھا جس نے اس طریقہ کی بنا ڈالی۔ لیکن پہلے زمانہ کے اہل الرائے اپنی خاص احتیاط کے خیال کی بنا پر معذور تھے مگر مابعد کے لوگوں نے اُن کی اصلی وجہ کو جس کے سبب سے وہ ایسا کرتے تھے نظر انداز کر دیا، اور بلا اصلی منشاء کے لحاظ کیے ہوئے وہی کرنے لگے جو وہ لوگ کرتے تھے، نہیں بلکہ اس سے بھی زائد اور بہت زائد۔ اس لیے کہ اس طرزِ عمل کو روز بروز جیسا زمانہ گزرتا گیا اور اس کے سالکوں کو ترقی ہوتی گئی (چنانچہ ہم آگے ذکر کریں گے) اس کو بھی ترقی ہوتی گئی، اور اُس کا استحکام بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پورا پورا ایک مذہب ہی قائم ہو گیا جس کو تقلید اور اس پر چلنے والوں کو مقلد کہتے ہیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پہلے زمانہ کے اہل الرائے مقلد نہ تھے اور نہ ان کا مذہب تقلید تھا (تقلید تو اس طرزِ عمل کی ترقی اور استحکام کے بعد ظہور میں آئی) ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جناب امام ابو حنیفہ صاحبؒ بھی مقلد ہوں۔ کیونکہ وہ بھی اسی

---

[1] چنانچہ مقلدین میں عملاً عام طور پر یہی ہو رہا ہے۔ گو زبان سے ایسا نہ کہیں یا اس سے انکار کریں مگر کرتے ایسا ہی ہیں اور ایسا ہی کرنا ضروری سمجھتے ہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ جب کسی عالم کو اس طرزِ عمل کے خلاف کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو اُن کے دشمن ہو جاتے ہیں جیسا کہ برابر علماء اہلحدیث کے ساتھ ہو رہا ہے۔

اہل الرائے کی محتاط جماعت میں تھے۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ صاحب کا مقلد ہونا کون تسلیم کر سکتا ہے، اس لیے کہ مسلم ہے کہ مجتہد کو تقلید قطعاً حرام[1] ہے اور امام صاحب کا اجتہاد میں جو پایہ تھا معلوم ہے۔

ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کے اقوال، بابت ممانعت تقلید :

نیز امام صاحب تقلید سے منع فرمایا کرتے تھے، تو جس چیز سے منع فرماتے خود اس کو کیوں کرتے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں نے اپنی نورِ بصیرت سے دیکھ لیا تھا کہ کیا عجب اس طرزِ عمل سے لوگ مذہب تقلید پیدا کر لیں لہٰذا وہ سب کے سب بنظر احتیاط اور بطور حفظ ما تقدم اس سے برابر ممانعت کرتے رہے[2] اور صاف صاف ہدایت کر گئے

---

[1] رد المحتار صـ۴۲ اور کتب اصول میں جا بجا تصریح موجود ہے۔ منجملہ ان کے تلویح۔ تحقیق حد فقہ صـ۲۳ نولکشوری، اور امام صاحب کے اہل الرائے ہونے کا ذکر آگے آتا ہے۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں (امام) ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا جو شخص میری دلیل نہ معلوم کرے اُس کو میرے قول پر فتویٰ دینا لائق نہیں ہے (یعنی تقلیداً میرے قول کو بلا تحقیق کیے ہوئے نہ لینا چاہیے) اور آپ جب فتویٰ دیتے تھے تو فرما دیتے تھے کہ یہ رائے نعمان کی یعنی میری ہے اور ہم نے اپنی پہنچ میں اسی کو بہتر پایا۔ اب اگر کسی کو اس سے بھی بہتر ملے تو وہی ٹھیک ہے۔ اور امام مالکؒ فرماتے تھے کہ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جس کی ساری باتیں واجب التسلیم ہوں (لہٰذا تمام باتوں میں کسی کی پیروی نہیں کی جا سکتی جب تک یہ نہ تحقیق کر لی جائے کہ کون سی بات حق و واجب التسلیم ہے اور کونسی نہیں) اور امام شافعیؒ نے مزنی سے کہا کہ میری تقلید نہ کر ساری باتوں میں، اور اپنے لیے خود تحقیق کر، کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اور فرماتے تھے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا قول حجت نہیں۔ اور امام احمدؒ نے فرمایا نہ میری تقلید کر اور نہ مالک کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی۔ اور جہاں سے انھوں نے مسائل لیے تم بھی لو۔ یعنی کتاب و سنت سے۔ اور امام ابویوسف اور (امام) زفر اور ان کے سوا اور اماموں سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا، کسی کو حلال نہیں کہ ہمارے قولوں پر (ص)

کہ کبھی تقلید نہ اختیار کر لینا مگر افسوس ہے کہ اس پر بھی لوگوں نے نہ مانا اور نام کو تو اُن کی پیروی کرتے ہیں مگر کرتے وہی ہیں جس سے اُنھوں نے منع کیا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب تقلید بعد کو ظہور پذیر ہوا اور اہل الرائے پہلے سے ہیں۔

شیوع و فروغ تقلید کا زمانہ اور اس کے اسباب :

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں: "جان لینا چاہیے کہ

(۴) فتوے دے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں (اور کس دلیل) سے کہا (یعنی ہماری تقلید نہ کرے) کیونکہ تقلید کہتے ہیں بلا دلیل مان لینے کو۔ امام صاحب کے شاگرد عصام بن یوسف سے کسی نے کہا کہ تم (امام) ابوحنیفہ صاحبؒ کا بہت خلاف کیا کرتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا، اس واسطے (خلاف کرتا ہوں) کہ (امام) ابوحنیفہؒ کو جو فہم دی گئی تھی ہم کو نہیں دی گئی۔ انھوں نے اپنی فہم سے جو سمجھا ہم نہیں سمجھ سکتے اور ہم کو جائز نہیں کہ اُن کے قول پر فتویٰ دیں جب تک خود نہ سمجھ لیں۔ یعنی ہم تقلید نہیں کر سکتے۔ (صفحہ ۱۶۲-۱۶۳)۔ اور حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بھی ہے کہ خلیفہ منصور زمانہ حج میں امام مالکؒ سے ملے اور کہا میں نے قصد کر لیا ہے کہ تمھاری تالیفات کو لکھوا کر تمام ممالک اسلام میں بھیج دوں، اور حکم کر دوں کہ انھیں پر عمل کیا جاوے۔ اور اُن کے سوا کسی اور کے قول پر عمل نہ ہو۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین ایسا نہ کرو۔ کیونکہ لوگوں کے پاس اور علماء کے اقوال پہنچے ہیں اور انھوں نے احادیث سنی ہیں اور روایات نقل کی ہیں۔ اور جس گروہ کو جو پہنچ چکا ہے اُس نے اس کو اختیار کیا ہے تو آپ ہر ایک کو اس کے مختار (اور تحقیق) پر رہنے دیں انتہی (صفحہ ۱۵۰) دیکھو امام مالکؒ صاحب نے اپنی تقلید شخصی کیے جانے سے روکا اور اُس کو پسند نہ کیا۔ ان اقوال کے سوا ممانعت تقلید میں ائمہ اربعہ سے اور بھی بہت اقوال اور ائمہ اربعہ کے سوا دیگر اور علماء سے بکثرت منقول ہیں (جن کی نقل کی ہم یہاں گنجائش نہیں پاتے) حتیٰ کہ بہت محققین نے تقلید کی نہی پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا۔ جلال الدین سیوطی نے بھی کتاب الرد علی من اخلد الی الارض میں امام ابوحنیفہؒ و مالکؒ و شافعیؒ کی نسبت ذکر کیا ہے کہ انھوں نے کسی کو اپنی تقلید کی اجازت نہیں دی بلکہ اس سے منع کیا۔ اس کے متعلق محققین کے کچھ اقوال آگے بھی آتے ہیں۔

؎ عبارت یہ ہے: اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ قال ابو طالب المکی الخ صفحہ ۱۵۰ تا صفحہ ۱۵۹ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ الخ۔

بچوتھی صدی سے پہلے کے لوگ کسی ایک مذہبِ معین کی تقلید پر جمع نہ تھے الوطالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں: "یہ کتابیں (اور خاص خاص مذہبوں کے نام کے) مجموعے مُحدث (نئے نکالے ہوئے) ہیں۔ اور قرآن وحدیث کے سوا لوگوں کے اقوال کے ساتھ قائل ہونا اور کسی ایک معین مذہب پر فتویٰ دینا اور اسی کے قول کو اختیار کرنا اور اسی کو ہر موقع میں پیش کرنا اور اسی کے مذہب کے موافق فقہ حاصل کرنا (جیسا کہ مقلدین کرتے ہیں) قدیم سے لوگ اس پر نہ تھے نہ پہلے طبقے والے (صحابہ) نہ دوسرے طبقے والے (تابعین) انتہیٰ (شاہ صاحب لکھتے ہیں) "میں کہتا ہوں دونوں طبقوں کے بعد لوگوں میں کچھ تخریج پیدا ہوئی۔ مگر چوتھی صدی والے ایک معین مذہب کی تقلید خالص اور اسی کے حاصل کرنے اور اسی کی نقل کرنے پر مجتمع نہ تھے چنانچہ تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ان میں عوام و علماء سب ہی قسم کے لوگ تھے۔ عوام کا دستور تھا کہ اجماعی مسائل میں جن کے اندر کسی مسلمان کو یا جمہور مجتہدین کو خلاف نہیں، شارع ہی کی تقلید (اتباع) کرتے تھے۔ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے طریق اپنے ماں باپ یا اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھ لیتے تھے اور جب کوئی نیا واقعہ پیش آتا، تو بلاتعیین کسی مذہب کے جو عالم مل گیا اس سے فتوے پوچھ لیتے تھے اور خواص کا دستور تھا کہ اہل الحدیث حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ ان کو احادیث رسول اور آثار صحابہؓ اتنی پہنچ جاتی تھیں کہ ان کو پھر کسی دوسری چیز کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ (اور حدیث بھی کیسی) بہت بہت سی سندوں سے اور صحیح جس پر کوئی نہ کوئی مجتہد عمل بھی کرتے رہے اور (ہم نہیں جانتے) ایسی حدیث پر عمل چھوڑنے والا (عنداللہ) کیا عذر کر سکتا ہے۔ یا (اگر حدیث نہ ملی تو (جمہور صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال متظاہرہ جن کے ساتھ مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں مل جاتے تھے، اور اگر کسی مسئلہ میں کوئی نقل ایسی نہ ملی جس سے اطمینان حاصل ہو جائے، تعارض کے ہونے اور کسی وجہ ترجیح کے ظاہر نہ ہونے کے سبب سے، تو پہلے زمانہ کے کسی عالم کا قول اختیار کر لیتے۔ اور اگر مختلف قول ملتے تو جس کو زیادہ مضبوط خیال کرتے لے لیتے۔ خواہ وہ قول مدینہ کے

عالموں سے کسی کا ہو یا کوفہ کے عالموں میں کا (غرض کسی کی تعیین وتخصیص نہ تھی)۔ اور تخریج والے (اہل الرائے) اس مسئلہ کو صریح نص سے نہیں پاتے تھے اس کو (اپنے پہلوں کے اقوال سے) تخریج کرتے تھے (اور ان کے) مذہب (کے نکالنے اور پیدا کرنے) میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اساتذہ کے مذہب کی طرف نسبت کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا تھا فلاں شافعی ہے (یعنی امام شافعی کے اقوال پر تخریج کرتا ہے) اور فلاں حنفی ہے، بلکہ بعض وقت اہل حدیث کو بھی کسی پہلے کے ساتھ زیادہ مسائل میں بطور توارد کے) موافق ہو جانے کی وجہ سے نسبت کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ نسائی اور بیہقی، امام شافعی کی طرف نسبت کر دیے جاتے تھے۔ اس وقت میں قاضی ومفتی وہی بنایا جاتا تھا جو مجتہد ہو، اور فقیہ بھی مجتہد ہی کو بولتے تھے۔ (الحاصل اس وقت تک تقلید شخصی کا رواج نہ عوام میں تھا نہ خواص میں)۔

ان طبقوں کے بعد ایک دوسری قسم کے لوگ ہوئے جو (سیدھے راستے کو چھوڑ کر) دائیں بائیں نکل گئے اور ان میں چند نئی باتیں پیدا ہو گئیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ وہ تقلید پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور (صورت اس کی یہ ہوئی کہ) تقلید اُن کے دلوں میں چیونٹی کی سی ہلکی چال سے گھسی اور ایسی آہستہ آہستہ گھسی کہ) خود ان کو بھی نہ معلوم ہوا۔ اور سبب اس کا ہوا فقہاء کی باہمی نزاع اور مجادلے۔ کیونکہ فقہاء کی جب آپس میں فتوؤں کے اندر نزاعیں واقع ہوئیں، تو جو کوئی فتوے دیتا دوسرا اس کا رد کرتا۔ پس یہ بحث کسی طرح ختم نہ ہوتی جب تک کہ متقدمین میں سے کسی عالم کا صریح قول نہ پیش کیا جائے (اس وجہ سے علماء سابقین کے اقوال وآراء پر اعتماد کرنے اور اُن سے سند پکڑنے اور انھیں پر عمل درآمد کرنے کی عادت پڑ گئی اور پھر یہی اصل طریقہ اسلام نظر آنے لگا) اور ایک سبب تقلید کے جاری ہونے کا قاضیوں کی بے انصافی بھی واقع ہوئی۔ کیونکہ اکثر قاضی جب ظلم کرنے لگے اور خود اعتماد کے لائق نہ رہے (کہ اُن کے بنائے ہوئے مسائل کو منصفانہ نظر سے مستنبط سمجھا جائے) تو خود اُن کے بنائے ہوئے مسائل قبول نہیں کیے جاتے تھے جب تک کہ کسی پہلے عالم کا قول پیش نہ کریں کہ جس میں کسی کو تردد باقی نہ رہے (لہٰذا ضروری ہو گیا کہ پہلے

عالموں کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ اور جب اس کا رواج پڑ گیا تو پھر کوئی قابل اعتماد ہو یا نہ ہو طریقہ ہی یہ قائم ہو گیا کہ پہلے زمانہ کے عالم کا قول پیش کیا جایا کرے، اور وہی مدار کار ٹھیرے پس طریقۂ تقلید چل نکلا)۔ اور ایک سبب واقع ہوا لوگوں کی بے علمی اور فتویٰ پوچھنا ایسوں سے جن کو نہ حدیث کا علم نہ طریقۂ تخریج کا جیسا کہ اکثر متاخرین میں شائع ہے۔ چنانچہ ابن الہمام وغیرہ نے اس کو بیان کیا۔ اس وقت میں غیر مجتہد کو فقیہ بولنے لگے"۔ تمام ہوا قول شاہ صاحب کا۔ پھر شاہ صاحب ان لوگوں کے فقہی وغیرہ علوم کے اشتغال کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں" ان کے بعد قرون خالص تقلید پر بڑھے پلے جو حق کو باطل سے اور جدال کو استنباط سے علیحدہ تمیز نہیں کر سکتے تھے" انتہی۔ پھر شاہ صاحب لکھتے ہیں" اس کے بعد جو زمانہ آتا گیا وہ پہلے کی نسبت فتنہ میں زائد اور تقلید (کے رواج) میں بڑھ کر اور لوگوں کے دلوں سے (اللہ کی) امانت (یعنی اس اصلی طریقہ) کو نکالنے والا ہوتا گیا حتیٰ کہ لوگ امور دین (کو شرعی دلائل سے نکالنے) کی بحث چھوڑنے پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہے اور کہنے لگے: إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ[1]۔ اور ہم (افسوس کرتے ہیں کہ) اس کی شکایت سوا اللہ تعالیٰ کے اور کس سے کریں" انتہی۔ شاہ صاحب نے تقلید کے پھیلنے کے سوا اس سبب سے جو ہم نے لکھا ہے اور بھی کئی سبب بیان کیے۔

حدوث تقلید، خیر القرون کے بعد:

بہرحال کوئی بھی وجہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا رواج پیغمبر صاحب ﷺ سے بہت زمانے کے بعد ہوا، اور جیسا کہ دین میں وقتاً فوقتاً اور نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں اسی طرح یہ بھی ایک نیا طریقہ نکل کر قائم ہوا۔ اس سے پہلے ابتداء میں تقریباً

---

[1] ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انھیں کے طریقے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

ایک سو برس تک تو کل ہی مسلمان اور اس کے بعد بھی مدت تک اکثر مسلمان[1] وہی طریقہ رکھتے تھے جو اہل حدیث کا ہے جن کو آج کل غیر مقلد کہتے ہیں۔ پیغمبر صاحبؐ کی پیشین[2] گوئی کے موافق قرون ثلثہ تو (جو تقریباً دو سو بیس[3] ہجری تک باقی رہے اس طریقے (مذہب تقلید) سے محفوظ رہے۔ بعد کو یہ رنگ شروع ہوا اور ترقی کرنے لگا مگر چوتھی صدی میں بھی عام رواج اس کا نہ ہوئے پایا تھا۔ پیغمبر صاحبؐ سے چار سو برس بعد اس کو پوری ترقی ہو گئی۔

تقلید، صرف ائمہ اربعہؒ ہی کی کیوں؟

اب رہی یہ بات کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہی کی تقلید کی جاتی ہے۔ سوا اُن کے اور جو ہزاروں لاکھوں مجتہد و امام گزرے اور کسی کی تقلید نہیں کی جاتی، اور نیز اِن چار مذہبوں کے مقرر ہونے کی کیا وجہ ہوئی۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جو عالم، مجتہد جہاں کہیں ہوئے وہ اپنے قرب وجوار (اور بعض دور دراز) کے لوگوں کے (بھی) مرجع[4] بنے کہ لوگ ان کی طرف مشکلات مسائل میں رجوع کرتے اور ضرورت کے

---

[1] اکثر اس واسطے کہا کہ اس وقت میں کچھ کچھ اہل الرائے بھی ہو گئے تھے۔

[2] یعنی وہ جو آپؐ نے بہ نسبت آیندہ زمانہ کے قرون ثلثہ کی خیریت کی بابت ارشاد فرمایا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم وغیرہم نے روایت کیا۔

[3] دیکھو فتح الباری پارہ ۱۴ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صہ ۲۵۳۔ عبارت یہ ہے: واتفقوا ان اخر من کان من اتباع التابعین ممن یقبل قوله من عاش الی حدود العشرین ومائتین وفی هذا الوقت ظهرت البدع ظهورا فاشیا الی قوله وتغیرت الاحوال تغیرا شدیدا۔ یعنی تبع تابعین دو سو بیس برس تک زندہ رہے۔ بس اسی وقت سے بدعتیں پھیلنے لگیں اور دین میں بہت کچھ تغیر و تبدل، واقع ہو گیا۔

[4] مگر یہ رجوع بطور تقلید شخصی نہ تھا۔ چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

وقت ان سے مسائل دریافت کرتے، وہ جب تک زندہ موجود رہے لوگوں کی حاجات ان سے پوری ہوتی رہیں۔ اور لوگ اُن کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور جب وفات پائی اور انتقال کر گئے، لوگوں کی حاجت روائی کے لیے کوئی نہ کوئی اللہ کے بندے مستعد رہتے ہی تھے۔ ایک ایک مقام پر کئی کئی عالم بھی ہوتے تھے۔ وہ لوگ جیسا اُن کی طرف رجوع کرتے تھے اِن کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اور ان گزرے ہوؤں کا کچھ دنوں تک ذکر و تذکرہ رہ کر تھوڑے عرصے کے بعد سوائے خواص کے اور اُن کے جن کو فنِ تاریخ سے دلچسپی ہے یا اُن کے ساتھ اُن کا کوئی سلسلہ قائم ہے جاننے والا یا اُن کا ذکر و تذکرہ کرنے والا بھی نہ رہتا تھا۔ مگر بعض علماء کے لیے ایسے اسباب مہیا ہوئے اور زمانے نے موافقت کی کہ اُن کا نام نامی پیچھے بھی مشہور رہا اور علیٰ قدر شہرت و موافقت اسباب عوام و خواص میں اُن کا ذکر و تذکرہ جاری رہا اور بعد کو بھی بہت سے لوگ اُن کے نام لینے والے اور اُن کے بتائے ہوئے مسائل پر چلنے والے باقی رہے، اور بعض کو ایسی ترقی ہوئی کہ وہ صاحبِ مذہب کہلائے، اور اُن کے نام کا مذہب چلا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جب اُن کی زائد شہرت ہوئی اور اُن کے بہت سے معتقد اور پیرو ہوئے۔ بکثرت اُن کی طرف مسائل میں رجوع ہوا اور اُن کو مسائل صریح نصوص یا اجتہاد و استنباط سے بتانے پڑے، اور اُن کے معتقدین نے وہ مسائل محفوظ کیے اور ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے۔ پس اس قسم کے مسائل ان مجتہدوں کا مذہب شمار ہوئے اور وہ مجتہد، امام و صاحب مذہب کہلائے۔ اس طرح کے بھی عالم اس امت میں سینکڑوں ہزاروں گزرے ہیں۔ علماء کے طبقات اور تذکرے دیکھو۔

دوسرے اصحاب مذاہب:

چنانچہ جن ائمہ کا ذکر ہم ذہبی کے کلام سے پہلے کر آئے ہیں بہت سے ان میں کے اسی وصف کے تھے۔ تاہم بعض کے نام نامی ہم پھر اس جگہ ذکر کیے دیتے ہیں۔ ان مشہور چاروں اماموں کے نام تو معلوم ہی ہیں۔ ان کے سوا امام

زہریؒ، امام شعبیؒ، امام عطاءؒ بن ابی رباح قرشی، طاؤسؒ، حسن بصریؒ، محمدؒ بن سیرینؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، لیثؒ، مکحول شامی، سلیمانؒ، اعمشؒ، ابو عبیدؒ، ابنؒ وہب، ابراہیم نخعیؒ، حمادؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، ابن مبارکؒ، ابن ابی لیلیٰ، اسحاق بن راہویہ، محمدؒ بن جریرؒ طبری، داؤد بن علی ظاہریؒ، ابو ثورؒ، وغیرہم ان کے اور ان کے بعد کے زمانہ میں انہیں کے وصف کے اور بھی بہت سے علماء ہوئے۔ ان علماء و ائمہ میں سے علیٰ حسب موافقتِ اسباب و مساعدتِ وقت کسی کا نام زیادہ مشہور ہوا، اور کسی کا ان کی نسبت سے کم۔ کسی کا نام زیادہ دنوں چلا اور ان کے نام لینے والے اور ان کے اجتہاد پر چلنے والے مدتوں رہے۔ یا اب تک چلا جاتا ہے اور کسی کا نام تھوڑے دنوں چل کر اُن کا نام اور اُن کا مذہب اور اُن کے مذہب کے نام لینے والے اور اس پر چلنے والے صفحۂ روزگار سے مٹ گئے، اور سوائے خاص آدمیوں کے کوئی جاننے والا نہ رہا۔

وہ اسباب جو، ان ائمہ کی شہرت و عروج و بقاء نام اور اُن کے مذہب کے قیام کے باعث ہیں، اگرچہ بہت ہیں، مثلاً اُن کی نیک نیتی، ذاتی خوبیاں، کثرت تلامذہ، عمدہ تصانیف۔ مگر سب سے زیادہ مؤثر، اور سب سے بڑا قوی سبب اس کا اپنے معتقدوں اور مخلص[2] شاگردوں کا وہ جن کا قصد ہو اپنے استاذ کا نام روشن کرنا اور ان کے نام کے مذہب کو فروغ دینا) ملکی خدمات اور معزز عہدوں کے ساتھ ممتاز ہونا اور سلطنت کے ساتھ رسوخ حاصل کرنا اور ملک میں با اختیار ہونا ہے۔ چنانچہ جس امام و مجتہد کے لیے یہ بات مہیا ہو گئی ان کے نام و مذہب نے خوب فروغ

---

[1] ہم چاہتے تھے کہ کتب تواریخ و تراجم سے ان بزرگوں کے کچھ کچھ حالات لکھتے تاکہ ناظرین کو معلوم ہوتا کہ یہ لوگ کیسے کیسے بڑے مجتہد و امام اور صاحب مذہب مستقل اور لوگوں کے مقتداء تھے مگر بخوف طوالت اس سے باز رہے۔

[2] مثل مشہور ہے پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند۔ مگر واضح رہے کہ یہ مثل تھوڑی مناسبت سے استشہاد کے طور پر پیش کی گئی۔ عموماً اور بعینہٖ ایسا ہونا مراد نہیں۔

پایا اور برابر پھیلتا گیا اور حسب قوت و بقاء سبب سلسلہ اس کا آیندہ کے لیے قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں: "تو جس[1] مذہب کے اصحاب مشہور ہوئے اور خدمت قضاء اور افتاء ان کے سپرد ہوئی اور ان کی تصانیف لوگوں میں مشہور ہوئیں اور لوگوں نے اُن کو پڑھا پڑھایا تو وہ اطراف عالم میں پھیل گیا اور ہمیشہ روز بروز پھیلتا رہا۔ اور جس مذہب کے اصحاب غیر مشہور ہوئے اور قاضی و مفتی نہ بنائے گئے اور لوگ اُن کی طرف نہ متوجہ ہوئے، وہ مذہب کچھ دنوں کے بعد مٹ مٹا گیا۔"

حنفی مذہب کے پھیلنے کے اسباب و وجوہ:

ان چار اماموں اور اُن کے مذہبوں کے لیے اتفاق سے یہی قوی و مؤثر سبب مہیا ہو گیا۔ جس سے اُن کے مذہب چل نکلے اور آئندہ کے لیے ان کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: "(امام) ابو حنیفہ[2] کے شاگردوں میں سب سے زائد مشہور (امام) ابو یوسف تھے۔ وہ (خلیفہ) ہارون رشید کے وقت میں قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ یہ سبب ہو گیا (امام) ابو حنیفہ کے مذہب کے پھیلنے اور اسی کے موافق فیصلہ جات ہونے کا اضلاع عراق و خراسان و ماوراء النہر

---

[1] عبارت یہ ہے: فای مذہب کان اصحابہ مشہورین ووسد الیہم القضاء والافتاء واشتہر تصانیفہم فی الناس ودرسوا درساً ظاہراً انتشر فی اقطار الارض ولم یزل ینتشر کل حین وای مذہب کان اصحابہ خاملین ولم یولوا القضاء والافتاء ولم یرغب فیہم الناس اندرس بعد حین (حجۃ اللہ ص۱۵۲ باب الفرق بین اہل الحدیث الخ)۔

[2] عبارت یہ ہے: وکان اشہر اصحابہ (ابی حنیفۃ) ذکرا ابو یوسف تولی قضاء القضاۃ ایام ہارون الرشید فکان سببا لظہور مذہبہ والقضاء بہ فی اقطار العراق والخراسان وما وراء النہر۔ (حجۃ اللہ ص۱۵۱ باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء)۔

ہیں"۔ علامہ قاضی ابن خلکان فرماتے ہیں: "ابو یوسفؒ نہ ہوتے تو (امام) ابو حنیفہؒ کی شہرت نہ ہوتی۔"[1] امام ابو یوسفؒ قضاء کے سبب سے اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوئے۔[2] خلیفہ ہارون رشید کے تمام ممالک محروسہ کی (جو ایک نہایت وسیع سلطنت تھی) قضا کا کل سررشتہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہی جس کو چاہتے قاضی و مفتی مقرر کرتے اور کچھ ایسے[3] واقعات پیش آئے تھے جس سے خلیفہ کو اُن سے بے حد اُنس ہو گیا تھا۔ اور ان کو سلطنت کے ساتھ نہایت رسوخ حاصل تھا۔ امام ابو یوسفؒ امام صاحبؒ کے بڑے مخلص شاگرد تھے (اور اُن کو ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس لیے کہ امام صاحبؒ

---

[1] عبارت یہ ہے: لولا ابو یوسف ما ذکر ابو حنیفۃؒ

[2] شبلی نعمانی صاحب امام ابو یوسفؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں: "خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قضا کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدے پر بحال رکھا لیکن ہارون رشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ بلکہ زمانہ ما بعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی دؤاد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضاء میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل خود ان کی لائف لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے" (سیرۃ النعمان صہ ۲۹۶) اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضاء کا تمام سررشتہ ان کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون رشید نے قاضی صاحب کی بغیر اطلاع حفص کو (جو ابو یوسف کے استاذ بھائی اور امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے) مقرر کر دیا۔ اس لیے ان کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُن کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے" (سیرۃ النعمان صہ ۲۹)

[3] انھوں نے چند مسائل خلیفہ کی خواہش کے موافق جن میں ویسا ہی ہونے کی خلیفہ کو بہت خواہش تھی بتا دیے تھے۔ دیکھو تاریخ الخلفاء سیوطی وغیرہ۔ اس وجہ سے خلیفہ ان کی بہت خاطر کرتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یہ کبھی معزول نہ ہوں گے۔

(دیکھو تاریخ ابن خلکان)۔

نے ان کو نہ صرف تعلیم دی تھی بلکہ وہ[1] ان کی برابر اعانت و دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ اگر امام صاحبؒ ان کی مالی مدد نہ فرماتے تو امام ابو یوسف علم نہ حاصل کر سکتے) لہٰذا انھوں نے اپنے استاذ کا نام روشن کرنا چاہا، اور کیا، اور اُن کے نام کا مذہب تمام ممالک مشرق میں پھیلا دیا اور اس کو گویا قانون[2] سلطنت قرار دے دیا۔ چنانچہ برابر نظام

---

[1] نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "ان کو (ابو یوسف کو) اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں، تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ ان کے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا! ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو۔ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ "یعقوب (امام ابو یوسف کا نام) اب نہیں آتے۔" ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی۔ گھر پہ آکر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔ اسی طرح برابر اُن کو مدد دیتے رہے۔ یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور استاذ وقت بن گئے۔" (سیرۃ النعمان ص ۲۹۵)

[2] نعمانی صاحب لکھتے ہیں: "یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ عرب میں تو ان کے مسائل کو چنداں رواج نہ ہوا۔ کیونکہ مدینہ میں امام مالکؒ اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی، عموماً انھیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان سندھ کابل بخارا وغیرہ میں تو ان کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم بھی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا۔ البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا۔ اور اس کے خاص اسباب تھے۔ (م)

سلطنت بلشترا نھیں اُصول پر قائم رہا۔ جن کے سبب سے اس مذہب کو نہایت

---

(۴) مثلاً افریقہ میں سنہ ۴۰۵ھ تک امام ابو حنیفہؒ کا طریقہ تمام اور طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے سنہ ۴۰۶ ہجری میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ آج تک قائم ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ عنانِ حکومت جن لوگوں کے ہاتھوں میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے۔ یعنی ان کو خود دعوائے اجتہاد تھا، اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم اِن میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہؒ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا، اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا۔ حنفی المذہب تھا" (سیرۃ النعمان ص ۲۰۴، ۲۰۵)۔ اور لکھتے ہیں: "عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا، اکثر حنفی تھے۔ خاندانِ سلجوقی جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا۔ نورالدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا، لیکن وہ خود اور اس کا خاندان مذہباً حنفی تھا۔ صلاح الدین خود شافعی تھا۔ لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسیٰ بن عبدالملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا، علامہ ابن خلکان اس کے حالات میں لکھتے ہیں: "حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا" (ص ۲۰۵ تا ص ۲۰۶ ملخصاً)۔

اسی کے قریب قریب علامہ شامیؒ نے بھی ردالمحتار حاشیہ درمختار میں لکھا ہے۔ دیکھو ص ۴۸ جلد اول مقدمہ۔

شہرت ہوئی اور آگے کے لیے اس کا سلسلہ بڑے استحکام کے ساتھ قائم ہوگیا۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ کے بعد اکثر سلاطین اسی مذہب کے نام لیوا اور اسی کے حامی رہے۔ وہ مذہب و طریقہ جو چل نکلا اور لوگ اس سے مانوس ہوگئے یا کچھ عرصہ تک نظام سلطنت اس کے اوپر قائم رہا۔ پچھلے سلاطین کا اسی پر کاربند ہونا اور اسی کی طرف منسوب و مائل رہنا کوئی قابلِ تعجب امر نہیں۔ اس لیے کہ عموماً سلاطین کو انتظام ملکی اور حفظِ دولت کے سوا ایسے اُمور کی تحقیق و بحث کم ہوا کرتی ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔

مذاہب اربعہ کے پھیلنے کے دیگر اسباب :

امام ابو یوسفؒ کے سوا امام صاحبؒ کے اور شاگرد بھی معزز عہدوں پر

مذہب حنفی پھیلنے کی وجہ کے بیان میں شبلی نعمانی کی غلطی :

نعمانی صاحب لکھتے ہیں : تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ۔ مالکؒ۔ شافعیؒ۔ احمد بن حنبلؒ ص۲۰۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں : امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا، جس کے طلباء نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے ص۲۰۱ اور ایک جگہ امام صاحب کے سینکڑوں شاگردوں کا عہدۂ قضا پر مامور ہونا ظاہر کیا ہے ص۲۰۲۔ جیسا کہ ہم نے بزورِ حکومت ان مذاہب کے زور پکڑنے اور جاری ہونے کی بابت لکھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی ایسا تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتداء ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابو حنیفہؒ کا مذہب، کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالکؒ کا مذہب اندلس میں۔ کیونکہ امام مالکؒ کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص اُن کے مشورہ کے بغیر عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔ (دیکھو تاریخ ابن خلکان ترجمہ یحییٰ مصمودی)۔ شبلی صاحب اس کو ابنِ حزم کی ظاہر بینی بتا کر اس سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا (ص۳

مامور ہوئے جنھوں نے اپنے استاذ کے نام اور مذہب کی اشاعت و حمایت کی، اسی طرح امام مالکؒ کا مذہب بھی جاری ہوا۔ الحکم[1] بن ہشام اموی جن کا لقب تھا منتصر ۱۸۰ھ میں اندلس کے خلیفہ ہوئے انھوں نے یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کو نہایت با اختیار عہدے پر ممتاز کیا۔ خلیفہ ان سے بہت ہی تخصیصی برتاؤ برتتے تھے، اور خود ان کے دروازے پر آتے تھے۔ ملک میں اُن کو وہ عزت حاصل تھی جو کسی کو نہ تھی۔ تمام محکمہ قضاء و افتاء کا انھیں کے اختیار میں تھا۔ سارے بلاد اندلس میں بغیر ان کی رائے کے کہیں کوئی قاضی مفتی مقرر نہ ہوتا تھا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ امام

---

(۲) جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبولِ عام حاصل کر لیا تھا۔ اور اُن کے سینکڑوں شاگرد قضاء کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ (ص ۳۷) لیکن باریک بین مولوی شبلی صاحب کی اس نکتہ چینی کو سوائے کسی ظاہر بین کے کوئی دقیق نظر سے دیکھنے والا پسند نہیں کر سکتا۔ چند وجوہ سے۔ اوّل قبل قاضی ابو یوسف کے ایسا قبول ہونا مسلم نہیں۔ جس کو دعویٰ ہے ثبوت دینا چاہیے۔ دوسرے کلام اس رواج عام میں ہے جس کا اثر آگے کے لیے بھی پڑے اور آیندہ کے واسطے اُس کا استحکام ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ رواج اسی ذریعہ سے ہوا ورنہ ویسی شہرت و قبول، تو اور مجتہدوں و عالموں کو بھی حاصل ہوئی کہ ان کے زمانے میں اور کچھ عرصے تک ان کے بعد بھی اُن کا مذہب چلا مگر اس قسم کے اسباب جن کو مہیا نہ ہوئے کچھ دنوں کے بعد اُن کا مذہب مندرس ہو گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ پس قاضی صاحب سے پہلے مذہب کو جو شہرت و قبولیت حاصل ہوئی (اگر حاصل ہوئی تو) وہ مقصود ابن حزم کے منافی نہیں۔ تیسرے ابن حزم کے اصل مقصود کے اندر امام ابو یوسف کی کوئی تخصیص نہیں مقصود تو یہ ہے کہ شاگردوں کے معزز عہدوں پر مامور ہونے اور ملک میں با اختیار ہونے اور سلطنت کی تائید نے مذہب کو رواج عام دیا تو ابو یوسف سے پہلے اگر رواج عام حاصل تھا تو ان سینکڑوں شاگردوں کے عہدہ قضا پر مامور ہونے کی وجہ سے تھا۔ جن کا نعمانی صاحب کو خود اقرار ہے جو ابن حزم کا عین مقصود ہے۔

[1] دیکھو افتراق الامم یعنی خبیئۃ الاکوان وغیرہ ص ۱۰۳۔ اور تاریخ ابن خلکان، ترجمہ یحییٰ مصمودی مذکور الصدر۔

مالک صاحب کے مخلص شاگرد تھے۔ انھوں نے اپنے استاذ کے نام و مذہب کو فروغ دینا چاہا اور اس کو جاری کیا۔ لہٰذا لوگ امام مالک کے مذہب کو اختیار کرنے لگے۔ اور بلاد اندلس میں امام مالک کا نام اور اُن کا مذہب پھیل گیا۔ اس سے پہلے اندلس کے لوگ زیادہ تر امام اوزاعی کو مانتے تھے۔ اب سلطنت کے زور سے اوزاعی کا مذہب اُٹھ گیا اور امام مالک کا مذہب پھیل گیا۔

افریقہ[1] میں پہلے اصلی دستور کے موافق عموماً عمل بالحدیث جاری تھا۔ عبداللہ بن فروخ فارسی نے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب وہاں پہنچایا۔ اور بعض قضاۃ کے ذریعہ سے اُس کو فروغ ہوگیا۔ پھر قضاء علامہ سحنون بن سعید تنوخی کے ہاتھ آئی۔ انھوں نے امام مالک کے مذہب کی اشاعت کی حتٰی کہ معز بن بادیس جبکہ ۴۰۶ھ میں افریقہ کے حاکم ہوئے۔ بزور حکومت انھوں نے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ غرض حکومت کا زور تھا جس نے تمام ممالک اندلس و افریقہ میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا۔ ان ممالک میں کوئی مفتی قاضی نہیں ہو سکتا تھا جب تک مالکی فقہ کا نام لینے والا نہ ہو۔ اور عوام کو بھی مجبوری زیادہ تر اُسی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس لیے تمام بلاد مغربیہ (افریقہ و اندلس) میں امام مالک کا نام اور اُن کا مذہب پھیل گیا اور اس کی بنیاد خوب مستحکم ہوگئی جیسا کہ بلاد مشرقیہ (خراسان وغیرہ و افغانستان و ہندوستان) میں امام ابوحنیفہؒ کا نام اور ان کا مذہب پھیلا، اور اس کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

کم و بیش یہی اسباب امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے لیے بھی بہم ہوئے جن سے ان کے نام اور ان کے مذہب نے شہرت پائی اور آیندہ کے لیے اس کا سلسلہ قائم ہوا یہ سبب جس سے یہ چار امام اور ان کے مذہب عام طور پر قائم ہوئے اور ان کا سلسلہ آگے کے لیے چل نکلا۔ اور دیگر ائمہ اور اُن کے مذہبوں اور اُن کے اصحاب کو بہم نہ ہوا۔ لہٰذا وہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکے اور کچھ دنوں کے بعد معدوم یا گمنام ہو گئے۔

---

[1] خبیئة الاکوان ص۱۰۰۔

ان چاروں مذہبوں کی روز بروز ترقی اور عام مقبولیت اور ان کے سوا کی کمی اور نابود ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ابتداء میں جب حکام وقت کی توجہ اور حمایت سے عوام وخواص کو اپنے حوادث وواقعات میں زیادہ تر انھیں کی طرف رجوع کرنا پڑا تو ان مذہبوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ کیونکہ جب روزمرہ نئے نئے حوادث ان مذہبوں کے سامنے پیش ہوتے رہے اور ان کا حکم اُن مذاہب کے اصحاب کو بتانا پڑا تو انھوں نے جب ان نئے حوادث کے احکام صاحب مذہب کے صریح قول میں نہ پائے تو ان کے اقوال سے تخریج کرکے ان کے احکام پیدا کیے اور استنباط کرکرکے ان کے جواب دیے اور وقتاً فوقتاً جو جو احکام متخرج ومستنبط ہوتے گئے وہ جمع ہوتے گئے اور ضبط میں آتے رہے تو دن بدن ان مذہبوں کی ترقی وتکمیل ہوتی رہی اور بہ نسبت دیگر مذاہب کے یہ مذاہب اکثر حوادث کے احکام بتانے کے لیے کافی ثابت[1] ہونے گئے۔ کیونکہ ان میں بہت سے مختلف واقعات کے احکام متخرج ہوکر ضبط ہو چکے تھے۔ لہٰذا انھیں کی طرف رجوع ورغبت اور دیگر مذہبوں سے استغناء اور بے رغبتی ہوتی گئی۔ اور نیز جب یہ مذاہب ایک زمانہ تک مرجع اور معمول بہ رہے تو اب وہ مانوس ہوگئے اور طبعی اور اصلی مذہب معلوم ہونے لگے اور لوگ ان کے عادی بن گئے۔ اور یہ ایک مستقل وجہ مقبولیت اور عام طور پر مروج رہنے کی ہے۔ غرض کہ مجملہ اور بہت سے اماموں، مجتہدوں اور ان کے مذہبوں کے صرف ان چار اماموں کے نام اور ان کے مذہب کے باقی رہنے اور عام طور پر مروج ہوجانے اور اوروں کے گمنام اور نامعلوم ہوجانے کی بڑی وجھیں یہ ہوئیں۔ ورنہ حقیقت میں یہ سارے امام ومجتہد تقریباً یکساں ہی تھے اور کم وبیش سب ہی نے استنباط احکام اور تحقیق مسائل میں ویسی ہی کوششیں کیں جیسے[2] ان ائمہ اربعہ نے کیں۔

---

[1] لیکن اندرونی حالات ان مسائل کے آگے آئیں گے۔

[2] چنانچہ بحر العلوم کے قول میں آگے آتا ہے۔

فقہاء کی تصریحات، تقلید ضروری نہیں :

اور کہیں اللہ و رسولؐ نے بھی حکم نہ دیا تھا کہ فلاں و فلاں چار امام ہوں گے انھیں کی پیروی کی جائے اور انھیں کے مذہبوں کو اختیار کیا جائے اور ان کے سوا اور کسی امام و مجتہد کے بتائے ہوئے مسائل کا اعتبار نہ کیا جائے (یہ کچھ نہ تھا صرف زمانہ کا دور تھا جس نے ان چار کو باقی رکھا اور ان کے ساتھ موافقت کی اور باقی کے ناموں کو فنا کر دیا) اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے جس میں ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی شک نہیں کر سکتا تاہم علماء نے اس خیال سے کہ صرف ان ائمہ کی تقلید کے مروج ہو جانے کے سبب سے عوام غلطی میں پڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چاروں مذہب اللہ نے مقرر کیے ہیں اور ہر ایک مسلمان پر ان میں سے کسی ایک کا پابند رہنا ضروری ہے اس کی بھی تصریح کر دی[1]۔ ملا علی قاری کی شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں :

[2] یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے کسی کو حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے بلکہ سب کو اسی کا مکلف کیا کہ اگر خود علم ہو تو اپنے علم کے موافق حدیث پر عمل کرے اور اگر بے علم ہو تو عالموں کی تقلید کرے (خواہ کوئی عالم ہو)۔

اور علامہ ابن[3] حزم اندلسی فرماتے ہیں :

> "وہ کونسی بات ہے جس نے (امام) ابو حنیفہ اور (امام) مالک اور (امام) شافعی کو خاص کر دیا کہ انھیں کی تقلید کی جائے اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ و ابن

---

[1] حقیقت میں یہ بات ان لوگوں کی تصریح کی محتاج نہیں۔ اور اگر وہ نہ لکھتے یا اس کے خلاف لکھ دیتے تاہم وہ ایک نفس الامری بات ہے۔

[2] عبارت یہ ہے : من المعلوم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ ما کلف احدا ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل کلفہم ان یعملوا بالسنۃ ان کانوا علماء او یقلدوا لعلماء ان کانوا جہلاء۔

[3] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۶۰۔

مسعودؓ و ابن عباسؓ و عائشہؓ اور سعید بن المسیبؒ اور زہری اور نخعیؒ اور طاؤسؒ اور حسن بصریؒ کی نہ کی جائے۔

اور مولانا عبدالعلی بحر العلومؒ لکھنوی شرح مسلم الثبوت میں اس قول کے جواب میں کہ:

لہ چنانچہ عبارت شرح بحر العلوم کی مع مسلم کے یہ ہے: قال الامام اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فان اقوالہم قد یحتاج فی استخراج الحکم منہا الی تنقیۃ کما فی السنۃ ولا یقلد العوام علیہ بل یجب علیہم اتباع الذین سبروا ای تعمقوا وبوبوا ای اوردوا ابوابا لکل مسئلۃ علیحدۃ فھذبوا مسئلۃ کل باب ونقحوا کل مسئلۃ من غیرھا وجمعوا بینہا بجامع وفرقوا بفارق وعللوا ای اوردوا لکل مسئلۃ مسئلۃ علۃ و فصلوا تفصیلا یعنی یجب علی العوام تقلید من تصدی بعلم الفقہ لا لاعیان الصحابۃ وعلیہ ابتنی ابن الصلاح منع تقلید غیر الائمۃ الاربعۃ ھم الامام الھمام امام الائمۃ ابو حنیفۃ الکوفی والامام مالک والامام الشافعی والامام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ وجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء لان ذلک المذکور لم یدر فی غیرھم وفیہ ما فیہ فی الحاشیۃ قال العراقی انعقد الاجماع علی ان من اسلم فلہ ان یقلد من شاء من العلماء من غیر حجر واجمع الصحابۃ علی ان من استفتی ابابکر وعمر امیری المومنین فلہ ان یستفتی اباھریرۃ ومعاذ بن جبل وغیرھما ویعمل بقولہم من غیر نکیر فمن ادعی برفع ھذین الاجماعین فعلیہ البیان فقد بطل بھذین الاجماعین قول الامام وقولہ اجمع المحققون لا یفہم منہ الاجماع الذی ھو الحجۃ حتی یقال یلزم تعارض الاجماعین بل الذی یکون مختارا عند احد ویکون الجماعۃ متفقین علیہ یقال اجمع المحققون علی کذا ثم فی کلامہ خلل آخر وھو ان التبویب لا دخل لہ فی التقلید وکذا التفصیل فان المقلد ان فہم مراد الصحابی عمل والا سأل عن مجتہد آخر فافہم ویطل بھذا قول ابن الصلاح ایضا ثم فی

(باقی اگلے صفحہ پر)

"صحابہ کی تقلید نہ چاہیے اس لیے کہ ان کے اقوال خود شرح کے محتاج ہیں۔ بلکہ تقلید ائمہ اربعہ کی چاہیے جنھوں نے مسائل کو چھانٹا اور شرح و تفصیل کی اور مسائل کے علیحدہ علیحدہ ابواب مقرر کیے۔ ایسا سوائے ائمہ اربعہ کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا لہٰذا انھیں کی تقلید کرنا چاہیے" تحریر فرماتے ہیں۔

(محب اللہ بہاری مؤلف مسلم الثبوت) حاشیہ مسلم الثبوت پر لکھتے ہیں:

"عراقی نے کہا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو کوئی مسلمان ہوا علماء میں سے جس کی چاہے تقلید (تابعداری) کرے، کوئی ممانعت نہیں۔ (اس اجماع سے ائمہ اربعہ کی تخصیص کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ اور صحابہ نے اس بات پر اجماع کیا جس نے امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ سے فتوے لیا اُس کو اختیار ہے حضرت ابوہریرہؓ یا معاذؓ بن جبل وغیرہ سے فتوے لے اور ان کے قول پر عمل کرے کوئی ممانعت نہیں (اس سے تقلید شخصی اور تخصیص مذہب کی باطل ہوئی) اور جس کو ان دونوں اجماعوں کے رفع ہو جانے کا دعوے ہو اُس کو ثبوت دینا چاہیے۔"

غرض ان دونوں اجماعوں سے ائمہ اربعہ کی تخصیص اور صحابہ کی تقلید کی ممانعت والا قول باطل ہو گیا۔ اور اس قول میں ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ (ائمہ اربعہ کے سوا اور کی تقلید کی ممانعت کی بناء جو تبویب و تفصیل پر رکھی ہے تو) تبویب و تفصیل کو تقلید میں کیا دخل اس لیے کہ صحابی کی تقلید کرنے والا اگر مراد صحابی کی سمجھ لے گا اس پر عمل کرے گا۔ ورنہ کسی دوسرے مجتہد سے دریافت کرے گا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کلامہ خلل اخراذ المجتہدون الآخرون ایضا بنی لو اجلھم ھم مثل الائمۃ الاربعۃ وانکار ھذا مکابرۃ وسوء ادب بل الحق انہ انما منع من منع من تقلید غیرھم لانہ لم یبق روایۃ من ھبھم محفوظۃ حتی لو وجد روایۃ صحیحۃ من مجتہد اخر یجوز العمل بھا الا تری ان المتاخرین افتوا بتحلیف الشھود اقامۃ لہ موقع التزکیۃ علی مذھب ابن ابی لیلی فافہم۔ (ص ۶۳۰۔ طبع نول کشور)

ائمہ اربعہ کے سوا دیگر ائمہ کی مساعی اجتہاد :

اور ایک خلل اور بھی ہے وہ یہ کہ ائمہ اربعہ کی طرح دوسرے مجتہدوں نے بھی (تبویب وتفصیل مسائل میں) کوششیں کی ہیں جس کا انکار مکابرہ اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بے ادبی کرنا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ جس نے ائمہ اربعہ کے سوا اور کی تقلید کو منع کیا تو اس خیال سے منع کیا کہ اور مجتہدوں کے مذہب کی روایت محفوظ نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی مجتہد سے کوئی روایت صحیح مل جائے تو برابر اس پر عمل درست ہوگا۔ چنانچہ متاخرین (حنفیہ) نے (ایک مسئلہ میں) ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کو قبول کیا۔ ختم ہوا کلام بحر العلوم کا ملخصاً۔

ائمہ اربعہ کے سوا بیسیوں مجتہد ہیں جن کے مذہب کے مسائل صحیح روایتوں کے ساتھ بکثرت منقول ہیں۔ محدثین کی کتابوں[ف] کو دیکھو جنھوں نے مجتہدین کے مذاہب اور ان کے اختلافات کو بیان کیا۔ محدثین نے جو مذہب کسی کے ذکر کیے تو بلا معتبر اسناد کے نہیں ذکر کیے۔ ترمذی نے جس قدر مذاہب لکھے ہیں آخر کتاب میں سب کی اسنادیں بتادیں۔ اسی طرح اور محدثین کا بھی حال ہے۔ پس یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ اور مذاہب کی روایتیں محفوظ نہیں۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کی طرح اور مذاہب میں صاحب مذہب کے اقوال پر برابر اضافے اور تخریجیں نہیں ہوئیں۔ جس کی وجہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

مذاہب اربعہ من عند اللہ نہیں :

بہر حال ہم کو جو یہاں کہنا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی طور پر ان چار اماموں اور اُن کے مذاہب کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اور جیسا کہ عوام کا خیال وطرزِ عمل ہے کہ ان چاروں اماموں

[ف] بعض اِن کتابوں کے نام جن میں مذاہب علماء مذکور ہیں :

دیکھو جامع ترمذی شرح ترمذی للحافظ العراقی۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ استذکار۔ تمہید لابن عبدالبر۔ کتاب المغنی لابن قدامہ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ نیل الاوطار۔ وغیرہا۔ ان کتابوں میں صحابہ و تابعین و دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب واختلافات اور ان کے مجتہدات بہت وضاحت کے ساتھ اور معتبر ذریعوں سے لکھے ہیں (آخر الذکر تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں وللہ الحمد۔ ع، ح)

اور اُن کے مذہبوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا اور ہر مسلمان پر واجب الاتباع سمجھتے ہیں، صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا صرف رواج اور وجوہ مذکور بالا کے سبب سے ہوا۔

اصحاب مذاہب اربعہ کی باہم چشمک :

ان چاروں مذاہب کے اصحاب آپس میں چشمک[1] بھی رکھتے تھے۔ اور اپنے مذہب کے فروغ دینے اور دوسرے کے زیر کرنے کی تدبیریں و کوششیں کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمارا ہی مذہب منظور نظر سلاطین رہے۔ اور اسی کے موافق نظام سلطنت ہو۔

مذاہب اربعہ، ظلِّ حکومت میں :

چنانچہ[2] استاذ ابو حامد اسفرائینی نے جب خلیفہ ابو العباس القادر باللہ کے دربار میں رسوخ پایا تو خلیفہ سے اس بات کی منظوری حاصل کرائی کہ ابو محمد بن الکفانی حنفی قاضی بغداد کو معزول کرکے بجائے اُن کے ابو العباس حامل یا مازری شافعی کو قاضی مقرر کیا جائے۔ بیچارے قاضی ابو محمد صاحب کو خبر بھی نہیں۔ آخر وہ معزول ہوئے اور مازری قاضی مقرر کیے گئے اور ابو حامد اسفرائینی نے ادھر سلطان محمود بن سبکتگین کو (جو اس وقت اعظم السلاطین تھے) لکھ بھیجا کہ خلیفہ نے محکمہ قضا کا حنفیوں سے نکال کر شافعیوں کو دیا ہے (للہذا تم کو بھی اپنے ممالک میں اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے) اس انقلاب سے خراسان میں بھی شور[3] اٹھا اور بغداد (دار الخلافہ) کے لوگ بھی مختلف ہو کر دو فریق ہو گئے اور ملک میں فساد و فتنہ پھیل گیا۔ آخر خلیفہ کو سابق دستور کے موافق بدلنا پڑا اور مازری کو معزول کرکے الکفانی کو قضا دی یہ ۳۹۳ھ کا واقعہ ہے۔ اسی طرح برابر ایک دوسرے پر حملے کرتے رہتے تھے۔ کبھی کوئی غالب ہو جاتا تھا کبھی کوئی۔ اور جھگڑے قضیئے ہوتے رہتے تھے۔ آخر[4] ۶۶۵ھ شاہ بیبرس بندقداری

---

[1] چنانچہ اس کے متعلق بیانات آگے آتے ہیں۔

[2] خبیۃ الاکوان صد۱۰۴ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۹۱ھ۔

[3] کیونکہ حنفی کب چاہتے تھے کہ شافعی المذہب قاضی مقرر ہو۔

[4] خبیۃ الاکوان صد۱۰۵۔ رد المحتار حاشیہ در مختار میں بھی اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھو مقدمہ صد۴۲۔

نے چاروں مذہب کے چار قاضی مقرر کیے۔ اس سے پہلے مصر میں سوائے شافعی المذہب کے کوئی قاضی مقرر نہ کیا جاتا تھا۔ وجہ اُس کی یہ تھی کہ مصر میں پہلے تو تشیع غالب تھا۔ سلطان صلاح الدین نے جب دولت شیعیہ کا ازالہ کر کے مصر میں اہل سنت کا قدم جمایا تو چونکہ سلطان صلاح الدین شافعی المذہب تھے۔ لہٰذا انھوں نے محکمہ قضا صدر الدین بارانی شافعی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پس اقلیم مصر میں سوا شافعی المذہب کے کوئی قاضی نہ ہوسکتا تھا۔ سلطان مذکور اگرچہ امام شافعی کے مذہب کے معتقد تھے۔ مگر انھوں نے جہاں فقہائے شافعیہ کے لیے مصر میں مدرسہ کھولا۔ ایک مدرسہ فقہائے مالکیہ کے لیے بھی کھول دیا تھا۔ اس وجہ سے مصر میں مالکی مذہب بھی چل نکلا تھا۔ اُدھر سلطان نورالدین محمود زنگی حنفی مذہب کے بڑے حامی تھے۔ ان کے سبب سے بلادِ شام میں حنفی مذہب خوب زوروں پر تھا۔ اُنھیں کے اثر سے مصر میں بھی حنفی مذہب پھیلنے لگا مگر قضا مصر میں شافعیوں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ حتّٰی کہ جب سلطنت ملک بیبرس کے ہاتھ آئی تو انھوں نے ہر مذہب کا ایک ایک قاضی مقرر کیا۔ ایک شافعی، ایک مالکی، ایک حنفی، ایک حنبلی۔ اُس وقت سے آیندہ کے لیے یہی دستور جاری ہوگیا۔ اور اب سے گویا سرکاری طور پر چاروں مذہب تسلیم کر لیے گئے اور ان چاروں مذہبوں کی سلطنت حامی ہوگئی (اُن کے سوا اگر کوئی تھا، اُن کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، لہٰذا اُن کو ترقی نہ ہوتی تو کس کو ہوتی (اور دوسرے بیچارے گمنام اور نابود نہ ہوتے تو کیا ہوتے)۔

چار مصلوں کا حرمین میں قیام اور اس کے اثرات:

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور برابر اُن کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ آخر سلطان فرح بن برقوق نے جو کہ اشرِ ملوک چراکسہ کے جاتے ہیں اوائل نویں[1] صدی میں مسجد کعبہ شریف کے

---

[1] دیکھو ارشاد السائل الٰی دلیل المسائل للعلامۃ الشوکانی۔ عبارت یہ ہے: عمارۃ المقامات بمکۃ المکرمۃ بدعۃ باجماع المسلمین احدثہا اشر ملوک الجراکسۃ فرح بن برقوق فی اوائل المائۃ التاسعۃ من الھجرۃ وانکر ذالک اھل العلم فی ذالک العصر ووضعوا فیہ مؤلفات۔ (ص۵ مطبوعہ مجموعۃ الرسائل المنیریہ ج ۳ ـــــ ۲۱۶)۔

اندر چاروں مذہب کے چار مصلے بھی قائم کر دیے۔ اور اچھی طرح سے دین محمدی کو چار حصوں اور چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ اگرچہ اس احداث پر اس وقت کے حق شناس[۱]

---

[۱] کسی کام کا مکہ میں ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں:

زمانہ مابعد کے علماء نے بھی اِن مصلّوں کے قائم کرنے کو امر زبون اور بدعت کہا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر فتح العزیز میں تحت آیہ وما اللہ بغافل عما تعملون کے اس کو بدعت لکھتے ہیں۔ اور مخالف فریق کو بھی اِس کے اقرار سے چارہ نہیں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب سرگروہ احناف دیوبند سبیل الرشاد میں تحریر فرماتے ہیں: "البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کیے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے کہ تکرار جماعات و افتراق اِس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت کے ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی۔ اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں۔ مگر یہ تفرقہ آئمہ دین حضرات مجتہدین سے نہ علمائے متقدمین سے بلکہ کسی وقت میں سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل علم اہل حق پسند نہیں کرتا۔ پس یہ طعن نہ علماء اہل حق مذاہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے۔ انتہیٰ دیکھو ص۳۳۔ اس سے ثابت ہوا کہ مخالف فریق کو بھی تسلیم ہے کہ کسی بات کا مکہ میں ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ عنداللہ بھی صحیح ہو پس عوام کا یہ خیال کہ تقلید شخصی عنداللہ حق نہ ہوتی تو مکہ مدینہ میں کیوں کی جاتی۔ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا حرمین شریفین کی بزرگی اور وہاں کے ذاتی فضائل سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا بلکہ ہم تو مدینہ کے بھی حرم ہونے کے قائل ہیں کیونکہ حدیث میں اس کا حرم ہونا آیا ہے۔ اور حنفیہ اس کو حرم نہیں مانتے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہاں کے سب باشندے خطا سے معصوم اور غلطی سے پاک ہیں یا وہاں کوئی ناجائز بات نہیں ہو سکتی۔ ملا علی قاری کی حنفی مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: اگر متقدمین ان متاخرین کو دیکھتے جس پر ہمارے زمانہ کے غفلت کرنے والے لوگ ہیں تو وہ حرمین شریفین کی مجاورت کی حرمت کا حکم لگا دیتے۔ (حرمین میں) ظلم کے شائع ہو جانے اور جہل کی کثرت ہو جانے اور بری باتوں اور بدعات کے پھیل جانے اور اکل حرام و شبہات کی وجہ سے ملا علی قاری نے خاص بدعات حرمین کے بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ عینی (جن پر حنفیہ کو بہت ناز ہے) شرح صحیح بخاری میں (ص

علماء نے مخالفت بھی کی۔ مگر جس بات کی اتنے دنوں سے تمہید جم رہی ہو اور اب ایک با اختیار بادشاہ کے ذہن میں ٹھن گئی ہو وہ کیسے ٹل سکتی تھی۔ چنانچہ نہ ٹلی۔

اور اس کا اثر ان مذہبوں کے استحکام اور اُن کی تقلید کی بابت عموماً لوگوں پر ایسا پڑا جو کسی دوسرے ذریعہ سے بمشکل پڑ سکتا تھا۔ اور عوام کے ذہنوں میں یہ بات اچھے طور پر قائم ہو گئی کہ یہ چاروں مذہب اور اُن کی تقلید اصلی طریقۂ اسلام اور عین حکم الٰہی ہے جس کی مخالفت کسی مسلمان کو جائز نہیں۔ اور جس نے اُس کا خلاف کیا اُس نے اسلام اور اصل طریقۂ اسلام کا خلاف کیا۔ حالانکہ اُس کی اصلیت صرف اسی قدر ہے جو معلوم ہو چکی۔ اور چونکہ ان چاروں مذاہب کا سلسلہ مجموعی ہیئت سے کہ چاروں مل کر ایک سمجھے جاویں جاری نہیں ہوا جیسا کہ اوپر ظاہر ہو چکا۔ اگر ایسا ہوتا تو چار کہلاتے ہی کیوں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے علیحدہ اور دوسرے کا حریف و مقابل تھا اور ہر ایک کے پیرو اور معتقدین اور اصحاب علیحدہ علیحدہ تھے۔ لہٰذا جس طرح جدا جدا ان مذاہب کو استحکام ہوا اسی طرح ان مذاہب اور اِن کے اماموں کی تقلید شخصی بھی قائم ہوئی۔ جو شخص جس امام کا معتقد و پیرو و طرفدار تھا اسی امام کی طرف منسوب ہوا اور اُن کا مقلد کہلایا، اور ہر موقعے و حادثے میں اُسی امام کے فرمودے اور عندیے کو تلاش کرنے لگا۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ہر ایک کو اپنے منسوب الیہ کی حمایت اور اُس کے مذہب کی پاسداری اور اُس کی محبت و طرفداری بڑھتی

(ص) اُس حدیث کی شرح میں جس میں ایمان کا مدینہ کی طرف سمٹنے کا ذکر ہے لکھتے ہیں: "یہ بات پیغمبر صاحبؐ کے وقت میں اور اُن کی قریب کے زمانوں میں تھی قرون ثلاثہ تک۔ اور اس کے بعد تو احوال بگڑ گئے اور بدعات کی کثرت ہو گئی خصوصاً ہمارے زمانہ میں"۔ انتہیٰ۔ بہرحال کسی عمل یا کسی مسلک کا حرمین شریفین میں ہونا اُس کے حق ہونے کے لیے سند نہیں ہو سکتا۔ ایک زمانہ میں تمام شرفاء مکہ زیدی شیعہ ہو گئے تھے اور وہاں کی امارت بھی انھیں کے ہاتھ تھی۔ دیکھو صواقع علامہ نصر اللہ کابلی۔ چنانچہ رسالہ غایۃ الکلام فی ابطال عمل امو رو القیام میں اس کو مفصل لکھا ہے ہم نے بھی اُسی سے نقل کیا۔ مؤلفہ مولانا محمد بشیر الدین قنوجیؒ ص ۱۱۱ طبع ۱۲۸۰ھ — ۲ ، ۶)۔

گئی۔ یوں تقلید شخصی قائم و مستحکم ہو گئی۔

پہلے زمانہ میں تقلید شخصی کا عدم التزام:

اگرچہ پہلے زمانہ میں جبکہ اُن مذاہب کے فروغ کا ابتدائی زمانہ تھا اور ان کے سوا اور مجتہدوں کے مذاہب پر بھی عملدرآمد ہوتا تھا۔ لوگوں کو کسی خاص امام یا مجتہد کی تخصیص ملحوظ نہ تھی بلکہ ہر مجتہد و امام اپنے قرب و جوار یا دور دراز کے لوگوں کا مقتدا ہوتا تھا۔ ایک ایک شہر میں کئی کئی امام و مجتہد بھی ہوتے تھے اور لوگ اُن کی طرف بلا تعیین و تخصیص رجوع کرتے تھے اور جس[1] عالم سے چاہتے تھے مسئلہ معلوم کر لیتے تھے۔ اگر کہیں سفر میں جانے کا اتفاق پڑتا تو وہاں کے اہلِ علم سے اپنے حوائج رفع کرتے۔ غرض اُن کو کسی امام و مجتہد اور اُس کے مذہب کی خصوصیت مدِ نظر نہ تھی بلکہ اُن کو صرف حکم شرعی معلوم کرنا ہوتا تھا اور اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا فرمان، خواہ کسی رہبر سے ہاتھ لگے۔ مگر جب ان مذاہب اربعہ نے برخلاف دیگر مذاہب کے خاص ترقی حاصل کی، اور

---

[1] شیخ ابن عبدالسلام فرماتے ہیں۔ "ہمیشہ لوگوں کا دستور یہی رہا کہ بلا تقیید کسی مذہب کے جس عالم سے اتفاق پڑ جاتا تھا مسئلہ دریافت کرتے تھے اور پوچھنے والا کسی سے پوچھے کوئی اس پر اعتراض نہ کرتا (برابر یہی ہوتا رہا) یہاں تک کہ یہ مذاہب اور ان مذاہب پر تعصب کے ساتھ تقلید کرنے والے ظاہر ہوئے، تو پھر یہ بات جاتی رہی"۔ (حجۃ اللہ ص ۱۶۰ فصل مسائل متفرقہ) اور شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید ص ۹۸ میں فرماتے ہیں۔ "شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتویٰ دیتے اور عمل کرتے تھے اور یہ ایسے طور پر نقل کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ بات ہے جس پر اگلے پچھلے علماء کا برابر عملدرآمد رہا ہے حتیٰ کہ یہ بات ایک ایسی متفق علیہ ہو گئی جس کو سبیل المومنین کہہ سکتے ہیں جس کا خلاف جائز نہیں"۔ انتہیٰ۔ اس کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح بلا تعیین مذہب کے عمل و فتویٰ کا ہونا ان تمام قرون اولیٰ کے اندر حنفیہ کو بھی مسلم ہے چنانچہ اُن کے اقوال معیار الحق میں ذکر کیے گئے ہیں۔

آئندہ کے لیے اپنا استحکام پیدا کیا تو جس طریق اور جس طرزِ عمل سے اُن کا سلسلہ مستحکم ہوا اُس کے لیے اس طرح تقلیدِ شخصی کا قائم ہو جانا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اسی طرح ہوا بھی۔ ظاہر ہے کہ جس ملک میں جس مذہب نے رواج پایا، اُس کو رواج دیا گیا۔ دیگر طریقے وہاں سے اگر بالکل رخصت نہیں ہوئے تو کمزور اور مضمحل تو ضرور ہی ہو گئے اور وہاں کے لوگ عموماً اُسی رواج یافتہ مذہب کی پیروی کرنے لگے اور اپنے تمام حوادث و واقعات میں اسی مذہب کی طرف رجوع کرتے رہے۔ اور وہی ان کا مذہب قائم ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ تک اسی طرح رہنے کے بعد اس کے ساتھ مانوسیت اور اُس کی موروثیت کی وجہ سے اُس کی محبت اور اُس کی پاسداری اور اُسی کی تخصیص بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ ہونے لگا کہ ہمارے امام کے نزدیک یہ ہے اور ہمارے مذہب میں اس طرح ہے۔ اور ہر امام کا مذہب اس کے پیروؤں میں دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بطور مستقل شریعت کے قائم ہو گیا اور ہر ایک کو دوسرے کا مذہب اپنے سے غیر اور خلاف معلوم ہونے لگا اور پھر ہر ایک مذہب والا بمقابلہ دوسرے کے اپنے مذہب کی افضلیت و اولویت کے وجوہ و دلائل قائم کرنے لگا۔

مقلدین کی بحثوں میں افراط و تفریط :

اور اس قسم کے بحث مباحثوں کو بہت کچھ ترقی ہو گئی۔ خصوصاً جبکہ بعض سلاطین[1] کو اس قسم کے مباحث کی طرف توجہ پیدا ہوئی تو ہر ایک مذہب کے لوگوں نے اپنے مذہب

---

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۸۔ امام شافعیؒ و امام ابو حنیفہؒ کے مسائل پر بحث و باہم وجوہ ترجیح جو زیادہ تر کتب فقہ و اصول میں مذکور ہیں اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مسائل سے اس قدر تعرض نہیں۔ اُس کی بھی وجہ یہی ہے کہ سلاطین کو اسی طرف زیادہ تر توجہ پیدا ہوئی تھی جیسا کہ شاہ صاحب نے ذکر کیا۔ میزان شعرانی میں علماء شافعیہ و حنفیہ کی ایک جماعت کا حال لکھا ہے کہ وہ رمضان کے روزے نہیں رکھتے تھے، اس لیے کہ قوی رہیں۔ تاکہ ایک دوسرے سے مناظرہ کرے اور ایک دوسرے فریق کا جواب دے۔ اور اس کو زیر کرے۔ اگر روزے رکھیں گے تو کمزور ہو جائیں گے اور مناظرے و مباحثے میں ڈھیلے پڑ جائیں گے۔ دیکھو صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر۔

کے کچھ نہ کچھ وجوہات عقلی یا نقلی پیدا کر کے اس کو راج ثابت کیا اور بعض نے تو اس مقصود کے حاصل کرنے کے لیے یہاں تک افراط و تفریط سے کام لیا کہ اپنے امام کی مدح وغیرہ اور دوسرے مذہب کے امام کی مذمت میں حدیثیں بنا کر مشہور کیں۔ کسی نے اپنے امام کے ایسے

---

[1] مدح وقدح ائمہ میں موضوع روایتیں:

کسی نے یہ حدیث بنائی: یکون فی امتی رجل یقال لہ ابوحنیفۃ ھو سراج امتی۔ کسی نے یہ حدیث بنائی: ان سائر الانبیاء یفتخرون بی وانا افتخر بابی حنیفۃ من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی۔ کسی نے یہ بنائی: لو کان فی امتی موسیٰ و عیسیٰ مثل ابی حنیفۃ لما تھودوا ولما تنصروا۔ کسی نے یہ بنائی: سیاتی بعدی رجل یقال لہ النعمان بن ثابت الکوفی ویکنی بابی حنیفۃ لیحیین دین اللہ و سنتی علی یدیہ۔ کسی نے یہ بنائی: یخرج فی امتی رجل یقال لہ ابوحنیفۃ وبین کتفیہ خال الخ۔ کسی نے یہ بنائی: الا انبئکم برجل من کوفتکم ھذہ یکنی بابی حنیفۃ قد ملئ قلبہ علما و حکما و یھلک قوم فی اخر الزمان الغالب علیھم التنافر یقال لھم البنانیۃ کما ھلکت الروافض بابی بکر و عمر۔ کسی نے یہ بنائی یکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس۔ یہ وہ احادیث ہیں جو حنفیہ نے امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی مدح اور امام شافعی صاحب کی مذمت میں بنائیں۔ اسی طرح شافعیہ نے اس کے مقابلے میں اپنے امام کی تعریف اور دوسرے کی مذمت میں بنائی ہوں گی۔ یہ اپنے امام کی حد درجہ کی پچ و حمیت تھی جو ایسا کراتی تھی۔ لیکن بعد ازاں پھر انہیں کے ہم مشرب علماء کو بجز اس بات کے تسلیم کرنے اور کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوا کہ یہ احادیث موضوع اور جھوٹی ہیں۔ دیکھو مؤلفات شیخ قاسم حنفی و ملا علی قاری و شیخ عبدالحق دہلوی و مولانا عبدالحی لکھنویؒ۔ ہمارے زمانے کے جن لوگوں کو اس قسم کی حدیثوں اور جھوٹی دلیلوں کے ساتھ اپنے مخالف فریق کو زیر کرنے کی دلچسپی ہے وہ اگر مذکور الصدر حدیث میں بجائے البنانیۃ کے الوہابیۃ ترمیم کردیں تو ان کو زیادہ مفید ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جہاں اسباب وضع حدیث کے بیان کیے۔ وہاں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ مقلدین نے بھی شدت تعصب کی وجہ سے حدیثیں بنائیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: والحامل للواضع علی الوضع اما عدم الدین۔ او غلبۃ الجھل ... او فرط العصبیۃ کبعض المقلدین۔ ملخصاً نزہۃ النظر صفحہ ۴۱۔ مطبوعہ فاروقی پریس۔

مبالغہ آمیز محامد[1] اور دوسرے مذہب کے امام کی نسبت ایسے ناشائستہ[2] الفاظ بولے جو کسی

---

[1] کوئی کہتا ہے امام ابوحنیفہ صاحب کا وہ مرتبہ ہے کہ خضر علیہ السلام بھی ان سے پڑھتے تھے۔ چنانچہ پانچ برس تک امام صاحب کی زندگی میں روزمرہ صبح کو حاضر ہوکر امام صاحب سے علم حاصل کرتے رہے جب امام صاحب کی وفات ہوگئی تو خضر نے بارگاہ الٰہی میں بڑی تضرع کی۔ آخر اجازت ملی کہ قبر پر جاکر سیکھ آیا کریں تو پچیس برس تک امام صاحب کی قبر شریف پر حاضر ہوکر تحصیل علم کرتے رہے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ خضر نے جو امام صاحب سے علم شرح محمدی حاصل کیا تھا۔ وہ انھوں نے امام قشیری کو سکھا دیا۔ امام قشیری نے کتابیں تصنیف کرکے ایک صندوق میں بند کرا کر دریائے جیحون میں ڈال دیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو انھیں کتابوں کو نکال کر ان پر عمل درآمد کریں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مہدی بھی حنفی مذہب کے مقلد ہوں گے۔ کوئی لکھتا ہے مسجد کوفہ میں مسند افادہ پر جب آپ بیٹھتے تھے تو ہزار شاگرد ان کے گرد ہوتے تھے اور ۴۰ مستعد مجتہد پاس موجود رہتے تھے۔ جب کوئی مسئلہ استخراج کرتے تو ان سے مشورہ و مباحثہ کرتے۔ بعد مہینے دو مہینے کے جب خوب ٹھیک درست ہوجاتا تب حکم نفاذ کا جاری کرتے۔ اس طرح پر تدوین فقہ کی مدت تیس برس بتائی جاتی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے اس مجلس شوریٰ کا بیان کہاں تک صحیح ہے۔ لیکن اس کی کچھ حقیقت ہمارے استاذ بھائی مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مدظلہ نے کتاب حسن البیان میں بیان کی ہے۔ امام صاحب کی عبادت کے بیان میں مبالغہ کے ساتھ انواع عبادات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ عادۃً ان کا جمع کرنا خصوصاً ایسے شخص کو جس کو اتنا بڑا مشغلہ علمی ہو۔ ایک غیر ممکن الوقوع امر ہے۔ یہ تمام باتیں اور حدیثیں جو ہم نے لکھیں کتب فقہ و مناقب میں دیکھو۔ اگرچہ امام صاحب یا کسی دوسرے امام کے واقعی فضائل سے کسی سمجھ دار کو انکار نہیں اور نہ کوئی انکار کی وجہ ہے بلکہ ان کا ایسا ہونا اسلام کی زینت کا باعث ہے۔ مگر مقصود یہاں پہ صرف اس قدر ہے کہ مقلدین نے کیسے خلاف واقع بیانات سے کام نکالنا چاہا۔

[2] امام شافعی صاحب کی نسبت ابلیس سے بھی زیادہ بد ہونے کا جو لفظ بولا گیا وہ تم ابھی دیکھ چکے اور بعض نے جہل کے اقسام بیان کرکے جہل کی اس قسم میں جس میں بندہ آخرت میں معذور نہیں رکھا جا سکتا (بلکہ عذاب دیا جائے گا) کافروں و باغیوں و معتزلہ و مبتدعہ کے ساتھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

طرح زیبا نہ تھے۔ کسی نے اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے کے لیے عمدًا اصُول کے ایسے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) امام شافعی صاحب کو بھی شریک کر دیا۔ دیکھو نور الانوار صفحہ ۲۰۰۔ انوار محمدی پریس۔ انھوں نے اس موقع پر امام شافعی کو نہ صرف جاہل کہا بلکہ ایسا جاہل ٹھہرایا جو مواخذہ اخروی سے بری نہیں۔

اہلحدیث پر ائمہ کو بُرا کہنے کا بیجا الزام اور اس کی اصل وجہ:

افسوس آپ جو چاہیں سو کہیں کچھ حرج نہیں اور سب جائز ہے۔ اور اہل حدیث بے چاروں پر مفت میں الزام ہے کہ وہ ائمہ کو بُرا کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے جو بات یا لفظ اپنے مرکوز خاطر کے خلاف سنتے ہیں وہ بری ہی معلوم ہوتی ہے گو نفس الامر میں وہ کوئی بری بات نہ ہو۔ اور چونکہ اہل حدیث سے بدظنی ہے اس وجہ سے یہ لوگ اگر کوئی اچھی بات بھی کہیں یا کوئی تحقیقی امر لکھیں وہ بھی برا ہی لگتا ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کی توہین کی غرض سے کہا اور ان کو بُرا کہہ دیا۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

قواعدِ اصول فقہ اور دلائل کتب فقہ کا کچھ حال:

اصول فقہ کی کتابوں میں باستثناء خاص خاص اصول و قواعد کے اکثر قواعد (خصوصًا مناظرات و مجادلات کے موقعوں پر) اسی قسم کے ہیں کہ اپنی موافقت و مخالف کے رد کی رعایت سے لکھے گئے ہیں۔ گو بعض ناظرین اس بات کو جن کے کان پہلے اس سے آشنا نہیں ہوتے ہیں۔ تعجب کی نگاہ سے دیکھیں گے مگر وہ شخص جن کو ان کتب پر تحقیقی اور غائر نگاہ ہے۔ کبھی اس بات میں تعجب نہیں کرے گا۔ ہم کو اگر فرصت ہوئی تو انشاء اللہ ہم ایک مستقل تصنیف میں اسباب کو مفصل بیان کریں گے اور کچھ بیان اس کے متعلق آگے بھی آتا ہے۔ کتنی جگہ ہدایہ وغیرہ کی طرز استدلال و جواب کی بھی یہی حالت ہے۔ مخالف کے دلائل اپنی طرف سے قائم کر کے اپنے اصول کے موافق اس کے جواب دیتے ہیں۔ مخالف کی کتاب میں دیکھا جائے تو کہیں اُس دلیل کا جو اُس کی طرف سے قائم کر کے جواب دیا ہے۔ پتہ نہیں بلکہ وہاں اور ہی دلائل مذکور ہوتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ مناقشات و دلائل پچھلوں کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور حقیقت میں بنا مذہب کی ان پر نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں "بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ مذہب کی بنا اِن مناقشات جدلیہ پر ہے جو مبسوط سرخسی اور ہدایہ تبیین وغیرہ میں مذکور ہیں اور (۱۵)

قواعد ممہد کیے جس سے اپنے مذہب کے مسائل چسپاں ہو جائیں اور مخالف کی بات کا رد ہو جائے۔ گو اِن قواعد سے کوئی دوسرا محذور ہی لازم آتا ہو۔ الغرض اس طور پر ان مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی قائم ہوئی اور ہر ایک مذہب کے پیرو اس مذہب کے مقلد ٹھیرے۔ کیونکہ اگر یہ لوگ تخصیص کے ساتھ ایک امام کے پابند نہ ہوتے بلکہ دیگر ائمہ کے اقوال پر بھی بلا لحاظ خصوصیت عمل کرتے رہتے یا براہِ راست خود قرآن و حدیث سے استدلال کر کے عمل کیا کرتے تو وہ پیرو یا مقلد اس امام اور اس مذہب کے کیوں کہلاتے۔ بجائے اس کے وہاں تو ہر مذہب علیحدہ علیحدہ تخصیص کے ساتھ قائم ہو گیا اور ہر فریق خصوصیت کے ساتھ اپنے امام کی تقلید کرنے لگا اور دن بدن اس کو ترقی اور پختگی ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ تعصب بھی بڑھتا گیا۔ اور یہ ایک **مستقل** وجہ ہے مذہب تقلید کے شروع ہونے اور پھیلنے کی۔

حکومتوں کا عمل دخل، شیوع مذاہب میں:

اور زمانۂ مابعد میں مذہب تقلید کے عام طور پر پھیلنے اور اُس کے استحکام و ترقی پانے کی ایک قوی وجہ یہ ہوئی کہ اکثر سلطنت کا مذہب تقلید رہا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ اور چونکہ زیادہ سلاطین حنفی ہوئے، اس وجہ سے حنفی مذہب کی تقلید کو سب سے زیادہ ترقی ہوئی۔ اور جب سلطنت کا مذہب تقلید رہا تو رعایا کا زیادہ تر اسی مذہب پر ہونا اور اُسی پر مائل رہنا ایک لابدی اور ضروری الوقوع امر تھا۔ کیونکہ اول تو بادشاہ و سلطنت کا کسی وضع یا مسلک پر ہونا قطع نظر دوسری باتوں کے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے کافی ہے۔ کیا تم اپنے زمانے کے میلانِ طبع کو نہیں دیکھتے۔

(ص بہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں سب سے پہلے معتزلہ نے پیدا کیں (جو عقاید میں معتزلہ تھے، اور فروعات میں حنفی) پھر متاخرین نے اسی کو پسند رکھا۔" عبارت یہ ہے، (بعضھم یزعم ان بناء المذھب علی ھذہ المحاورات الجدلیۃ المذکورۃ فی مبسوط السرخسی والھدایۃ والتبیین ونحو ذلک ولا یعلم ان اول من اظھر ذلک فیھم المعتزلۃ ولیس علیہ بناء مذھبھم اھ ملخصاً[165]۔

باوجود شرعی مزاحمت اور علما کے روکنے کے کس قدر لوگ انگریزی وضع، قطع۔ چال ڈھال۔ طرز معاشرت۔ آداب اکل و شرب۔ اقسام کھانوں وغیرہ کی طرف جھکے چلے جاتے ہیں اور بلا کسی ضرورت یا معتد بہ نفع کے اُسی کی طرف مائل ہیں۔

دوسرے ظاہر ہے کہ سرکاری مذہب کے اختیار کرنے میں ملکی خدمات۔ معزز عہدے عز وجاہ۔ رجوع خلائق۔ وغیرہ، جو ہاتھ آسکتے ہیں خلاف میں نہیں آسکتے۔ تیسرے سرکاری طریقہ اور مروج مسلک عموماً باعث اُمن و عافیت ہوتا ہے۔ اُس کے خلاف میں ذلت ومصائب وآفات کا سامنا ہوتا ہے۔ چوتھے جس نے اس وسطی زمانہ کے سلاطین کی تواریخ دیکھی ہے وہ جانتا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی مسلمان بادشاہ کی کسی امر میں مذہباً مخالفت کیسی دشوار تھی۔ غرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطنت کا مذہب ومسلک رعایا میں بہت زور کے ساتھ اشاعت پاتا ہے اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے الناس علے دین ملوکہم۔ شیعہ سنی کے انقلاب سلطنت کی تاریخ دیکھو۔ سلطنت کے پلٹنے سے عام رعایا کا رنگ کس قدر بدل جاتا تھا۔ اسی طرح کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عموماً سرزمین ایران پر جتنے پیدا ہوتے ہیں وہ سب ہی کج رائے اور بے سمجھ پیدا ہوتے ہیں کہ وہاں جو پیدا ہوتا ہے وہ شیعہ ہی ہو جاتا ہے اور وہاں سب شیعہ ہی شیعہ نظر آتے ہیں اور دوسرے ممالک کی سرزمین پر سب مستقیم الرائی اور صحیح ذہن کے پیدا ہوتے ہیں کہ جو اس کے خلاف حق مذہب کو نہیں اختیار کرتے بلکہ سنی ہی ہوا کرتے ہیں۔ وقس علیٰ ہذا۔ اصل میں یہ کچھ نہیں، بلکہ اس میں بڑا دخل سلطنت کے مذہب کو ہے۔ الحاصل۔ ان چاروں مذہبوں اور ان کی تقلید شخصی کے شروع ہونے اور پھیلنے کی یہ اصلی وجوہ واسباب ہیں اور یہ اس کی اصلیت ہے۔

تقلید شخصی پر کوئی دلیل نہیں:

مگر مدت سے اس طرح پر رواج چلے آنے اور زمانہ دراز کے گزرنے نے لوگوں کو اس کی اصلی حالت سے بالکل بے خبر کر دیا اور وہ سمجھتے رہے کہ مذہب تقلید اور ان چار مذہبوں سے کسی ایک کی جملہ مسائل میں پابندی کرنا اصلی وقدیمی مذہب اور

عین حکم اللہ درسولؐ ہے اور اُس سے ذرا سا بھی علیٰحدہ ہونا الحاد و بے دینی ہے۔ حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ نہ کہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے ان چاروں اماموں کی تقلید کو واجب کیا اور نہ اُن کو نبیوں کی طرح تقلید کیے جانے کے لیے بنا کر بھیجا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ اور طوالع الانوار حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں کہ "ایک[1] مجتہد معین کی تقلید کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں، نہ شریعت کی رو سے نہ عقل کی رُو سے۔ چنانچہ اس (بات) کو (کہ تقلید شخصی کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں) حنفیہ میں سے شیخ ابن الہمام نے (شرح ہدایہ) فتح القدیر میں اور اپنی اصول کی کتاب میں جس کا نام تحریر الاصول ہے ذکر کیا اور اسی عدم وجوب کی (بابت) مالکیہ میں سے شیخ ابن عبدالسلام نے مختصر منتہی الاصول میں تصریح کی اور شافعیہ میں سے محقق عضدالدین نے اور ابن امیرالحاج نے تحبیر شرح تحریر میں ذکر کیا کہ پہلے زمانے کے علماء نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ کسی حاکم یا مفتی کو کسی خاص ایک شخص کی تقلید حلال نہیں کہ جب فیصلہ کرے یا کسی حکم میں فتویٰ دے تو اُسی کے قول کے مطابق دے۔"

اسی طرح سید باشا شرح تحریر میں، اور ملا حسن شرنبلالی رسالہ العقد الفرید میں، اور محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں اور بحر العلوم شرح مسلم الثبوت اور شرح تحریر میں، اور ملا حبیب اللہ قندھاری مغتنم الحصول میں، اور مولٰنا اکمل صاحب عنایہ شرح ہدایہ تقریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اور ان کے سوا اور بھی کتنے محققین کی

---

[1] عبارت یہ ہے: ووجوب تقليد مجتهد معين لا حجة عليه لا من جهة الشريعة ولا من جهة العقل كما ذكره الشيخ ابن الهمام من الحنفية في فتح القدير وفي كتابه المسمى بتحرير الاصول وبعدم وجوبه صرح الشيخ ابن عبد السلام في مختصر منتهى الاصول من المالكية والمحقق عضد الدين من الشافعية وذكره ابن امير الحاج في التحبير شرح التحرير ان القرون الماضية من العلماء اجمعوا على انه لا يحل لحاكم ولا مفت تقليد رجل واحد بحيث لا يحكم ولا يفتي في شيء من الاحكام الا بقوله۔

عبارتیں لفظ بلفظ ہمارے اُستاذ حضرتنا وشیخنا وشیخ الکل جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مدظلہ العالی نے معیار الحق[1] میں نقل فرمائی ہیں۔ یہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی کی تقلید شخصی واجب نہیں فرمائی اور کسی پر لازم نہیں کیا کہ وہ ایک ہی امام کا تمام مسائل میں مقلد ہو رہے بلکہ تقلید شخصی کو واجب ٹھہرانا ئی شرح اپنی طرف سے پیدا کرنا ہے۔ غرض اس سے کوئی دیدہ ور انکار نہیں کر سکتا کہ شرع نے کہیں ہدایت نہیں کی کہ تقلید شخصی یا ان چاروں مذہب میں سے کسی نہ کسی ایک کی پابندی کی جائے اور نہ ایسا کرنے کے جواز کی شرعاً کوئی وجہ ہے۔ لیکن زمانے کے دَور نے اور رسم کے چل نکلنے نے ایسا کرا دیا۔

تقلید وجمود کے لازمی نتائج، فرقہ وارانہ تعصب:

اور جب اس کی رسم چل نکلی اور ایک عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا تو لوگوں کو یہی صحیح وحق معلوم ہونے لگا۔ اور پھر یہ ہونے لگا کہ کوئی تو کہتا[2] ہے کہ اہل سنت مذاہب اربعہ میں منحصر ہیں۔ جو ان سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے۔ کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی اور مذہب کے اوپر عمل کرنے کے عدمِ جواز پر اجماع ہو گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید منع ہے۔

---

[1] تقلید شخصی وغیرہ کے مباحث میں یہ کتاب بہت ہی خوب اور قابلِ دید ہے۔ فریقِ مخالف نے بہت مدتوں کے بعد برسوں کی محنت میں (جو تقریباً سات آٹھ برس ہوتے ہیں) ایک جواب انتصار الحق شائع کیا۔ اہلِ حدیث کی طرف سے تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کے کئی جواب شائع ہوئے۔ اختیار الحق۔ البحر الزخار۔ یہ دونوں مفصل جواب ہیں۔ تلخیص الانظار براہین اثنا عشریہ دونوں مجمل ہیں۔ ہم نے نہیں سُنا کہ مؤلف انتصار یا ان کے کسی مددگار نے آج تک ان جوابوں کا جواب دیا ہے۔

[2] یہ اقوال علماء احناف کی فقہ کی کتابوں سے رسالہ تنویر الحق میں نقل کیے ہیں جس کا جواب معیار الحق ہے اور کچھ اقوال انتصار الحق میں بھی ذکر کیے ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ مقلدینِ امام ابو حنیفہ پر واجب ہے کہ انھیں کے قول پر عمل کریں۔ اُن کو امام صاحب کے سوا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کوئی کہنے لگا، جو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرے اگرچہ اجتہاد اور دلیل کی وجہ سے انتقال کرے تاہم موجب تعزیر ہے۔ تو اگر بلا اجتہاد اور بغیر دلیل انتقال کرے تب تو بدرجہ اولیٰ قابل تعزیر ہے۔ کوئی[1] لکھتا ہے، ہم حنفیوں کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ نہ فتوے دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے بجز امام[2] اعظم کے قول کے۔ اور بلا کسی ضرورت کے ان کے قول کو چھوڑ کر صاحبین وغیرہما کا قول نہ لیا جائے۔ اور کوئی صاف[3] صاف یہ بھی کہہ رہا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتوے واجب ہے اگرچہ نہ یہ معلوم ہو کہ کس دلیل سے انھوں نے کہا۔ کوئی[4] کہتا ہے علی الاطلاق فتویٰ امام صاحب کے قول پر دیا جاوے۔ اِن کے بعد امام صاحب کے قول پر۔ ان کے بعد امام محمد کے قول پر۔ ان کے بعد زفر کے قول پر۔ ان کے بعد حسن بن زیاد کے قول پر۔ اور بعض نے باہم اختلاف کی صورت میں قوت دلیل .. مبارز کیا۔

---

[1] یہ فتاویٰ خیریہ میں خیر الدین رملی استاذ مؤلف در مختار نے لکھا ہے اور شامی نے حاشیہ در مختار میں نقل کیا۔

[2] **لفظ امام اعظم کی تحقیق:**

مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم نے الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ میں لکھا ہے "ہم حنفیوں کی کتابوں میں امام اعظم سے مراد امام ابو حنیفہ ہوتے ہیں۔ انتہی۔ امام صاحب کو حنفی جو امام اعظم بولتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کا مدار زیادہ تر ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال پر ہے۔ مگر چونکہ امام صاحب ان دونوں کے استاذ ہیں اور یہ ان کے شاگرد ہیں اس وجہ سے وہ امام اعظم کہلائے۔ اور یہ دونوں ان کے مقابلہ میں صاحبین کہلاتے ہیں۔ اور چونکہ امام محمد صاحب امام ابو یوسف صاحب کے بھی شاگرد ہیں اس وجہ سے امام محمد کے مقابلہ میں وہ دونوں جو ان کے استاذ ہیں شیخین کہلاتے ہیں۔ غالباً یوں ہی یہ لقب شروع ہوا اور جب زائد مشہور ہو گیا تو بعض دوسری کتابوں میں بھی ذکر کیا جانے لگا۔ واللہ اعلم

[3] یہ صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے اور شامی نے بیان رسم المفتی میں نقل کیا۔

[4] در مختار میں اسی کو صحیح کہا ہے۔

فقہا کا قواعد افتا میں اختلاف :

کسی[1] نے فقہاء کا عمل درآمد یہ بتایا کہ جمیع مسائل ذوی الارحام میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور قضاء اور شہادات کے مسائل میں امام ابو یوسف کی رائے پر اور عبادات کے تمام مسائل میں امام صاحب کے قول پر۔ اور بھی کتنے مختلف قول کتب فقہ مثل رد المختار اور بحر الرائق اور الاشباہ والنظائر وغیرہ میں لکھے ہیں۔ فقہائے ان قولوں میں جو انھوں نے مقلد عالم کے لیے تجویز کیے ہیں جن کی پابندی اس کو فتوے دیتے وقت اور نیز سب کو ان فقہی مسائل پر عمل کرتے وقت لازم ہے عجیب اختلاف ہے۔ ردالمختار[2] میں ان کا حاصل بصورت تطبیق کے یوں بتایا ہے۔ جس مسئلہ میں ہمارے اصحاب (یعنی امام صاحب اور ان کے شاگرد) متفق ہوں تو قطعاً اس پر فتوے دیا جائے اور اگر باہم مختلف ہوں تو اگر مشائخ نے ان میں سے صرف ایک کی تصحیح کی ہے اور صیغہ افعل[ع] کے ساتھ کی ہے تو مفتی کو اختیار ہے جس پر چاہے فتوے دے۔ اور صیغہ افعل کے ساتھ نہیں ہے تو جس کی تصحیح کی اس پر فتویٰ ہونا چاہیے، اور اگر دونوں کی تصحیح کی ہے تو اگر احد الجانبین میں سے کسی ایک میں صیغہ افعل ہے تو بعض نے کہا، افعل والے پر فتوے ہونا چاہیے، اور بعض نے کہا کہ جانب ثانی پر۔ اور اگر صیغہ افعل نہیں ہے تو مفتی کو اختیار ہے۔ اور اگر کسی کی تصحیح نہیں ہے تو اگر مفتی اہلیتِ نظر اور لیاقت دلیل کے سمجھنے اور ترجیح دینے کی رکھتا ہے تو ان میں جونسا قول دلیل کے رو سے قوی ہو اس پر فتویٰ دے۔ اور اگر لیاقت ترجیح کی نہیں رکھتا تو ترتیب مذکور کے موافق فتویٰ دے۔ یعنی اوّل امام صاحب کے قول پر، پھر ابو یوسف کے الخ۔ فقہاء کے ان اقوال و قواعد پر نظر کرنے سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں

---

[1] دیکھو ردالمختار رسم المفتی۔

[2] دیکھو بیان رسم المفتی ص۵۵ جلد اول مقدمہ۔

[ع] یعنی بلفظ اصح۔

کہ پہلے زمانہ اور اصلی طریقہ کے رنگ سے پچھلے زمانہ کے خیالات کس قدر غیر ہو گئے۔ صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی کیسے کیسے دعوے اور کیسی کیسی باتیں کرنے لگے، جن کی شرح میں کوئی اصلیت نہیں اور حموناً عمل در آمد جو ہے وہ اس[1] سے بھی زائد۔

بینا بھی نابینا؟

ان قواعد کو (جو انھوں نے مفتی کے لیے تجویز کیے) دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو بھی جس کو اہلیت نظر و استدلال و ترجیح کی ہے درصورت اتفاق اصحاب مذہب (یعنے امام صاحب اور ان کے شاگرد) و نیز درصورت باہم خلاف برتقدیر تصحیح مشائخ اجازت نہیں ہے کہ اپنے علم و تحقیق سے کام لے یا دیکھے کہ دیگر پیشوایان امت محمدیہ اور مجتہدین کاملین اور ائمہ دین اور علم نبوئی کے حاملین کیا کہتے ہیں، بلکہ وہ آنکھ میچ کر وہی کہتا رہے جو کہہ دیا گیا۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے آنکھ کھول کر ذرا دیکھنے کی اجازت ہے تو صرف اسی صورت میں کہ اصحاب میں اختلاف ہو اور مشائخ نے اپنا اظہار رائے نہ کیا ہو۔ اور وہ بھی اس شرط سے کہ اسی احاطہ کے اندر رہے اور انھیں میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دے۔

ہدایاتِ ائمہ کی خلاف ورزی:

افسوس اصحابِ مذہب کا تو ارشاد ہے کہ بلا دلیل معلوم کیے ہمارے قول پر فتویٰ نہ دینا یا عمل نہ کرنا، اور یہاں اس کے بالکل خلاف ہدایت ہو رہی ہے اور ان کے صریح منشاء کے خلاف[2] محکمہ افتاء کا ضابطہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر ہم یہ باتیں

---

[1] حتیٰ کہ بعض صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم حدیث کو عمل کے لیے تھوڑی پڑھتے ہیں۔ برکت کے لیے پڑھتے ہیں۔ عمل تو ہم اسی پر کریں گے جو فقہاء نے کہا۔ اور حقیقت میں کرتے بھی ویسا ہی ہیں۔

[2] **کسی امام نے تقلید کا حکم نہیں دیا:**

چنانچہ ائمہ کا تقلید سے ممانعت کرنے کا بیان اوپر ہو چکا۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں ہم کو کسی امام سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ انھوں نے اپنے اصحاب کو مذہب معین کے التزام کا حکم دیا ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

خلاف واقع کہہ رہے ہیں اور فقہاء سب صورتوں میں نظر و استدلال کے قائل ہیں تو ہم اپنے اس اعتراض کو واپس لیتے ہیں مگر نہایت مشکل سے یہ بات فقہاء سے کوئی ثابت کر سکے تو کر سکے۔ تاہم اگر کسی سے قولاً ثابت ہو بھی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عملاً ایسا نہیں ہوا یا نہ ایسا ہو سکا۔ اور نہ اب ایسا ہوتا ہے جس کے وجوہ ہم انشاء اللہ آگے لکھیں گے اور اگر فرضاً عمل بھی ایسا ہوتا ہے تو پھر ہم کو کیا اعتراض ہے۔

طبقاتِ فقہاء:

فقہاء حنفیہ نے علماء کو سات طبقات پر تقسیم کیا جس کی تفصیل ان کے بیان[1] کے موافق یہ ہے طبقہ اولیٰ مجتہدین فی الشرع۔ جن کا کام ہے قائم کرنا اصول و قواعد کا اور بلا کسی کی تقلید کے نہ اصول میں نہ فروع میں استنباط کرنا احکام کا ادلہ اربعہ یعنی قرآن و حدیث واجماع و قیاس سے، اس طبقہ میں ائمہ اربعہ ہیں اور جس نے اُن کا سا کام کیا۔

طبقہ ثانیہ مجتہدین فی المذہب۔ جن کا کام ہے استخراج احکام کا ادلہ مذکورہ سے بمقتضی ان قواعد کے جو مجتہد فے الشرع نے قائم کر دیے۔ یہ لوگ گو بعض فروع میں اپنے مجتہد فے الشرع کا خلاف کرتے ہیں مگر اصول میں اُس کے مقلد ہوتے ہیں۔ اس طبقہ میں[2] امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ و دیگر شاگردانِ امام صاحب ہیں۔ جو اُصول میں تو اُن کے مقلد تھے مگر استخراج فروع کا ادلہ سے کرتے تھے۔

طبقہ ثالثہ مجتہدین فے المسائل۔ جن کا کام ہے ان مسائل کا استنباط کرنا جن میں امام سے کوئی تصریح ثابت نہیں ہوئی۔ انھیں امام کے اصول و قواعد کے موافق۔ یہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بلکہ ان سے یہی منقول ہے کہ انھوں نے لوگوں کو (بلا تعیین) بعض کو بعض کے فتویٰ پر عمل کرنے کے اوپر برقرار رکھا اور نہ کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں سے کسی کو التزام مذہب معین کا حکم دیا ہو۔ دیکھو میزان شعرانی صفحہ ۳۳ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر۔

[1] دیکھو رد المحتار حاشیہ در مختار صفحہ ۵ مطبوعہ مصر اور نافع کبیر وغیرہ میں بھی اس کا مفصل ذکر ہے۔

[2] یعنی حنفی مذہب میں۔

لوگ امام کی نہ اُصول میں مخالفت کر سکتے ہیں نہ فروع میں۔ صرف ایسے مسائل کو جو امام سے ثابت نہیں امام کے قواعد کے موافق اجتہاد کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں۔ خصّاف۔ طحاوی۔ کرخی۔ شمس الائمہ حلوانی۔ شمس الائمہ سرخسی۔ فخر الاسلام بزدوی۔ قاضی خاں وغیرہم ہیں۔

طبقۂ رابعہ اصحاب التخریج۔ جو اجتہاد تو کسی طرح کا نہیں کر سکتے۔ لیکن اصول کے ساتھ اچھی طرح واقفیت اور دلائل کے یاد ہونے کی وجہ سے کسی ایسے مجمل قول اور مبہم حکم کی جو امام صاحب یا ان کے کسی شاگرد سے منقول ہے اور کئی احتمال رکھتا ہے۔ اس کے امثال و نظائر پر قیاس کر کے اور اصول میں نظر کر کے تفصیل کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں رازی وغیرہ ہیں۔

طبقۂ خامسہ مقلدین اصحاب الترجیح۔ جن کا کام صرف یہ ہے کہ (اپنے اصحابِ مذہب سے جو مسائل کی بابت) روایات (ہیں اُن) میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دینا۔ مثلاً یہ کہہ دینا۔ ہٰذا اولیٰ۔ ہٰذا اصح۔ ہٰذا ارفق للناس (اس کے سوا یہ لوگ اور کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ اس طبقہ میں قدوری اور مصنّف ہدایہ وغیرہما ہیں۔

طبقۂ سادسہ مقلدین قادرین علی التمییز۔ جو صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ (اپنے اصحاب مذہب کی جو روایات ہیں اُن میں سے) اقویٰ اور قوی اور ضعیف اور ظاہر روایت اور نادرہ کو تمیز کر کے اقوال مردودہ اور (مذہب کی) روایاتِ ضعیفہ کو نقل نہیں کرتے۔ اس طبقہ میں متاخرین اصحاب متون مثل صاحب کنز اور صاحب درمختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع ہیں۔

طبقہ سابعہ وہ مقلدین جو اُس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور دبلی موٹی میں کچھ تمیز نہیں کر سکتے انتہیٰ۔

عمل بالحدیث کی راہ میں متاخرین فقہاء کی رُکاوٹیں:

فقہاء نے جس طرز سے ان طبقات کو بیان کیا اور اس کا لوگوں پر اعلان کیا، اس

نے لوگوں کی اور بھی ہمتیں توڑ دیں۔ وہ بیچارے اگر کچھ تحقیق و عمل بالحدیث یا کتاب و سنت سے استخراج مسائل کا ارادہ کرتے بھی تو ان کے ارادوں کو پست کر دیا کہ جب ایسے بڑے بڑے علماء جو کہ امام و شمس الائمہ اور فخر الاسلام کہلائے جاتے ہیں اور ایسے بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے لوگ عالم ہو جاتے ہیں اور جن کا سمجھنا بجائے خود ایک کمال ہے چھٹے و پانچویں و چوتھے طبقے میں پڑے ہوئے ہیں جو بیچارے بجز نقل کے کچھ دم مارنے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان سے اعلیٰ طبقے والے بھی امام کا اصول و فروع میں کسی طرح کا خلاف نہیں کر سکتے تو پھر اور کسی کا کیا منہ جو دم مارے یا کچھ ہمت کرے۔ پس وہ ڈر کر بیٹھ رہے اور بجز اس کے اور کچھ نہ کر سکے تا کہ آنکھ میچ کر تقلید کیے چلے جائیں۔

طبقات میں بھی غلطی:

حالانکہ یہ تقسیم و تفصیل طبقات کی خود تقلید کے احاطہ کے اندر بیٹھ کر کی گئی اور تقلید کا پورا سایہ پڑنے کے بعد اور انھیں کی بابت جو تقلیدی ٹھیر چکے۔ اور تقلیدی خیال کے موافق۔ اور اسی وجہ سے ان علماء کے جو منازل بنائے گئے اس میں سخت غلطی کی گئی۔ اور ان کو اُن کے مرتبے سے گھٹا کر دکھایا گیا۔ جس کی شرح کی ہم یہاں گنجائش نہیں[1] پاتے

---

[1] لیکن ہم صرف علامہ بہاء الدین مرجانی حنفی کا قول ملخصاً نقل کرتے ہیں جس کو مولنا عبدالحی صاحب مرحوم نے نافع کبیر میں ذکر کیا۔ اس سے ہمارے اِس دعوے کی سچائی کا کسی قدر تم کو ظہور ہو جائے گا وہ لکھتے ہیں: "کاش ہم سمجھتے اِس کے کیا معنے ہیں کہ ابو یوسف و محمد و زفر نے بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ کا خلاف کیا لیکن وہ اصول میں اِن کے مقلد ہیں۔ اصول سے مراد اگر وہ احکام اجمالیہ ہیں جن سے کتب اصول میں بحث ہوتی ہے تو وہ تو عقلی قواعد ہیں اُن کو جو صاحب عقل و نظر ہے سمجھتا ہے خواہ مجتہد ہو یا غیر مجتہد، اور ان کو اجتہاد سے کچھ تعلق نہیں۔ اور اِن تینوں اماموں کی شان اس سے بہت زاید ہے کہ وہ اُن قواعد کو نہ سمجھتے ہوں جیسا کہ تقلید کے حکم سے لازم آتا ہے اور ایسا ان اماموں کی شان میں کتنا بڑی گستاخی ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ اصول و قواعد ہیں جن میں اُنھوں نے (ص)

مگر جو ہم اس جگہ دکھانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان فقہاء کے خیالات جنھوں نے یہ طبقات مرتب کیے اور وہ جو اس پر یقین رکھتے ہیں، پہلے زمانہ کے طرزِ عمل سے کس قدر غیر ہو گئے اور یہ لوگ اہل علم کو کس طرح دائرۂ تقلید میں محصور رکھنا چاہتے ہیں اور محصور کرتے ہیں۔

ختمِ اجتہاد کا دعوٰی بلا دلیل!

اور طرہ اس پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی دعوٰی کر دیا گیا کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ پر اور اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی پر ختم ہو گیا۔ مولانا عبدالعلی بحر العلوم کیا خوب

---

(۲) امام ابوحنیفہ کا خلاف کیا (پھر اصول میں تقلید کیسی)۔ اور غزالی نے تو یہاں تک کہا کہ ابو یوسف و محمد امام ابوحنیفہ کے دو تہائی مذہب میں خلاف ہیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے استاذ کی حسن تعظیم و کمال بزرگی کرنے اور ان کے حق کی رعایت کرنے کی وجہ سے انھیں کی شان بلند کرنے میں سرگرم رہے اور ان کی طرف سے مدد کرتے رہے اور انھیں کے اقوال کو لوگوں کے سامنے نقل کرتے اور اُن سے حجت پکڑتے اور ان کی طرح طرح سے خدمت کرتے رہے۔ اس وجہ سے ائمہ ثلاثہ اور سفیان وغیرہ کی طرح علیحدہ امام نہ مشہور ہوئے نہ یہ کہ وہ اجتہاد مطلق فی الشرع کے مرتبہ کو نہ پہنچے تھے۔ اگر وہ اپنے اقوال کے پھیلانے کی کوشش کرتے تو ان کا مذہب امام ابوحنیفہ صاحب کے مذہب سے علیحدہ قائم ہو جاتا اور اگر اصول سے مراد ادلہ اربعہ ہیں تو ادلہ اربعہ کے ساتھ سب ہی استناد کرتے ہیں (اس میں تقلید کے کیا معنی)۔ پھر جو خصاف و طحاوی و کرخی کی رب کہا کہ "وہ امام ابوحنیفہ کی مخالفت نہ اصول میں کر سکتے ہیں نہ فروع میں"۔ یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں، اس لیے کہ ان لوگوں نے امام صاحب کا جس قدر مسائل میں خلاف کیا وہ گنتی سے باہر ہیں اور ان کے اصول و فروع دونوں میں (امام سے علیحدہ کتنے مسائل ہیں) اپنے مختار ہیں اور ان کے اقوال ہیں جو قیاس وغیرہ سے استنباط کیے اور ان کے استدلالات ہیں عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ۔ چنانچہ کتب فقہ و خلافیات سے واقف پر مخفی نہیں (پھر خلاف نہ کر سکنے کے کیا معنی)۔ پھر جو رازی کو ایسی جماعت میں داخل کیا جو بالکل اجتہاد نہیں کر سکتے یہ بھی اُن کے حق میں بڑا ہی ظلم کیا اور ان کے شان کی بڑی منقصت کی۔ پھر علامہ مرجانی نے رازی کی بہت کچھ تعریف کرنے کے بعد قدوری و صاحب ہدایہ کے اصحاب ترجیح میں داخل کرنے پر بھی اعتراض کیا اور ظاہر کیا کہ ان کا مرتبہ اس سے عالی ہے۔

فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ شرح تحریر[1] الاصول میں لکھتے ہیں:

"بعض متعصبین نے کہا کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ پر ختم ہوگیا۔ اُن کے بعد کوئی مجتہد مطلق نہیں پایا گیا۔ اور اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی صاحب کنز پر تمام ہوگیا، ان کے بعد کوئی مجتہد فی المذہب نہیں پایا گیا۔ حالانکہ یہ بات غلط اور رجم بالغیب ہے۔ اگر کوئی ان سے اس کی دلیل پوچھے کہ تمھیں کیوں کر معلوم ہوا تو کچھ دلیل نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ یہ بات کہنا اللہ کی قدرت پر بلا دلیل حکم لگانا ہے۔ یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی کو فضیلت اجتہاد کی نہیں عنایت فرمانے کا۔ پس چاہیے کہ ایسے تعصبات سے پرہیز کیا جائے"۔

اور شرح مسلم[2] الثبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بعض لوگوں نے علامہ نسفی کے بعد زمانہ کا مجتہد فی المذہب سے خالی ہونے کا حکم لگا دیا اور اجتہادِ مطلق کی بابت کہہ دیا کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو

---

[1] عبارت یہ ہے: اعلم ان بعض المتعصبین قالوا اختتم الاجتہاد المطلق علی الائمۃ الاربعۃ ولم یوجد مجتہد مطلق بعدھم والاجتہاد فی المذہب اختتم علی العلامۃ النسفی صاحب الکنز ولم یوجد مجتہد فی المذہب وھٰذا اختلاف ورجم بالغیب فان سئل من این علمتم ھٰذا لا یقدرون علی ابداء دلیل اصلا ثم ھو تحکم علی قدرۃ اللہ تعالٰی فمن این یحصل علم ان لا یوجد الی یوم القیامۃ احد یتفضل اللہ علیہ بمقام الاجتہاد فاجتنب عن مثل ھٰذہ التعصبات۔ اس کے متعلق کچھ تحقیق آگے بھی آتی ہے۔

[2] عبارت یہ ہے: من الناس من حکم بوجوب خلو الزمان عن المجتہد بعد العلامۃ النسفی وعنوا به الاجتہاد فی المذہب واما الاجتہاد المطلق فقالوا انه اختتم بالائمۃ الاربعۃ حتی اوجبوا تقلید واحد من ھؤلاء علی الامۃ وھٰذا کلہ ھوس من ھوساتھم لم یاتوا بدلیل ولا یعبأ بکلامھم وانما ھم من الذین حکم الحدیث علیھم انھم افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا ولم یفھموا ان ھٰذا اخبار بالغیب فی خمس لا یعلمھن الا اللہ۔

گیا حتیٰ کہ انھیں میں سے کسی ایک کی تقلید امت پر واجب ٹھہرا دی۔ یہ سب اپنی من مانی باتیں ہیں جن پر وہ کوئی دلیل قائم نہ کر سکے اور ذریع تو یہ ہے کہ) ان لوگوں کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ لوگ انھیں میں سے ہیں جن کی بابت حدیث میں وارد ہے کہ فتویٰ دیا بغیر علم کے۔ پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔"

الحاصل مذہب تقلید ہی یہ سب کچھ کھلا رہا ہے۔

مذاہب اربعہ میں انحصارِ حق کے "دلائل"؟

جہاں مقلدین نے یہ تمام دعوے کیے اور مذاہب اربعہ میں انحصار اور تقلید شخصی کے وجوب کے قائل ہوئے ضرور تھا کہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ دلائل بھی قائم کرتے گو وہ دلائل ایسے نہ ہوں کہ مناظرے کے وقت کام آ سکیں۔ اور نہ ایسے ہو سکتے ہیں مگر کم سے کم اتنے تو ہوں کہ اپنا دل خوش ہو جائے اور اپنے معتقدین کے عقاید مستحکم ہو جائیں تو کسی[1] نے منشاء مذاہب اربعہ میں انحصار کا اجماع مرکب قرار دیا۔ لیکن جب اُس کی تقریر ہوئی اور دلیل کو مدعا پر منطبق کرنا چاہا تو تسلیم کرنا پڑا کہ دلیل مناقشہ سے خالی نہیں اور اُس کی توجیہ میں باوجودیکہ اپنی تمام کوشش و طاقت صرف کر دی مگر خود بھی جانتے رہے کہ کچھ بات بنتی نہیں۔ آخر یہی کہتے بنی کہ انصاف[2] یہ ہے کہ مذہب اربعہ

---

[1] دیکھو نور الانوار صفحہ ۲۲۳۔ مطبوعہ انوار محمدی پریس۔

[2] دیکھو تفسیر احمدی۔ آیت ثالث از سورۂ انبیاء (صفحہ ۵۲۷ طبع کریمی بمبئی) مگر اس کے فضل الٰہی (مقبول من اللہ ہونے کے لیے بھی تو دلیل کی ضرورت ہے۔ بلا دلیل کے دعویٰ کیوں کر مخالف تسلیم کر سکتا ہے۔ اور اگر محض کسی طریقہ کا چل نکلنا ہی اُس کی مقبولیت کی دلیل ہے تو ان تمام مذاہب باطلہ کے لیے جو اسلام سے بھی پہلے بہت مدت سے چلے آتے ہیں۔ اور جن کے افراد مردم شماری کی رو سے مسلمانوں سے بہت زائد ہیں اور نیز ان مبتدعین کے لیے جن کی بدعات عالم میں پھیلی ہوئی ہیں یہ بہت اچھی دلیل ہے۔

انحصار فضل الٰہی ہے۔ اس میں توجیہات و دلائل کو دخل نہیں۔
کسی نے اُس کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ مذہب اربعہ کے سوا اور مذاہب کی روایت موجود نہیں۔
کسی نے یہ کہہ دیا کہ ائمہ اربعہ کے سوا اور کسی نے تبویب و تفصیل مسائل نہیں کی۔
ان سب کا جواب تم پہلے ہی سُن چکے ہو۔ وجوب تقلید شخصی کی بعض نے یہ وجہ تجویز کی۔ چونکہ ہم لوگوں کو مرتبہ اجتہاد حاصل نہیں یا حاصل نہیں ہو سکتا لہٰذا کسی کی تقلید کیے بغیر چارہ نہیں۔ پس اگر بلا تعیین تقلید کریں تو ممکن ہے کہ ہم سے ایسے اعمال صادر ہوں جو بالاتفاق ممنوع و ناجائز ہوں۔ مثلاً وضو ایسا کیا جو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح نہیں ہوا۔ گو امام ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح ہو گیا اور پھر اُس سے نماز ایسی پڑھی جو امام ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک صحیح نہیں گو امام شافعی صاحب کے نزدیک صحیح ہو گئی، تو وہ نماز بالاتفاق ناجائز اور غیر صحیح ہو گی۔ امام ابو حنیفہ صاحب کے نزدیک تو صحیح ہوئی ہی نہ تھی، امام شافعی صاحب کے نزدیک اس لیے صحیح نہ ہوئی کہ وضو جو نماز کے لیے شرط تھا وہی صحیح نہ ہوا تھا۔ پس ضرور ہوا کہ ایک ہی کی جملہ مسائل میں پابندی اختیار کی جاوے۔
کسی نے تقلید کی ضرورت کے بعد شخصی کے ضروری ہونے کی یہ وجہ قائم کی کہ اگر بلا تعیین تقلید کی اجازت دیں تو لوگ مطلق العنان ہو جائیں گے۔ ہر مذاہب سے جو جو آسان آسان باتیں ہوں گی ان کو اختیار کر لیں گے۔
کسی نے یہ کہا کہ اگر پابندی نہ ہو تو حلال و حرام کی قید اُٹھ جاوے گی۔ ایک شخص جو ایک ایسا فعل کر رہا ہے جس کو امام ابو حنیفہ نے منع فرمایا ہے اور امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے۔ اگر ہم بموافقت امام ابو حنیفہ صاحب اس کو اس فعل سے منع کریں تو وہ کہہ دے گا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو جائز ہے۔ پھر ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں۔
کسی نے یہ وجہ پیدا کی کہ اگر پابندی لازم نہ ٹھیرائی جائے تو ایک ہی چیز ایک وقت

میں ایک شخص کے لیے حلال ہوگی اور دوسرے وقت میں وہی چیز اس کے لیے حرام ہوگی۔ جس بھی وقت اس امام کے قول کو لے گا جو اُس کو حلال کہتا ہے تو وہ اُس کے لیے حلال ہوگی، اور جب اس امام کے قول کو لے گا جو اُس کو حرام کہتا ہے تو اُس وقت اُس کے لیے حرام ہوگی۔

اسی قسم کے اور بھی کئی وجوہ ہیں جن کو اہل تقلید اپنے طرزِ عمل کے صحیح رکھنے کے واسطے پیش کرتے ہیں جو نکات بعد الوقوع سے کسی طرح زیادہ وقعت نہیں رکھتیں جن میں سے بعض بعض ہم آگے بھی لکھیں گے۔

"دلائل" مزعومہ کے جوابات :

اس قسم کے دلائل پر تفصیلی اور بہت کافی بحث علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ شوکانی نے القول المفید میں اور شیخ صالح فلانی استاذ شیخ محمد عابد سندھی نے ایقاظ ہمم اولی الابصار میں اور شیخ الکل مدظلہ[1] العالی نے معیار الحق میں اور کتنے ہمارے ہمعصر محققین نے اپنی اپنی مؤلفات میں کی ہے۔ لہٰذا ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ اس بحث کو زیادہ طول دے کر اپنے رسالہ کو بہت طول دیں۔ تاہم کچھ تھوڑا سا عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سارے وجوہ جو ذکر کیے گئے اس بات پر مبنی ہیں کہ تقلید کی ضرورت ہے اور درصورت تقلید کے تقلید بلاتعیین پر ان سارے مفاسد کا مرتب ہونا بیان کیا گیا ہے اور تقلید کی ضرورت اجتہاد کے مفقود ہونے پر بتائی گئی ہے۔ تو اول تو اجتہاد کا مفقود ہونا مسلم نہیں۔ دوسرے یہ بھی ضروری نہیں کہ جو رُتبہ اجتہاد کا نہ رکھتا ہو وہ تقلید ہی کرے۔ چنانچہ ہم ان دونوں باتوں کو بالتفصیل معہ دلائل کے ان شاء اللہ العزیز آگے لکھیں گے۔ جب عموماً تقلید کا ضروری ہونا ثابت نہ ہوا تو یہ سارے مفاسد جو اسی پر مبنی تھے گاؤ خورد ہو گئے۔

---

[1] زندگی کا واقعہ ہے۔ مصحح (طبع امرتسر)

دوسرا جواب ان سب وجوہ کا یہ ہے کہ قرون ثلاثہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر چار سو برس تک جبکہ تقلید شخصی پر عملدرآمد نہ تھا ان سارے مفاسد کے تدارک کی کیا صورت تھی۔ یہ سارے نقصانات جو درصورت عدم تقلید شخصی دکھلائے گئے کوئی ان میں کا ایسا نہیں ہے جو اس وقت پایا جا سکے اور اُس وقت نہ پایا جا سکتا ہو۔ پس جو صورت ان کے تدارک کی اس وقت تھی وہی اب بھی ہوگی۔ اور اگر اس وقت ان کے تدارک کی کوئی ضرورت نہ تھی تو اب[1] بھی نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ان اعتراضات میں سے ہم پر حقیقت میں کوئی بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہم تو عمل بالحدیث کے قائل ہیں نہ تقلید کے۔ اور یہ اعتراضات اگر پڑ سکتے ہیں تو اسی پر پڑتے ہیں جو تقلید کا قائل ہو اور پھر بلا تعیین مذہب کے عملدرآمد کرے۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ وہی کام کرنا اور ہونا چاہیے جو قرآن و حدیث کے موافق یا قرآن و حدیث کی رو سے راجح ثابت ہو۔ پھر خواہ وہ کسی امام کے قول کے مطابق پڑے یا مخالف، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں اور نہ اس سے غرض کہ فلاں امام کے نزدیک یہ عمل صحیح ہُوا یا نہیں یا دو مختلف الرائے اماموں میں سے ایک کے نزدیک یا دونوں کے نزدیک درست ٹھیرا یا نہیں اور ہم کو مطلق العنان ہونے اور آسان آسان باتوں کی تلاش یا حلال و حرام کی قید اُٹھ جانے یا ایک وقت میں ایک شے کے حلال ہونے اور دوسرے وقت میں حرام ہونے سے کیا تعلق ہم کو تو جو قرآن و حدیث سے راجح ثابت ہو گیا وہی ہمارا مذہب ہے۔ مشکل ہو یا آسان۔ اور جب تک کسی دوسری دلیل سے

---

[1] چونکہ ان وجوہ کو زمانہ کے اچھے بُرے ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ ساری خرابیاں جو درصورت تقلید بلا تعیین دکھائی گئیں جیسا کہ ایک بدتر زمانہ میں لازم آ سکتی ہیں۔ ایک بہتر زمانہ میں بھی ویسے ہی لازم آ سکتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے پس یہ کہنا کوئی موقع نہیں رکھتا کہ وہ زمانہ خیریت کا تھا اور یہ زمانہ فساد کا ہے لہذا اِس زمانہ کو اُس زمانہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ اور مشکل سے وجہ دوم کا اگر کوئی تعلق زمانہ بد کے ساتھ تسلیم کیا جائے تو اس کے اور جواب جو مذکور ہوتے وہی کافی ہیں۔

اس کا خلاف ہم کو ثابت نہ ہو جائے وہ کسی طرح نہیں بدل سکتا۔ پس ان سارے مفاسد کو ہمارے مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ وجہ اول میں جو درصورت تقلید بلا تعیین کے بعض بعض مجموعہ عمل کا بالاتفاق ناجائز ہونا دکھایا گیا وہ دو وجہ سے صحیح نہیں۔ اول تو اہل اصول (جو ان اہلِ تقلید کے مقتدا و مستند ہیں) اس قسم کے عمل کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ محب اللہ بہاری مسلم الثبوت میں اور علامہ بحر العلوم اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہر مذہب[1] سے لینے کے جواز کی صورت پر جو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہمیں اجماعی خلاف کے اندر واقع ہو جانے کا احتمال ہے۔ اس واسطے کہ بعض وقت مجموعہ عمل ایسا ہو گا جس کا کوئی بھی قائل نہ ہو، تو وہ بالاجماع باطل ہو گا۔ مثلاً کسی نے نکاح کیا بلا مہر کے بموافقت امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے اور بلا گواہوں کے باتباع امام مالک کے اور بلا ولی کے بتقلید امام ابو حنیفہ کے، تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو بہ سبب گواہ نہ ہونے کے اور اوروں کے نزدیک بہ سبب ولی نہ ہونے کے۔ تو اس اعتراض کا جواب ہم یہ دیں گے کہ (بالاجماع اس عمل کو باطل کہنا) یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ مسئلہ

---

[1] عبارت یہ ہے: وما اورد انہ علی تقدیر جواز الاخذ بکل مذہب احتمال وقوع الخلاف المجمع علیہا ذربما یکون المجموع الذی یعمل بما لم یقل بہ احد فیکون باطلا اجماعا کمن تزوج بلا صداق للاتباع بقول الامامین ابی حنیفۃ والشافعی ولا شہود ابتداً بقول الامام مالک و لا ولی علی قول امامنا ابی حنیفۃ فھذا النکاح باطل اتفاقا۔ اما عندنا فلانتفاء الشہود اما عند غیرنا فلانتفاء الولی فاقول مندفع بعدم اتحاد المسئلۃ وقد مران الاجماع علی بطلان القول الثالث انما یکون اذا اتحدت المسئلۃ ولانہ لو تم لزم استفتاء مفت بعینہ واکہ لاحتمل الوقوع۔ (مسلم الثبوت مع شرح ص ۶۲۹)

ایک نہیں۔ اور بطلان تو اتحاد مسئلہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اس واسطے کہ اگر یہ صحیح ہو تو لازم ٹھیرے گا کہ ایک ہی مفتی سے فتویٰ پوچھا جایا کرے۔ ورنہ اس قسم کے خلاف میں واقع ہو جانے کا احتمال رہے گا، حالانکہ التزام ایک مفتی کا بالاجماع باطل ہے ۔[۱]

دیکھو تقلید بلا تعیین کے فساد ظاہر کرنے کے لیے جو اس وجہ کو پیش کیا جاتا ہے، اہل اصول اس کو کس طرح رد کرتے ہیں۔ اول تو اتحاد مسئلہ نہ ہونے کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی مشکل سے اتحاد مسئلہ کی صورت پیدا کرے تو دوسرا جواب ایسا دیتے ہیں جو سب صورتوں کو شامل ہے۔ یعنے یہ کہ اس قسم کے بطلان کا اگر خیال کیا جائے خواہ اتحاد مسئلہ کی صورت ہو یا ترکیب کی تو لازم ٹھیرے گا کہ ہمیشہ ایک ہی مفتی سے سوال کیا جائے حالانکہ یہ التزام بالاجماع باطل ہے اور مستلزم باطل کا باطل ہوتا ہے۔ پس اس قسم سے بطلان کا خیال باطل ٹھیرا۔ لہٰذا یہ وجہ کسی طرح سے قابل التفات نہیں۔

وجہ دوسری ایسے عمل کو بالاتفاق ناجائز کہنے کے نہ صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اہل اصول یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ایک امام کے مقلد کا عمل دوسرے امام کے نزدیک چاہے وہ اُس کے خلاف ہی ہو باطل نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ اکمل تقریر میں اور سید پاشا شرح تحریر میں تحریر فرماتے ہیں۔ پس نماز مذکور کسی کے نزدیک غیر صحیح نہیں اور نہ وہ وضو کسی کے نزدیک غیر صحیح ہے۔ اور وجہ دوم میں جو آسان آسان باتوں کا اختیار کر لینا بُرا بتایا گیا یہ بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ بحر العلوم شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

ہم[۲] نے جو ذکر کیا کہ ایک مذہب پر جما رہنا واجب نہیں اس سے

---

[۱] عبارت یہ ہے: فان مالکا مثلا و لم یقل ان من قلد الشافعی فی عدم الصداق ان نکاحہ باطل ولم یقل الشافعی من قلد مالکا فی عدم الشہود ان نکاحہ باطل۔

[۲] عبارت یہ ہے: ویتخرج منہ ای مما ذکر انہ لا یجب الاستمرار علی مذہب جواز اتباع رخص المذاہب قال فی فتح القدیر لعل المانعین للانتقال انما منعوا لئلا یتتبع احد رخص المذاہب قال ھو حجر رحمۃ اللہ ولا یمنع منہ مانع شرعی اذ للانسان ان یسلک الاخف علیہ ای اذا کان لہ الیہ سبیل۔

یہ بھی نکلتا ہے کہ مذہبوں میں سے آسان آسان باتیں لے لینا جائز ہے۔

فتح القدیر[1] میں لکھتے ہیں:

"غالباً جو لوگ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کرنے کو منع کرتے ہیں تو وہ اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ کوئی آسان آسان باتیں مذہبوں کی نہ ڈھونڈے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تنگ کرنا ہے اور کوئی مانع شرعی اس سے منع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ انسان کو اختیار ہے کہ گنجائش ہو تو جو آسان تر بات ہو اُس کو اختیار کرے الخ۔"

اور جب ایسا ہے تو جو شخص ایک کام تبقلید امام شافعی کر رہا ہے کوئی وجہ نہیں کہ تبقلید امام ابو حنیفہ اُس کو اُس سے روکا جائے۔ پس وجہ سوم بھی بے معنے ہے۔ اور وجہ چہارم میں جو ایک چیز کا ایک شخص کے لیے مختلف وقتوں میں حلال و حرام ہونا ممنوع سمجھا گیا، اُس کو بھی فقہاء غیر صحیح کہتے ہیں۔ بلکہ خود امام اعظم صاحب اور ان کے دونوں شاگرد اس قسم کے تغیر کی اجازت دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری[2] میں ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ:

"ایک شخص جو خود فقیہ نہیں ایک عورت کے بارے میں اُس کو کوئی واقعہ پیش آیا۔ اُس نے کسی فقیہہ سے اُس کا مسئلہ دریافت کیا۔ فقیہہ نے اُس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم دیا۔ اُس نے اُس فتویٰ پر عمل کرنے کا عزم کیا اور عمل بھی کر لیا۔ پھر اُس کو یہی واقعہ کسی دوسری عورت کے ساتھ پیش آیا اور اُس نے

---

[1] ہدایہ کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی بڑی معتبر کتاب ہے۔

[2] عبارت یہ ہے: عن محمدؒ فی رجل لیس بفقیہ ابتلی بنازلۃ فی المرأۃ فسال عنہا فقیہا فافتاہ بامر من تحریم او تحلیل فعزم علیہ وامضاہ ثم افتاہ ذالک الفقیہ بعینہ او غیرہ من الفقہاء فی امرأۃ اخری لہ فی عین تلک النازلۃ بخلاف ذالک فاخذ بہ وعزم علیہ وسعہ الامر ان جمیعًا قال محمد ہذا کلہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف وقولنا۔

اُسی فقیہ یا کسی دوسرے فقیہ سے دریافت کیا اور اُس نے پہلے کے خلاف فتویٰ دیا (یعنے اُس نے حلت کا فتویٰ دیا تھا تو اُس نے حرمت کا دیا۔ یا بالعکس) اور اُس نے اُس حکم کو لیا اور اس پر عزم کیا تو اب اُس شخص کو گنجائش ہے جس حکم پر چاہے عمل کرے الخ

امام محمد کہتے ہیں "یہ قول (امام) ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا اور ہمارا ہے۔"

دیکھو ائمہ ثلاثہ اجازت دیتے ہیں تو ایک ہی مسئلہ میں جو پہلے اُس کے لیے حرام ٹھہر چکا ہے اب اس کے لیے حلال ہے (برعکس۔ پس چوتھی وجہ بھی صحیح نہ رہی لہٰذا یہ سارے دلائل جو ضرورت تقلید شخصی کے ذکر کیے گئے ہیں کوئی اُن میں کا اپنا مطلوب ثابت نہ کر سکا۔

پانچواں جواب۔ یہ سارے وجوہ ایسے شخص کے حق میں کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتے جو تقلید شخصی تو نہیں کرتا مگر وہ ایک مسئلہ میں جو عمل کرتا ہے اُس کے تمام ارکان و شرائط کو ایک ہی امام کے رائے کے موافق کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے مسئلہ میں بجمیع ارکان و شرائط دوسرے امام کی رائے کے موافق ایسا نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کا بعض حصہ ایک کی رائے کے موافق کرے اور بعض دوسرا حصہ کسی دوسرے کی رائے کے موافق کرے کہ جس سے بالاتفاق بطلان کا مظنہ ہو۔ اور وہ شخص مذاہب کی آسان آسان باتوں کو بھی نہیں ڈھونڈتا اور ایسا بھی نہیں کرتا کہ ایک ہی مسئلہ کو ایک وقت میں ایک امام کی رائے پر عمل کرنے اور دوسرے وقت میں دوسرے امام کی رائے پر عمل کرنے لگے۔ بلکہ جس مسئلہ میں جس امام کی رائے پر چلتا ہے پھر اُسی پر قائم رہتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایسے شخص کو جبکہ وہ ایک امام کے قول پر عمل کر رہا ہے اہلِ تقلید کے اصول کے موافق کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے امام کا مقلد اس کو اس سے روکے۔ پس یہ سارے وجوہ جو تقلید شخصی نہ کریں گے فساد پر قائم کیے گئے ایسے شخص کے سامنے کیا کام آ سکتے ہیں۔ حالانکہ ضرورت تقلید شخصی کا دعویٰ عام تھا۔ تو دعویٰ تو عام ہوا اور دلائل خاص۔ ایسے دلائل بھی کس کام کے۔ بہرحال کوئی دیدہ ور منصف مزاج تھوڑے سے غور

کے بعد اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سارے وجوہ وجوب تقلید شخصی کے لیے بیان کیے گئے، کوئی بھی لائق التفات نہیں۔

کیا ائمہ حدیث اور علمائے سلف مقلد تھے؟

بعض بیچارے جب اُن سے کچھ نہیں بنتی تو تقلید سے تقلید کو ثابت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے کتنے مشاہیر علماء کے نام لکھ کر اخیر میں لکھ دیا۔ دیکھو یہ سب لوگ مقلد تھے۔ کوئی حنفی ہے، کوئی شافعی ہے، کوئی مالکی کوئی حنبلی۔ اگر مذہب تقلید حق نہ ہوتا تو اتنے بڑے بڑے علماء کیوں مقلد ہوتے۔ حالانکہ دراصل ان تمام مشہور اور مستند علماء میں سے (جیسا کہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں) کوئی بھی مقلد نہ تھا۔ مگر بات یہ ہے کہ جب مذہب تقلید عام طور پر پھیل گیا اور وہی سلطنت کا مذہب ٹھہرا اور عالم میں یہی چار مشہور مذہب شہرت کے ساتھ عام لوگوں کی نظروں میں باقی رہ گئے۔ تو اب عموماً ہر کوئی انھیں چار میں سے کسی نہ کسی کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گو وہ ان میں سے کسی کا بھی مقلد نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہلحدیث بھی کثرت موافقت کی وجہ سے کبھی کسی مذہب کی طرف نسبت کر دیے جاتے تھے۔ جیسے نسائی اور بیہقی کہ شافعی کی طرف نسبت کیے جاتے تھے ـــ اور بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کو پچھلے لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ خود اُن کو تقلید سے انکار ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی النافع[1] الکبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "ابوبکر قفال اور ابو علی اور قاضی حسین سے جو کہ شافعیہ میں سے گنے جاتے ہیں منقول ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے اُن کی رائے سے موافق پڑ گئی۔"

---

[1] عبارت یہ ہے: وقد نقل عن ابی بکر القفال و ابی علی و القاضی حسین من الشافعیۃ انہم قالوا لسنا مقلدین للشافعی بل وافق رأینا رأیہ و ھو الظاھر من حال الامام ابی جعفر الطحاوی فی اخذہ بمذھب ابی حنیفۃ۔

مولانا عبدالحی صاحب کی رائے بابت امام طحاوی کے بھی یہی ہے کہ وہ مقلد امام ابوحنیفہ صاحب کے نہیں جیسا کہ انھوں نے اسی عبارت کے بعد لکھا ہے۔ مولانا مرحوم کا ایک قول اور ان تمام زمانوں میں برابر ایسے علماء کے ہونے کی بابت جو گو ظاہر میں مقلد تھے مگر اصل میں وہ مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد تھے۔ آگے انشاء اللہ آئے گا۔ علامہ ابن عقیل فرماتے ہیں:

"گو حنبلی مذہب کو اُن کے اصحاب نے مشہور نہ ہونے دیا اس لیے کہ اصحاب ابوحنیفہ اور شافعی میں سے جو علم میں فائق ہوا کہیں کی قضا یا اور کسی حکومت پر مقرر ہو گیا۔ اس حکومت کی وجہ سے اُس کے علم کا شغل جاری رہا، بخلاف اصحاب احمد کے کہ اُن میں سے جس نے علم میں سے تھوڑا بھی تعلق پیدا کیا زہد و عبادت اس پر غالب ہو گئی پس وہ علمی مشاغل سے الگ ہو رہے اُس کے علاوہ اُن کے اصحاب نے زیادہ تر اجتہاد و ترجیح اور اتباع دلیل کا طریقہ اختیار کیا جس کو جو دلیل ملی اُس پر عمل کرنے لگا اور کہنے لگا (ہمارے اوپر واجب ہے[1]

---

[1] یہاں پر کی عبارت یہ ہے: الواجب اتباع الدلیل لا اتباع احمد۔ (التاج المکلل صفحہ ۱۲۵۔ مطبوعہ بھوپال)۔

تاج مکلل میں ابن عقیل کے یہ اقوال حافظ سلفی کی کتاب سے نقل کیے ہیں۔ اسی طرح آگے جو ہم نے مضامین تاج مکلل سے لیے ہیں وہ بھی اصل میں انھیں مستند و معتمد کتابوں مثل البدایہ والنہایہ لابن کثیر۔ وفیات الاعیان لابن خلکان۔ فوات الوفیات للصلاح الکتبی۔ ریحانۃ الالباء للخفاجی۔ طبقات کبریٰ للشعرانی۔ طبقات ابن رجب حنبلی۔ الضوء اللامع للسخاوی۔ مسالک الابصار لابن فضل اللہ العمری۔ الوافی للصلاح الصفدی۔ نفح الطیب للمقری۔ طبقات الحفاظ للذہبی۔ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض للخفاجی۔ قلائد العقیان للفتح بن خاقان۔ البدر الطالع للعلامۃ الشوکانی الیمانی۔ تاریخ ابن الجوزی۔ تاریخ ابن النجار۔ کتاب ابن الزملکانی۔ کتاب البرزالی۔ کتاب ابن عطاء اللہ

(ع)

اتباع دلیل کی ہے نہ اتباع احمد کی۔

علامہ ابن عقیل سے کسی نے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ اصحاب احمدؒ کا حال ٹھیک ٹھیک بیان فرمائیے۔ انھوں نے جو اُن کے حالات لکھے اُس میں یہ بھی تھا۔ رائے سے بھاگ کر روایات (احادیث) کے لینے والے، تاویل سے بچ کر ظاہر (قرآن وحدیث) کے ساتھ تمسک کرنے والے ــــ علامہ ابن عقیل کے ان اقوال سے ظاہر ہے کہ امام احمد صاحب کی طرف منتسب جو علماء گزرے ہیں اکثر اُن میں کے متبع ظاہر قرآن وحدیث اور پابند دلیل کے تھے۔ امام احمد کے مقلد نہ تھے بلکہ وہ اہل حدیث تھے۔ دارمی کو لوگ شافعی جانتے ہیں حالانکہ وہ حدیث[1] کے موافق فتوے دیا کرتے تھے نہ شافعی مذہب پر۔ اسی طرح ہم اور بھی بہت سے علماء کو نام بنام آگے ذکر کریں گے جن کو لوگ مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ وہ مقلد نہ تھے۔

اور حقیقت میں کوئی ذی علم جو حقیقۃً ذی علم ہونے کا مصداق ہے کبھی مقلد نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ سب سے بڑی[2] دلیل جو اثبات تقلید میں پیش کی جاتی ہے وہ آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ہے۔ یہ آیت اگر تقلید پر دلالت کرتی ہے تو وہ تقلید کو مشروط کرتی ہے ساتھ عدم علم کے۔ پس صحیح طور پر کوئی ذی علم مقلد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مقلد ذی علم ہو سکتا ہے۔ دوسرے جبکہ مذہب تقلید کی صحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ اُس کی بنا محض ایک رواج پڑ جانے پر ہے جیسا

---

(۱) آثار الازہار۔ انساب ابن السمعانی۔ الدیباج الخسروانی للسید حسن بن احمد بہکلی۔ النفس الیمانی للسید عبد الرحمٰن بن سلیمان بن الاہدل وغیرہ سے منقول ہیں۔ مگر چونکہ اس وقت ہمارے پاس یہ کتابیں موجود نہیں ہیں لہٰذا ہم نے تاج مکلل سے جو کہ اکثر انھیں کتابوں سے ماخوذ ہے لے کر اُسی کے صفحوں کا حوالہ دے دیا۔

[1] خطیب نقل کرتے ہیں: ان الدارمی من الشافعیۃ کان یستفتی وربما یفتی بغیر مذھب الشافعی ولابی حنیفۃؒ۔ فیقال لہ فیقول ویلکم حدیث فلاں عن فلاں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عندنا۔ (عقد الجید ص۶۷)

[2] چنانچہ اصولی لکھتے ہیں: ھی الاصل فی اعتقاد التقلید۔

تم کو ہمارے سابق بیان سے اچھی طرح معلوم ہو چکا۔ پس کیسے ہو سکتا تھا کہ کوئی ذی علم اس کو اختیار کرتا۔ پس یہ خیال کہ اگر تقلید شخصی حق نہ ہوتی تو اس قدر علماء اس کو کیسے اختیار کرتے کیسا غلط خیال ہے۔

حنفیّت، شافعیّت وغیرہ

انتساب کی حقیقت اور اسباب و وجوہ

اب رہی یہ بات کہ کتنے مشاہیر علماء جو ان مذاہب میں سے کسی مذہب کی طرف منسوب نظر آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جب تقلید کا رنگ عام ہو گیا اور عموماً خیالات میں یہ بات جم گئی کہ ہر کوئی انھیں میں سے ایک نہ ایک کا مقلد ہوتا ہے اور کوئی اہل سنت ان چار سے باہر نہیں تو لوگوں نے ہر ایک کو انھیں میں سے کسی نہ کسی کی طرف منسوب کرنا چاہا تو جس کو جس کے ساتھ زیادہ ملتا ہوا پایا اسی کی طرف نسبت کر دیا۔ حالانکہ وہ اس کا مقلد نہیں بلکہ اگر موافقت کلی یا جزئی کسی امام کے ساتھ ہے تو وہ صرف بطور توارد کے ہے جیسا کہ پہلے ہو چکا۔ اور چونکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب جن میں خود بھی باہم بہت زائد اختلاف نہیں حدیث کے ساتھ زیادہ تر موافق ہے۔ اس وجہ سے پچھلے محدثین و علماء محققین بیشتر انھیں دونوں مذہبوں کے موافق ہوتے رہے۔ لہٰذا اکثر انھیں دونوں مذہبوں میں سے نسبتاً جس کے ساتھ زیادہ مناسب تھے اُسی کی طرف نسبت کر دیے گئے۔

امام بخاری و دیگر فقہائے حدیث بھی مقلد؟

ہم کو تو ہنسی اُس وقت آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری و دیگر اصحاب صحاح ستہ کو امام شافعی یا امام احمد کے مذہب کا مقلد بنایا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ امام احمد یا امام شافعی کی موافقت یا مخالفت اُسی آزادی کے ساتھ کرتے ہیں جیسے اور ائمہ کی کرتے ہیں۔ اور نیز وہ خود مجتہد[1] و اہل استدلال ہیں وہ کسی کے مقلد کیسے ہو سکتے

---

[1] مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نافع کبیر میں لکھتے ہیں۔ فقل، جد بعدهم ایضاً ارباب الاجتہاد

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں۔ مگر وہ تو وہی عام رواج تھا جس نے یہ سب کہلایا۔

اور اس نسبت کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کوئی شخص ایسے شہر یا ملک یا قوم یا خاندان میں پیدا ہو جو عموماً کسی امام کے مقلد اور اس کی طرف منسوب تھے۔ لہٰذا وہ بھی بحسب مقتضیٰ ظاہر اسی امام کی طرف نسبت کیا جانے لگا۔ گو فی الحقیقت وہ کسی کا مقلد نہ ہو یا یہ کہ ایک شخص ابتداء میں کسی امام کا مقلد اور اُن کی طرف منسوب تھا۔ لیکن تحصیل علم و تحقیقات کے بعد مقلد نہ رہا مگر وہ نسبت انھیں امام کی طرف کیا جاتا رہا۔ حالانکہ وہ اب مقلد نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید[1] میں انوار سے نقل فرماتے ہیں:

"کہ جو لوگ (امام) شافعی و (امام) ابو حنیفہ و (امام) مالک و (امام) احمد کے مذہب کی طرف منسوب ہیں۔ اُن کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو عوام۔ دوسرے جو رتبۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں اور (اُن کے مقلد ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ) ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو یہ لوگ جو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوئے تو اُس کے ساتھ طریقۂ اجتہاد اور طرزِ استدلال میں موافقت کی وجہ سے نہ تقلید کی وجہ سے"۔

اور شیخ عبد الوہاب[2] شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

(بقیہ صفحہ گزشتہ) المستقل کابی ثور البغدادی وداؤد الظاهری ومحمد بن اسمٰعیل البخاری وغیرهم علی ما لا یخفی علی من طالع کتب الطبقات۔ یعنی ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مستقل ہوئے جیسے ابو ثور بغدادی اور داؤد ظاہری اور محمد بن اسمٰعیل بخاری اور ان کے سوا اور ہیں۔

[1] عبارت یہ ہے: وفی الانوار ایضاً المنتسبون الی مذهب الشافعی وابی حنیفة ومالك واحمد اصناف احدها العوام والثانی البالغون الی رتبة الاجتهاد والمجتهد لا یقلد مجتهداً وانما ینتسبون الیهم لجریهم علی طریقة فی الاجتهاد واستعمال الادلة وترتیب بعضها علی بعض۔ ملخصاً۔

[2] عبارت یہ ہے: فان قلت قد تقدم ان الولی الکامل لا یکون مقلداً انما یاخذ علمه من العین التی اخذ منها المجتهدون من انهم ونری بعض الاولیاء مقلداً لبعض الائمة (ص)

"اگر تو کہے کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ ولی کامل مقلد نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ علم اسی چشمہ سے لیتا ہے جس سے مجتہدوں نے لیا اور ہم بعض اولیاء کو بعض ائمہ کا مقلد پاتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی تو یہ ولی مقام کمال کو پہنچا ہی ہوا نہیں ہوتا یا پہنچا ہوا ہوتا ہے (تو دراصل وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا) لیکن وہ جو بعض ائمہ کی تقلید مسئلہ میں ظاہر کرتا ہے تو ادباً کرتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ امام اس ولی سے پہلے اس مسئلہ کا قائل ہو چکا ہے اور اللہ نے اُس کو امام و پیشوا بنا رکھا ہے اور وہ مشہور ہو رہا ہے اور یہ ولی ویسا مشہور نہیں (لہٰذا وہ ادب کی وجہ سے اسی امام کی طرف نسبت کر دیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس امام کا مقلد نہیں) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ ولی جو اس امام کے قول پر (جس کی طرف وہ نسبت کیا جاتا ہے) عمل کرتا ہے تو دلیل سے واقف ہو کر کرتا ہے نہ تقلید کے طور پر بلکہ توارد کے طور پر تو یہ ولی شارع ہی کا مقلد رہا نہ کسی اور کا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے پیشوا علی خواص سے عرض کیا کہ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی کو تقلید امام احمد کی اور جناب محمد شاذلی حنفی کو تقلید امام ابوحنیفہ کی

---

(۲): فالجواب قد یکون ذالک الولی لم یبلغ الی مقام الکمال او بلغه ولکن اظهر تقیده فی تلك المسئلة بمذهب بعض الائمة ادبًا و معه حیث سبقه الی القول بها وجعله الله تعالیٰ اماما یقتدی به واشتهر فی الارض دونه وقد یکون عمل ذالک الولی بما قال به ذالک المجتهد لاطلاعه علی دلیله لاعملا بقول ذالک المجتهد علی وجه التقلید له بل لموافقته لما ادّی الیه کشفه فرجع تقلید هذا الولی للشارع لا لغیره وقد قلت مرة لسیدی علیّ الخواص رضی الله عنه کیف صح تقلید سیدی الشیخ عبد القادر الجیلی للامام احمد بن حنبل و سیدی محمد الحنفی الشاذلی للامام ابی حنیفة مع اشتهارهما بالقطبیة الکبریٰ وصاحب هذا المقام لا یکون مقلدًا الا للشارع وحده فقال رضی الله عنه قد یکون ذالک منهما قبل بلوغهما الی مقام الکمال ثم لما بلغا الیه استصحب الناس ذلك اللقب فی حقهما مع خروجهما عن التقلید فاعلم ذالک انتہی۔ ملخصًا (میزان ص۲)

کیسی صحیح ہوئی۔ حالانکہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبے کے ساتھ مشہور ہیں اور اس مرتبہ والا سوا شارع کے کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ تو فرمایا کہ تقلید اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے ہو گی۔ پھر جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ گئے تب بھی لوگ اس نام کو اُن کے حق میں استعمال کرتے رہے باوجودیکہ وہ تقلید سے باہر ہو گئے"۔

اس مضمون کا ایک قول امام شعرانی کا انشاء اللہ العزیز تم آگے بھی پڑھو گے خلاصہ یہ کہ کتنے ہی اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے ایسے لوگ بھی جو فی الحقیقت کسی کے مقلد نہیں۔ ان ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کی طرف نسبت کے ساتھ مشہور ہوئے جس سے لوگ اُن کو مقلد سمجھنے لگے۔

شرائط اجتہاد:

اس موقع پر جب کہ تم نے معلوم کیا کہ مرتبہ اجتہاد کو پہنچنے والا کسی کا مقلد نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے شخص کی کسی امام کی طرف نسبت اس کے مقلد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم کر لو کہ اس علم کی کیا مقدار ہے جس سے آدمی مرتبہ اجتہاد کو پہنچتا ہے۔ (کیونکہ اس میں بھی بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ ان علماء میں سے جن کے تم نام سنتے ہو کون کون ایسے ہیں جو مقلد ٹھہرائے جا سکتے ہیں اور وہ کون کون ہیں جو فی الواقع کسی کے مقلد نہیں۔ لیکن بوجوہ مذکورہ بالا کسی امام کی طرف نسبت کیے گئے۔ اس بیان کو بھی ہم عقد الجید ہی سے جو کہ شاہ صاحب نے اسی انوار سے اسی مذکورہ بالا مضمون کے پاس نقل کیا ہے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[1]:

---

[1] عبارت یہ ہے: فی الانوار وانما یحصل اھلیۃ الاجتھاد بان یعلم امورًا الاول کتاب اللہ تعالیٰ ولا یشترط العلم بجمیعہ بل بما یتعلق بالاحکام ولا یشترط حفظہ بظہر القلب۔ الثانی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مایتعلق بالاحکام لاجمیعًا ویشترط ان یعرف منھا

(م)

"انوار میں ہے اجتہاد کی اہلیت جب حاصل ہوتی ہے کہ آدمی چند امور کا علم حاصل کرے۔ اول کتاب اللہ کا۔ اور یہ ضرور نہیں کہ سارے قرآن کا علم ہو بلکہ جس قدر احکام سے تعلق رکھتا ہے (جن کی مقدار نور الانوار[1] میں پانسو آیت بتلائی ہے۔ اور یہ بھی ضرور نہیں کہ حفظ یاد ہو۔ دوسرے حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا جس قدر احکام سے متعلق ہیں (جن کی مقدار نور الانوار میں تین ہزار حدیث بتائی ہے) نہ کل۔ اور شرط یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں میں خاص وعام[2]۔ مطلق ومقید۔ مجمل ومبین۔ ناسخ ومنسوخ کو، اور (اقسام) حدیث میں سے متواتر واحاد ومرسل ومسند ومتصل ومنقطع کو اور نیز

(م) الخاص والعام والمطلق والمقيد والمجمل والمبين والناسخ والمنسوخ ومن السنة المتواتر والآحاد والموسل والمسند المتصل والمنقطع وحال الرواة جرحًا وتعديلًا۔ الثالث اقاويل علماء الصحابة فمن بعدهم اجماعًا واختلافًا۔ الرابع القياس جليه وخفيه وتميز الصحيح من الفاسد۔ الخامس لسان العرب لغة واعرابا ولا يشترط التبحر في هذه العلوم بل يكفي معرفة جملة منها ولا حاجة ان يتتبع الاحاديث على تفرقها بل يكفي ان يكون له اصل مصحح لجميع احاديث الاحكام كسنن الترمذي والنسائي وغيرهما كابي داؤد ولا يشترط ضبط جميع مواضع الاجماع والاختلاف بل يكفي ان يعرف في المسئلة التي يقتضي فيها ان قوله لا يخالف الاجماع بان يعلم انه وافق بعض المتقدمين او يغلب على ظنه انه لم يتكلم الاولون فيها بل تولدت في عصره وكذا معرفة الناسخ والمنسوخ وكل حديث اجمع السلف على قبوله وتواترت اهلية رواته فلا حاجة الى البحث عن عدالة رواته وما عدا ذلك يبحث عن عدالة رواته واجتماع هذه العلوم انما اشترط في المجتهد المطلق الذي يفتي في جميع ابواب الشرع ويجوز ان يكون مجتهدا في باب دون باب۔ (صفحہ ۱۰۳ و ۱۰۵)

[1] دیکھو نور الانوار صفحہ ۲۴۶۔ بحث اجتہاد نور الانوار حنفیوں کی ایک مشہور و معتبر کتاب ہے۔

[2] ان سب باتوں کی شرح اصول کی کتابوں میں جیسا کہ نور الانوار، توضیح وتلویح۔ ارشاد الفحول وغیرہ میں اچھی طرح سے مذکور ہے۔

راویوں کے حال کو باعتبار جرح و تعدیل کے جانتا ہو۔ تیسرے علماء صحابہ اور ان کے بعد کے علماء کے اقوال کا۔ جن میں اُن کا اجماع و اختلاف ہے۔ چوتھے قیاس جلی و خفی کا۔ اور قیاس صحیح و فاسد کا باہم تمیز کرنا۔ پانچویں عربی زبان کا لغت و اعراب کا جاننا۔ اور (یہ بھی واضح رہے کہ) ان علوم میں تبحر شرط نہیں بلکہ ہر ایک میں سے ایک قدر معتد بہ کا جان لینا کافی ہے۔ اور یہ بھی ضرور نہیں کہ متفرق احادیث کو تلاش کرتا پھرے۔ بلکہ اتنا کافی ہے کہ اس کے پاس کوئی صحیح کتاب موجود ہو جو احادیث احکام کو جامع ہو جیسے سنن ترمذی اور سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہا ہیں اور اسی طرح یہ بھی ضرور نہیں کہ تمام اقوال اجماعی اور اختلافی یاد ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس مسئلہ میں حکم دیتا ہے یہ سمجھ لے کہ میرا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔ اس طور پر کہ جانتا ہو کہ میرا قول متقدمین میں سے کسی کے ساتھ موافق ہے یا بظن غالب معلوم ہو کہ متقدمین میں سے کسی نے اِس میں گفتگو نہیں کی۔ بلکہ اسی زمانہ میں یہ واقعہ حادث ہُوا۔ اور اسی طرح ناسخ و منسوخ کی آگاہی کا بھی احاطہ شرط نہیں۔ اور جس حدیث کو سلف نے بالاجماع مان لیا ہو یا اس کے راویوں کا معتبر ہونا تواتر کے طور پر ثابت ہو تو اس حدیث کے راویوں کی عدالت میں کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے سوا اور حدیث کے راویوں میں بحث کی جاوے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ان علوم کا جو شرط ہونا ٹھہرا ہے تو اس مجتہد مطلق میں ہے جو تمام ابواب شرع میں فتویٰ دے ورنہ جائز ہے کہ کوئی شخص بعض خاص مسائل میں مجتہد ہو اور دوسرے مسائل میں نہ ہو تو اس کے لیے اتنی قیود کی بھی ضرورت نہیں۔"

آگے چل کر یہ بھی لکھتے ہیں[1] کہ:

---

[1] عبارت یہ ہے: ولا یشترط ان یکون للمجتہد مذہب مدون (ص۱۰۵)

"یہ بھی شرط نہیں کہ مجتہد کا مذہب مدون ہی ہؤا کرے۔"

یہ مقدار علم جو کہ مذکور ہوئی۔

برائے نام انتساب اور اس کے وجوہ:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان مشاہیر علماء مثل علامہ ابن دقیق العید۔ امام ابوالحسن اشعری امام الحرمین۔ علامہ محمد بن نصر مروزی۔ علامہ ابن المنذر۔ امام نووی۔ علامہ تقی الدین سبکی۔ امام محی الدین بغوی۔ علامہ بلقینی۔ حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی۔ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہم جو کہ شافعی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دیگر مشہور علمائے محدثین میں سے کوئی ایسا تھا جس کو اتنا علم نہ ہو۔ لہٰذا کچھ شبہ نہیں کہ ان تمام لوگوں کی نسبت کسی امام کی طرف بوجہ تقلید نہ تھی۔ بلکہ صرف برائے نام یا بوجوہ مذکورہ تھی۔

اور ایسا بھی ہؤا ہے کہ کبھی یہ لوگ خود بھی اس نسبت کو اپنی بابت قائم رکھتے تھے اور اس سے کچھ انکار نہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کو اپنے کام سے کام تھا۔ اپنے عمل و تحقیق میں راست تھے۔ لہٰذا محض نام لگنے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ خصوصاً جبکہ یہ نسبت زمانہ میں عام ہو رہی تھی۔ پس اُس سے انکار میں عوام کی نظر میں اپنی تعلی اور اس امام کی جس کی طرف نسبت ہو رہی تھی تحقیر کا مظنہ تھا۔

دوسرے کسی شخص کے طرزِ عمل و مسائل مختارہ مذہب کے بڑے حصہ کا آسانی کے ساتھ بتانے و معلوم کرانے کا یہی طریقہ ہو سکتا تھا کہ کسی ایسے امام کی طرف نسبت کر کے جس کا مذہب مشہور ہونے کے سبب سے سب جانتے ہیں۔ اور وہ شخص اُس امام کے ساتھ بیشتر مسائل میں موافق ہے بتا دیا جائے۔ ورنہ ایک ایک کے لیے ایک ایک مسئلہ تفصیل وار کہاں تک بیان کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ اس کا مسلک جس کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا تھا اُسی کی طرف اُس کو نسبت کر دیا جائے۔ مثلاً کہہ دیا جائے کہ وہ شافعی ہے۔ یعنی اُس کی عام روش اور زیادہ تر اُس کی تحقیقات امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔

تیسرے جو شخص اس زمانے کے حالات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ اُس

زمانے میں امن وعافیت۔ حصول خدمتِ درس وافتاء وغیرہ۔ موقع اشاعت علم وتبلیغ احکام الٰہی بلاکسی امام کی طرف انتساب کے کیسا دشوار تھا۔ تواریخ دیکھو اکثر مدارس خاص خاص مذہب کے فقہاء کے نام پر وقف تھے۔ جب تک کوئی اسی مذہب کی طرف منتسب نہ ہو وہ اُن مدارس میں مقرر نہ ہو سکتا تھا۔ اسی طرح قضاء وافتاء کے محکمہ کا حال تھا کہ خاص خاص مذاہب کے نام کی مدّات تھیں۔ جب تک کوئی انھیں میں شامل نہ ہو وہ اس عہدے پر مقرر نہ ہو سکتا تھا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ اپنے استاذ امام بلقینی رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ شیخ تقی الدین رحمہ اللہ سبکی کو اجتہاد سے کون چیز روکتی تھی، حالانکہ ان کو پورے طور پر آلاتِ اجتہاد حاصل تھے تو پھر مقلد کیوں بنتے تھے۔ ابو زرعہ کہتے ہیں مجھ کو اپنے استاذ بلقینی کی نسبت بھی یہی سوال تھا مگر میں نے اُن کے سامنے اُن کا نام شرم سے نہیں لیا۔ لیکن میں نے سوچ لیا تھا جو جواب وہ سبکی کی بابت دیں گے وہی میں اُن کی نسبت بھی خیال کرلوں گا تو امام بلقینی چپ رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے کہا میری رائے میں اس کی وجہ سوا اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یہ صرف اُن وظائف کی وجہ سے تھا کہ جو مذاہب اربعہ کے فقہاء کے لیے مقرر تھے۔ اگر کبھی وہ اُن سے نکلتے اور خود اجتہاد کا نام لیتے تو اُن وظائف میں سے اُن کو کچھ نہ مل سکتا۔ اور لوگ اُن سے فتوے لینے سے بھی رُک جاتے اور اُلٹے وہ بدعتی ٹھہرائے جاتے۔ اس میرے کہنے پر امام بلقینی مسکرائے اور میری موافقت کی[1]۔"

---

[1] اِس حکایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف میں فقیہ ابن زیاد کے کلام سے ذکر کیا ہے لیکن فقیہ مذکور نے ابو زرعہ کی اس رائے سے موافقت نہیں کی اور بنا برحسن ظن کی سبکی کی نسبت اس بات کا خیال رکھنا کہ انھوں نے برجہ وظائف کے اجتہاد کو چھوڑنا جائز نہ خیال کیا بلکہ اِس سے بہتر وجہ یہ سمجھی کہ سُبکی مرتبہ اجتہاد منتسب کا رکھتے تھے اور موافقت کی وجہ سے منسوب ہوئے۔ لیکن ہم نے (ﷺ)

اہلحدیث کے ساتھ تشدد اور اُن کی ایذا دہی :

خلیفہ[1] معتصم باللہ کے زمانے میں کہیں بیچارے علی شہربانی محدث نے (حنفی مذہب کے خلاف) اس مسئلہ پر فتوے لکھ دیا کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ اور محدث عبدالعزیز محیطلی نے اُن کی موافقت کی۔ لہٰذا ان دونوں کو ایذائیں دی گئیں۔ اور شہربانی جس مدرسہ میں تھے اس سے نکال دیے گئے اور محیطلی بھی شہر بدر کر دیے گئے۔

علامہ ابن حزم[2] کو جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کی طرف منسوب ہونا نہیں چاہتے تھے باوجودیکہ وہ ایک نہایت معزز[3] شخص تھے، اُن کے معاصر زمانے کے ہم رنگ علماء نے بالاتفاق اُن کو گمراہ ٹھہرایا اور لوگوں کو اُن سے ملنے کی ممانعت کر دی، اور سلاطین کو بھی اُن کی طرف سے بھڑکا دیا حتٰی کہ تمام سلاطینِ ممالک نے اپنے اپنے ملک سے اُن کو نکال دیا۔ آخر بیچارے مجبور ہو کر کسی گاؤں کی طرف نکل گئے اور وہیں قضا کی۔

---

(۵) اس حکایت کو صرف اس غرض سے نقل کیا ہے کہ وظائف خاص خاص مذہب کے نام کے مقرر تھے اور جو ان سے باہر ہونے کا نام لیتا وہ اُن سے محروم رکھا جاتا تھا بلکہ اور مطعون ہوتا تھا۔ لہٰذا ابوزرعہ کی بابت سبکی کی رائے کے صواب ہونے نہ ہونے سے چنداں ہم کو بحث نہیں۔ دوسرے اندرونی حالات کے متعلق ایک قریب زمانے کے مبصر کی رائے بہ نسبت دور والے زمانے کے انداز سے بہت زائد ذی ہے۔ پس ابوزرعہ کی رائے بابت سبکی اور بلقینی کے فقیہ ابن زیاد کی رائے سے زائد معتبر ہے۔ تیسرے سبکی کی بابت یہ رائے صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا اثر اس زمانے میں ضرور تھا جو کہ اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس سب کے علاوہ اس انتساب کی ایک نہایت حسین وجہ تم آگے ہمارے کلام میں دیکھو گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

[1] التاج المکلل صفحہ ۱۶۶۔

[2] 〃 〃 صفحہ ۲۲۹۔

[3] ان کے والد وزیر سلطنت تھے اور یہ خود بھی وزیر رہے تھے۔

علامہ[1] ابن تیمیہ کو بھی ان کے معاصرین نے سخت سخت اذیتیں دیں۔ طرح طرح سے ان کے معاصر فقہاء ان کے پھنسانے کے لیے ان پر تہمتیں لگاتے تھے۔ اس وجہ سے کتنی مرتبہ بیچارے قید کیے گئے اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ لوگوں نے بہت مرتبہ اُن کو جان سے مار دینے کے لیے اُن پر حملے کیے مگر یہ ہمیشہ کرامۃً بچ بچ جاتے تھے۔

اسی طرح علامہ[2] ابن القیم کو ایذائیں دی گئیں اور وہ بھی ابن تیمیہؒ کے ساتھ قید کیے گئے اور اونٹ پر بٹھا کر پھرائے گئے۔ دُرّے لگتے جاتے تھے اور رسوا کیے جاتے تھے۔

امام[3] ابوالحجاج مزی جو کہ اپنے وقت کے ایک بڑے مشہور اور مستند عالم تھے، اور اُن کی زندگی ہی میں اُن کی تصانیف مثل تہذیب الکمال وغیرہ مقبول و مشتہر ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچیں۔ اور جن کے حافظ الحدیث علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی خوشہ چین ہیں۔ صرف اتنی بات پر کہ ابن تیمیہؒ کی طرف سے وہ کسی شافعی سے بحث کرنے لگے۔ اور ابن تیمیہؒ کے مخالفین کے مقابلہ میں امام بخاری کی کتاب خلق افعال العباد پڑھنے لگے۔ فقہاء سمجھے کہ اس سے ہماری تردید مقصود ہے۔ وہ غضب میں آگئے اور قاضی شافعی نے اُن کو قید کر دیا۔

حافظ[4] الحدیث علامہ عبدالغنی مقدسی کہیں ظاہر قرآن و حدیث کے موافق صفات الٰہی میں اس طریقے کے خلاف کہ فقہاء ان میں تاویل کرتے ہیں کلام کرنے لگے۔ اس پر فقہاء اُن کے پیچھے پڑ گئے اور اُن کا قتل مباح قرار دیا۔ بادشاہ اُن کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ مگر کچھ اُمراء نے بڑی سعی و سفارش کر کے اُن کی جان چھڑائی اور

---

[1] التاج المکلل صفحہ ۲۸۹۔

[2] " " صفحہ ۲۸۵۔ وغیرہ

[3] " " صفحہ ۳۲۹ از ذہبی۔

[4] " " صفحہ ۱۳۹ از ابن النجار

آخر وہ شہر بدر کر دیے گئے۔ اور ایک دوسرے مقام پر جا کر بقیہ عمر روپوش ہو کر رہے۔
امام[1] حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین کو بھی جو کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے سخت سخت مصیبتیں سہنا پڑیں۔
اسی[2] طرح شیخ الاسلام ہروی اور علامہ صالح مقبلی اور سید محمد بن اسمٰعیل امیر کو جو کہ یہ سب علماء اہلحدیث سے تھے اور زمانہ کے رنگ کے خلاف قرآن وحدیث پر چلتے تھے زمانے کے لوگوں سے طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑے۔ بھلا یہ لوگ تو گویا سب سے غیر تھے ان کو جتنا ستایا جائے تعجب نہیں۔
علامہ منصور[3] بن محمد تمیمی کو جو کہ حنفی تھے وہ حج کو گئے۔ وہاں اُن کو شافعی مذہب زیادہ پسند ہوا۔ اُس کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس پر بھی باوجودیکہ وہ شافعی کا نام لیتے تھے لوگ اُن کی ایذا رسانی سے باز نہ رہے اور اُن کے ساتھ سخت تعصب اور بدسلوکی کا طریقہ برتا۔
غرض اس میں کچھ کلام نہیں کہ زمانہ کی عام روش ورنگ کے خلاف کسی بڑے یا چھوٹے کا زبان ہلانا کچھ آسان امر نہ تھا اور اس سے نہ صرف اپنی ہی جان کو نشانہ بلایا و آفات ..... کرنا ہوتا بلکہ بہت مواقع میں جس امر کی بابت مخالفت کی جائے اس سے زائد اہم اور ضروری شرعی امور کو مثل اشاعت علم و تدریس، فنون و تبلیغ مسائل ضروریہ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، بسط، عدل و انصاف، بذریعہ خدمت قضا و افتا، اصلاح ملک، مواعظہ امراء و سلاطین وغیرہ وغیرہ کے نقصان پہنچتا تھا۔ پس اس خاص وجہ سے بہت سے علماء محققین نے جو کہ دراصل کسی کے مقلد نہیں اور نہ اُن کو تقلید کی ضرورت ہے۔ زمانہ کے عام رواج کے موافق اپنے آپ کو کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب ہونے دیا اور اس

---

[1] التاج المکلل صفحہ ۱۸۷۔ نقل از ذہبی

[2] کتب تراجم میں ان کے حالات دیکھو اور موقع ہوا تو شاید ہم بھی آگے لکھیں۔

[3] التاج المکلل صفحہ ۱۴۱۔

سے کوئی انکار نہ کیا۔ اور ان کا ایسا کرنا بضرورت وقتی یا بمصلحت شرعی تھا نہ یہ کہ اُن سب نے دُنیا کے پیچھے دین کو چھُپایا اور نہ یہ کہ وہ فی الاصل مقلد تھے۔[1]

مصلحت بینی یا استخفاف حدیث؟

ان لوگوں نے جب کہ وہ ان امام کا جن کی طرف وہ منسوب تھے خلاف کرتے تھے عوام کے سمجھا دینے کا یہ اچھا ذریعہ پا لیا تھا کہ وہ کہہ دیتے تھے کہ امام نے فرمادیا ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی اور اترکوا قولی بخبر الرسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) لہٰذا ہم جو یہ ان کا خلاف کرتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ جس امام کے ہم مقلد ہیں ہم نے اُن کو چھوڑ دیا یا ان کا خلاف کیا۔ نہیں، بلکہ انھوں نے خود کہہ دیا کہ جب حدیث رسولؐ مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ تو اصل میں ہم انھیں کے کہے پر چلتے ہیں۔ چنانچہ تم امام نووی وغیرہ کے کلام میں اکثر ایسا پاؤ گے۔ لیکن یہ عُذر اُن کا صرف عوام کے فتنہ کو فرو کرنے کی غرض سے تھا۔ ورنہ حقیقت میں حدیث رسولؐ کے ساتھ سخت گستاخی اور بے ادبی ہے کہ اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ٹھہرائی جائے کہ فلاں امام نے حدیث پر عمل کرنے کو فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اس حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ تو گویا امام اصل ٹھہرے اور حدیثِ رسولؐ کی پیروی اُن کے حکم کی فرع ہوئی۔ ایک مسلمان کو جس کے سامنے حدیثِ رسولؐ موجود ہے اور اُس کی نسبت اُس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہے۔ کیا اس پر عمل کرنے کے لیے اُس کی بھی ضرورت ہے کہ کسی امام کی اجازت بھی ہونی چاہیے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسا کہنا یا کرنا حدیثِ رسولؐ

---

[1] اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ جو لوگ اس انتساب سے علیٰحدہ ہوتے اور طرح طرح کے مصائب و آفات کے نشانہ بنے اُنھوں نے سخت غلطی کی اور وہ اس مصلحت سے ناواقف رہے، نہیں بلکہ ان کے ایمان نے اُس کا حکم دیا جو اُنھوں نے کیا۔ اور اُنھوں نے اپنے حق میں شرعاً یہی مناسب پایا اور انھوں نے یہ مصائب اللہ ہی کے واسطے برداشت کیے۔ اور غور کیا جائے تو اصل میں عزیمت پر انھیں نے عمل کیا اور وہ جو لوگوں کے فتنہ وغیرہ کے خوف کی وجہ سے منتسب ہوتے رہے رخصت پر عامل رہے یا خاص مصالح کے خیال سے ملبسا کیا۔

کی سخت توہین اور بے قدری اور اُس کے ساتھ گستاخی کرنا ہے۔ افسوس مذہب تقلید ہی ہے کہ اُس نے حدیث کے ساتھ یہ صورت گستاخی کی پیدا کی اور علماء کو مجبور کیا کہ وہ ایسا کہہ کر اپنا پیچھا چھڑائیں۔

اظہار حق سے علماء کا سکوت کیوں اور کیسے؟

خلاصہ یہ کہ بہت سے اسباب ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے یہ علماء ان مشہور مذاہب میں سے کسی نہ کسی طرف منسوب ہوئے۔ جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب مقلد تھے۔ حالانکہ وہ مقلد نہ تھے۔ بلکہ یہ نسبت اصل میں بوجوہ و مجبوری تھی۔ علامہ[1] شوکانی کیا خوب لکھتے ہیں۔ "ہم کسی مجتہد کو نہیں جانتے کہ اُس نے مقلدین کے فعل کو جنھوں نے شریعت کے کئی حصے بنا لیے ہیں جائز رکھا ہو بلکہ اکابر علماء یا تو منع کرتے رہے یا ڈر کے مارے بخوف ضرر یا فوت نفع کے چپ رہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی عالم اعلان کے ساتھ ممالک اسلام میں سے کسی شہر میں کہتا کہ یہ تقلید بدعت ہے اس پر رہنا جائز نہیں تو اگر کل نہیں تو اکثر تو ضرور اُس کی اہانت کے لیے اور اُس کو اُس کے مال و بدن اور آبرو میں نقصان پہنچانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے جو اس سے ادنیٰ درجہ کے آدمی کی شان کے بھی لائق نہیں اور یہ تو جب ہوتا کہ مقلدین اور اُن کے مددگار سلاطین اور حکام کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جاتا (ورنہ جان ہی بچنا مشکل تھی) اور اسی سبب سے یہ بدعت تمام بلاد اسلامیہ پر چھا گئی اور تمام افراد مسلمین شامل نظر آنے لگے۔ تو ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دین ہمیشہ سے ایسا

---

[1] علامہ موصوف نے یہ مضمون القول المفید ص ۱۸-۲۳ میں لکھا ہے۔ علامہ موصوف ملک یمن کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ علامہ شوکانی کے زمانے کے جو امیر یمن تھے وہ ان کے موافق اور اہل حدیث تھے۔ اسی وجہ سے علامہ موصوف کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ ایسا ظاہر باہر حق ظاہر کر سکیں۔ چنانچہ علامہ موصوف نے بدر طالع میں بذیل ترجمہ سید قاسم بن امیر المؤمنین لکھا ہے۔

ہی رہا ہے اور ایسا ہی قیامت تک رہے گا اور (اصلی) بھلی بری بات کو نہیں جانتے (اور بہ سبب اپنی ناواقفیت کے حقیقت حال سے واقف نہیں) اور یہی حال تقلیدی علم کے عالموں کا بھی ہے بلکہ ان کا ضرر اور زائد ہے کیونکہ ان کو اپنے مذہب پر زاید ہٹ ہوتی ہے اور وہ اس کو جہلاء کی نظر میں اچھا بنا کر دکھاتے ہیں اور علماء محققین (اہلحدیث) کی تحقیر کرتے ہیں اور اُن پر تہمت لگاتے ہیں کہ یہ اماموں کے مخالف ہیں اور اُن کی توہین کرتے ہیں۔ اس کو ملوک اور اُمراء اُن سے سُن کر یقین کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں کے ہم جنس ہیں۔ جیسا کہ وہ بے علم ہیں ایسے ہی یہ بے علم ہیں۔ گو ان مسائل کے عالم ہیں، جس میں دوسرے کی تقلید کر رہے ہیں۔ خصوصاً جبکہ کہیں کے قاضی یا مفتی بھی ہوئے کیونکہ عوام لوگ اہلِ علم میں سے کامل اور غیر کامل کو کیا پہچان سکتے ہیں بجز اس کے کہ جس کو مناصب اور قرب سلاطین حاصل ہو۔ اور جس کی طرف رجوع زائد دیکھیں اُسی کو بڑا عالم سمجھیں اور یہ امور اکثر طبقہ مقلدین ہی کے ہاتھ میں رہے ہیں۔

چنانچہ حال کے اور پہلے زمانہ کے حالات کا ہر جاننے والا اس بات کو جانتا ہے[1]

---

[1] ہم نے یا علامہ شوکانی نے جو لکھا کہ بہت سے علماء عوام کے مروج مسلک کی بُرائی ان کے فتنہ اور امراء و سلاطین کی مخالفت کی وجہ سے علی الاعلان ظاہر نہ کر سکے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے کوئی صاحب بصیرت انکار کر سکے۔ خود ہمارے زمانہ کی بھی یہی حالت ہے۔ کسی متبع سنت کی ایذا رسانی میں جب قابو پاتے ہیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ہندوستان کی اسلامی ریاستیں جن کے رئیس باوجودیکہ برائے نام ہی خود مختار ہیں پھر بھی ان کی حدود ریاست کے اندر کوئی عالم طاقت نہیں رکھتا کہ اس مسلک ومذہب کو یا اور کسی مسئلہ کو جو وہاں کے رئیس کے عقیدہ کے مطابق ہے اور وہاں عموماً مروج ہے بدعت وناجائز وغلط علی الاعلان کہہ سکے۔ اس بات کا اگر کوئی سورج پر خاک ڈال کر انکار کر دے تو کر دے مگر دیوبندی المذہب لوگ تو کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ ورنہ جواب دیں کیا وجہ ہے وہ علماء جو ریاست حضور نظام دام حشمتہ یا ریاست رامپور حفظت عن الشرور یا دیگر ممالک اسلامیہ مثل افغانستان یا ممالک عثمانیہ ادام اللہ شوکتہا میں رونق افروز ہیں ان باتوں کو جن کو دیوبندی بدعت و شرک کہتے ہیں۔ مثلاً مجلس (۲)

جس کو دیکھنا ہو اس زمانہ میں دیکھ لے اور زمانہ سابق کی کتب تواریخ کو دیکھے اور علماء محقق (غیر مقلدین) بیچارے لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے اکثر پوشیدہ اور علیحدہ رہے۔ جب کوئی علماء مجتہدین میں سے مقلدین کے معتقدات کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو علماء مقلدین جاہلانہ طریقہ سے اُس کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اہل دنیا اور ارباب سلطنت اُن کی موافقت کرتے ہیں اور جو کچھ ضرر بدنی اور مالی کی قدرت پاتے ہیں کر گزرتے ہیں اور اِس سے اُن کے ہم جنس لوگ اُن کا اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اُن کے گمان میں دین کی مدد کی اور ائمہ اور اُن کے مذاہب کی طرف سے جواب دہی کر دی۔ پس اُن کی اور عزت بڑھ جاتی اور اس بے چارے محقق عالم کی آبرو ان لوگوں کی گالیوں کا نشانہ ٹھہرتی اور مبتدع اور جاہل اور گمراہ بنایا جاتا تو ذرا نظر کرو کون ہے (جو ایسی حالت میں) اس بدعت کے روکنے کے لیے کھڑا ہو۔ باوجودیکہ ہر شخص کو (طبعی طور پر دنیا مقدم ہے اور حب مال اور جاہ کی طرف (عموماً) دل مائل ہیں، تو اے منصف نظر انصاف سے دیکھ سکوت (اُن) علماء اجتہاد کا اس تقلید کے منع سے (جنھوں نے سکوت کیا) کیا موافقت پر دلالت کرتا ہے ہرگز نہیں، بلکہ یہ سکوت خوف سے ہے نہ رضامندی سے۔

علماء کی صراحتہً یا اشارۃً تقلید سے ممانعت:

مگر اس پر بھی یہ لوگ اللہ کے عہد اظہار حق کو کسی نہ کسی طور سے پورا کرتے تھے۔ کسی نے اپنی تصنیف میں صراحتہً لکھ دیا یا کسی نے اشارۃً لکھا۔ کسی نے اپنی تحریر کو چھپا کر رکھ دیا کہ بعد موت کے ظاہر ہووے۔ چنانچہ ادفوی اپنے استاد امام ابن

---

(۴) میلاد شریف وقیام عند ذکر الولادت اور وہ رسوم جو میت کے بعد کیے جاتے ہیں یا وہ معاملات جو مزارات اولیاء کے ساتھ کیے جاتے ہیں کیوں نہیں منع کرتے اور ان کو موقوف کرا دیتے۔ کیا سب کے سب وہ جاہل ہیں جو ان امور کا منع ہونا ان کے علم میں نہیں آیا یا سب کج فہم وبلید ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا یا ایسے بددین ہیں کہ باوجود جاننے اور قدرت دفع کے دفع نہیں کرتے۔

دقیق العید کی حکایت کرتے ہیں کہ "انھوں نے اپنی مرض الموت میں ان سے ایک کاغذ مانگا اور لکھ کر اپنے بستر کے نیچے رکھ دیا۔ جب انتقال کر گئے تو لوگوں نے وہ پرچہ نکال کر دیکھا تو اُس میں بالکل تقلید کی حرمت لکھی تھی۔"

اور بعض اپنے معتمد لوگوں سے کہہ دیا کرتے تھے اور طبقۃً بعد طبقۃٍ یہ نصیحت متوارث چلی آتی تھی اور کامل لوگ (اپنے خاص خاص) واقفوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ اور گو یہ بات اہلِ تقلید سے پوشیدہ رہی (اور پوشیدہ رہنا بھی چاہیے اس لیے کہ یہ خاص طور پر کہا جاتا تھا نہ عام طور پر) مگر اوروں سے پوشیدہ نہیں۔ اور ہم اپنے زمانہ میں بہت سے مشائخ کو دیکھتے ہیں جو علم اجتہاد میں مشغول ہیں کہ کوئی ان میں سے تقلید کے درست ہونے کا قائل نہیں۔ اور بعض نے تو صاف صاف تقلید کے بے بنیاد ہونے کو ظاہر کر دیا اور کتنے اُن مسائل کا جن کے مقلدین معتقد ہیں انکار کیا۔ آخر معاصرین نے اُن کے ساتھ جھگڑے کیے اور اُن کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور انھوں نے اُن کو برداشت کیا۔ جس سے اُن کا اجر اور بڑھا۔

تقلید کے نتائج فاسدہ:

غرض جو علم تقلیدی کے حاصل کرنے والے ہیں اُن پر علماء اجتہاد کے ساتھ بے حد تعصب غالب ہوتا ہے۔ اور نیز عوام کو اس وہم میں ڈالنا کہ یہ لوگ اماموں کے مخالف ہیں، جن کی عظمت سے اُن کے دِل بھرے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن کے برابر صحابہ کو بھی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا ہوا نہیں جانتے پھر بھلا بعد والا کوئی کیسے ہو سکتا ہے۔ اور گو وہ اس بات کو زبان سے نہ کہیں مگر ان کے دل میں یہ ضرور سمایا ہوا ہے (جیسا کہ طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔) پس ان کے نزدیک امام کا کوئی کسی مسئلہ میں خلاف کرے تو گویا وہ نص قطعی کا مخالف اور ایک امر شنیع کا مرتکب ہے اور گو وہ کیسا ہی قرآن و حدیث سے اپنے دلائل بیان کرے مگر کوئی اُس کی نہیں سُنتا بلکہ ہمیشہ اُس کے درپے توہین رہتے ہیں، اس حد تک کہ کسی فاسق اور مبتدع اور خارجی رافضی کے نہیں رہتے اور اس سے اس قدر بغض رکھتے ہیں جتنا یہود و نصاریٰ سے نہیں رکھتے۔ اور جو اس سے

انکار کرے وہ اصل واقعات سے بے خبر ہے۔ حاصل کلام یہ کہ وہ اُن کے نزدیک ضال و مضل ہے۔ حالانکہ اُس کا کوئی گناہ نہیں بجز اس کے کہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرتا ہے"۔ ملخصاً۔

ہمارے اس تمام بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ یہ خیال کہ سارے علماء محدثین کسی نہ کسی کے مقلد تھے کس قدر غلطی و ناواقفی پر مبنی ہے۔ حالانکہ یہ سارے بڑے بڑے علماء محدثین جو گزرے ہیں گو وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف منسوب ہوں مگر اصل میں وہ کسی کے مقلد نہیں۔ اور یہ نسبت خاص خاص وجوہ سے وقوع میں آئی اور اصل میں تقلید ہی کا رواج تھا جس نے اُن کو تقلید کے سلسلہ میں جکڑا اور صورت مقلدین میں ان کو ظاہر کیا۔ افسوس مذہب تقلید نے اپنے اثر سے جس کا اثر عوام تک محدود رہنا چاہیے تھا۔ ان محقق علماء کو بھی نہ چھوڑا اور اُن کی نفس الامر کے خلاف صورت بنا کر دکھائی۔

مذہب تقلید نے صرف یہی نہیں کیا جو ہم نے اب تک لکھا ہے[۱]۔ یعنی یہ کہ خیر القرون کے رنگ کو بدل کر دوسرا رنگ پیدا کیا۔ مسلمانوں میں تفریق ڈال کر چار جماعتوں پر تقسیم کر دیا۔ لوگوں سے بے اصل و نئے نئے دعوے کرائے۔ عالموں کے ساتھ انبیاء کا سا معاملہ کرایا۔ خیر بقاع الارض مکہ معظمہ میں چار مصلے قائم کرا دیے اور جماعت صلوٰۃ میں تفریق پیدا کر دی۔ لوگوں سے آزادی و انصاف پسندی کی بحث کو جس کا نام تحقیق و مناظرہ ہے چھڑا کر خاص خاص رایوں اور مذہبوں کی طرف داری و حمیت پر مجبور کیا جیسا کہ برابر مقلد علماء ایسا کرتے ہیں۔ لوگوں سے اُن کے خاص خاص اماموں کی واقع کے خلاف تعریفیں اور دوسرے اماموں کی مذمتیں کرائیں۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ اُن کی تائید کے حیلے سے اُن سے جھوٹی جھوٹی حدیثیں بنوائیں۔ علماء حقانی و عاملین بالحدیث کے ساتھ عداوت پیدا کرا دی اور اُن پر ظلم کرائے۔ حدیث رسول ﷺ کے ساتھ ایک صورت گستاخی کی پیدا کی۔ علماء حقانی کو مجبور کیا کہ وہ صورت تقلیدی میں ظاہر ہوں۔ وغیرہ۔

---

[۱] چنانچہ ان تمام باتوں کا ذکر مفصل اوپر ہو چکا۔

تقلید، شغل حدیث سے مانع ہوتی ہے:

بلکہ اُس نے دو خرابیاں اور بہت بڑی پیدا کر دیں: اول یہ کہ لوگوں کو عموماً اس سے روک دیا کہ وہ فنِ حدیث میں مشغول ہوں۔ اور اس سے جو کہ مقصود اصلی استدلال و استفادہ تھا وہ حاصل کریں بلکہ وہ اس سے محروم رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا علم اور اُن کے خیالات کی دوڑ خاص خاص ائمہ کے اقوال کے اندر محدود رہی اور ان کا بلاغِ علم کچھ زائد اور وسیع نہ ہو سکا۔ گویا ان کے نزدیک بس شریعت وہی ہے جو اُن کے امام فرما گئے۔ علم حدیث وہ علم تھا کہ ہر اُس شخص کے لیے جو تحصیل علم دین کا قصد کرے وہی غایت قصوٰی اور مقصود اصلی ہونا چاہیے اور زیادہ تر اُسی کا شغل رہنا چاہیے تھا۔ کیونکہ اسلامی احکام کے بڑے حصے کا مدار اسی پر ہے اور وہی سب کا رہنما ہے، لیکن ایسا نہ کیا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ چونکہ بڑی غرض جو حدیث سے متعلق ہے وہ اس سے احکام کا استخراج اور اس پر عمل ہے۔ تو جب احکام و عمل کا مدار خاص خاص علماء کے اقوال پر ٹھہرا اور انھیں سے کام رہا تو حدیث سے استغنا ہو گیا۔ اور اُس سے کوئی بڑی غرض متعلق نہ رہی۔ لہٰذا اُس کی طرف توجہ نہ کی گئی۔

حدیث کی بے قدری اور اس سے بے توجہی:

دوسرے جب قضاء و افتاء و نظام سلطنت اور ملکی قوانین وغیرہ کا مدار انہی فقہی مسائل پر قرار پا گیا۔ اور عموماً لوگ اپنے حوادث و واقعات۔ عبادات و معاملات میں انہی پر عمل کرتے اور انہیں کو پوچھتے تھے۔ لہٰذا انھیں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہوئی اور انھیں کی قدر ہوئی۔ پس انھیں کی طرف عام توجہ ہوئی اور انھیں کو حاصل کیا گیا۔ اور فنِ حدیث سے جس کی اُن کو نہ چنداں ضرورت تھی اور نہ کچھ زائد اس کی قدر تھی بے توجہی کی گئی اور اُس میں شغل نہ پیدا کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کی ضرورت اور اُس کی قدر ہوتی ہے اُسی کو حاصل کیا جاتا ہے اور اُسی میں کمال پیدا کیا جاتا ہے اور اسی کی طرف عام توجہ ہوتی ہے اور جس چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یا اُس کی قدر نہیں ہوتی اُس کے حاصل کرنے والے اور اس میں کمال پیدا کرنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔ غرض رواجِ تقلید نے عموماً لوگوں کو

حدیث سے بے بہرہ کر دیا اور بیشتر وہ طبقہ جو اہلِ علم کے ساتھ نامزد رہے فنِ حدیث سے بے خبر رہ گیا۔ چنانچہ تفصیل اس کی مع ثبوت کے انشاء اللہ تعالےٰ آگے تم دیکھو گے۔

اُہلِ علم میں سے تقلید کے حامی؟

اہل علم میں شمار ہونے والوں میں سے یہی وہ جماعت ہے جو مذہب تقلید کی پشت و پناہ وحامی رہی۔ علماء کے اس فریق کا تقلیدی طرزِ عمل پر قائم رہنا یا اُس کی تائید کرنا نہ کچھ باعثِ تعجب ہے اور نہ قابلِ حجت ہے۔ اس لیے کہ وہ خود ہی مبانی اجتہاد واصول ولائل سے ناواقف رہے اور اُن کا مبلغ علم انھیں تقلیدی علوم کے اندر محدود رہا۔ پس اُن کا قول وفعل خاص کر ایسے اُمور کی بابت کیا قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود ہی دوسرے کے مقلد تھے نہ اُن کی کوئی ذاتی تحقیق تھی اور نہ اپنی کوئی رائے۔

فقہاء کی شہرت، کن علوم میں زیادہ ہوتی تھی؟

علمائے کا یہ گروہ زیادہ تر علم فقہ اور اصول فقہ وعلم بیان ومعانی میں اور بعض فلسفہ

لہ اِس قسم کے علماء زیادہ تر حنفی مذہب میں ہوئے ہیں جو فن حدیث سے ناواقف رہنے کی وجہ سے درجہ اجتہاد کو نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ اگر وہ بہت ترقی کرتے تھے تو اپنے مذہب، کے مجتہد ہوتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف میں فرماتے ہیں: وانقرض المجتهد المطلق المنتسب فی مذهب ابی حنیفة بعد المائة الثالثة وذالك لانه لا یكون الا محدثا جهبذا واشتغالهم بعلم الحدیث قلیل قدیما وحدیثا وانما كان فیهم المجتهدون فی المذهب۔ یعنی "مجتہد مطلق منتسب حنفی مذہب میں تیسری صدی بعد سے نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ تو وہی ہو سکتا ہے جو بڑا محدث ہو۔ اور حنفیوں کا شغل حدیث کے ساتھ کم رہا ہے۔ پہلے سے بھی اور اب بھی۔ ہاں ان میں جو ہوئے تو مجتہد فی المذہب ہوئے"۔ اِس سے ثابت ہوا کہ حنفیوں میں تیسری صدی کے بعد سے جس قدر علماء ہوئے ہیں جن میں یہ اکثر مشاہیر فقہاء اور اصحاب تصنیف اور ان مذکورہ القاب والے بھی داخل ہیں حدیث میں کچھ ایسا دخل نہ رکھتے تھے اور زیادہ تفصیل آگے آتی ہے۔

ہیں بھی جو کچھ عرصہ سے اسلام میں داخل ہو گیا تھا تبحر و کمال حاصل کرتا تھا اور انھیں میں وہ استاذ زمانہ اور مقتداء فن اور صاحب تصنیف و تالیف ہوتے تھے اور انھیں کے اعتبار سے وہ بڑے بڑے مقتدر عالم کہلاتے تھے۔ اور شیخ الاسلام اور فخر الاسلام اور صدر الشریعۃ اور ملک العلماء اور تاج الشریعۃ اور شمس الائمہ وغیرہ لقب پاتے تھے۔ مگر افسوس جس عالی پایہ کے وہ عالم شمار ہوتے تھے یا جس رفیع منزلت کے ان کے القاب تھے اکثر اُن میں کے اس درجہ کے موافق تو کیا اس سے کم بھی حدیث سے واقفیت نہ رکھتے تھے جس کے غالب اسباب ہم بتا چکے۔

فقہاء بالخصوص حنفیہ کی علمِ حدیث میں بے مائیگی :

علامہ عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل ابو شامہ فرماتے ہیں :

"ہمارے[1] زمانے کے فقہاء کتب حدیث و آثار دیکھنے سے اور احادیث کے معانی اور اُن سے جو مسائل نکلتے ہیں ان میں بحث کرنے سے اور شروح حدیث میں جو نفیس نفیس کتابیں لکھی گئیں اُن کے دیکھنے سے محروم ہیں۔ بلکہ انھوں نے اپنے وقت اور اپنی عمروں کو اُن سے پہلے جو پچھلے فقہاء گزرے ہیں انھیں کے اقوال میں فنا کر دیا۔ اور اپنے نبی کے نصوص میں نظر کو جو خطا سے معصوم تھے اور آثار صحابہ میں جنھوں نے وحی اُترتی دیکھی اور پیغمبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مغز شریعت کو سمجھا، چھوڑ بیٹھے۔ سو بے شبہ یہ لوگ

---

[1] عبارت یہ ہے: وقد حرم الفقہاء فی زماننا النظر فی کتب الحدیث والآثار والبحث عن فقہہا ومعانیہا ومطالعۃ الکتب النفیسۃ المصنفۃ فی شروحہا وغریبہا بل افنوا زمانہم وعمرہم فی النظر فی اقوال من سبقہم من متاخری الفقہاء وترکوا النظر فی نصوص نبیہم المعصوم عن الخطاء صلعم وآثار الصحابۃ الذین شہدوا الوحی وعاینوا المصطفیٰ و فہموا نفائس الشریعۃ فلا حرم حرموا رتبۃ الاجتہاد وبقوا مقلدین علی الآباء۔

(دیکھیے مختصر المؤمل ص ۲۹ مجموعہ الرسائل المنیریہ ج ۳-۴ ۲)۔

رتبہ اجتہاد سے محروم رہ گئے اور اپنے باپ دادا کی تقلید ہی پر باقی رہے۔"
شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں :

"اگر نمونۂ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند و خوگرفتہ بہ تقلید سلف و معرض از کتاب و سنت و تعمق و تشدد و استحسان عالمی را مستند ساختہ از کلام شارع معصوم بے پروا شدہ باشند و احادیث موضوعہ و تالیفات فاسدہ را مقتداء خود ساختہ باشند تماشا کن کانہم ھم۔"

اس طبقہ کے لوگوں میں سے اگر کسی پر محدث کا لفظ کسی نے بولا ہو تو اس وجہ سے ہے کہ وہ اسی طبقہ کے لوگوں میں سے بہ نسبت دوسرے کے کسی قدر حدیث سے لگاؤ رکھتا تھا یا یہ کسی مناقب لکھنے والے نے مبالغۃً لکھ دیا جیسا کہ عادۃً محدثین کے سوا مناقب لکھنے والوں کا مبالغہ کا دستور ہوتا ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

تقلید، عمل بالحدیث سے مانع ہوتی ہے :

دوسرے وہ بات جو مذہب تقلید نے پیدا کر دی یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو کلام الٰہی اور حدیث رسولؐ پر عمل سے روکا اور اُن سے طرح طرح کے حیلوں و بہانوں کے ساتھ جن کا ذکر ہم انشاء اللہ العزیز آگے کریں گے۔ اُن کا رد اور دونوں سے انکار کرایا۔ اس کے متعلق اگر ہم صرف اپنا ہی مشاہدہ لکھیں جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ جب کسی مقلد کے سامنے خواہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ) کوئی ایسی آیت یا حدیث پیش کی جاتی ہے جو اُن کے مذہب کے موافق نہیں تو اس کے دفع کے لیے کیا کیا وہ حیلے نکالتے اور باتیں پیدا کرتے ہیں اور کسی طرح وہ اُن کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو کاہے کو کوئی اعتبار کرے گا۔ لہذا ہم نظیر کے طور پر چند ایسے مستند علماء کی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :

"میرے استاذ خاتمۃ المحققین والمجتہدین نے فرمایا کہ میں نے (ایک دو کو نہیں) بلکہ ایک جماعت مقلدین فقہاء کو مشاہدہ کیا کہ میں نے بعض ان

مسائل ہیں جو اُن کے مذہب کے خلاف تھے اُن کے سامنے قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پڑھیں مگر انھوں نے اُن آیتوں کو نہ مانا اور نہ اُن کی طرف کچھ التفات کیا بلکہ مجھ کو ازر تعجب[1] کی نگاہ سے دیکھنے لگے ۔ گویا یہ کہ ان ظاہر آیتوں پر عمل کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ہمارے سلف تو اس کے خلاف کہہ گئے ہیں (دیکھتے ہیں) اے مخاطب اگر تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور کرے (تو ایک جماعت فقہاء کیا) یہ بلا تو اکثر (ایسے مقلدین) میں تو گھسی ہوئی پائے گا جو اہلِ دنیا سے ہیں ۔"

حیلہ تراشی :

شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۲۸ معرفت نسخ شریعت میں لکھتے ہیں :

"شیطان[2] کو اللہ تعالیٰ نے خیال پر تسلط دیا ہے ۔ پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اس کو بہکاتا ہے اور یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ روایت اللہ کی ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پہلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے اللہ تک پہنچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے ۔ اسی قسم

---

[1] اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ ہمارے ہمعصر جناب مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم رامپوری کو جن کی تحقیقات بالغہ پر بہت سے مقلدین کو ناز ہے یہ مضمون تفسیر کبیر میں تحت آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم کے نہیں ملا جیسا کہ وہ خود انتصار الحق میں لکھتے ہیں ۔ حالانکہ اسی آیت کے تحت میں یہ مضمون موجود ہے ۔ چنانچہ عبارت اسکی یہ ہے : قال شیخنا و مولٰنا خاتمۃ المحققین والمجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد شاھدت جماعۃ من مقلدۃ الفقہاء قرأت علیھم آیات کثیرۃ من کتاب اللہ تعالیٰ فی بعض المسائل وکانت مذاھبھم بخلاف تلک الآیات فلم یقبلوا تلک الآیات ولم یلتفتوا الیھا وبقوا ینظرون الی کالمتعجب یعنی کیف یمکن العمل بظواھر الآیات مع ان الروایۃ عن سلفنا وردت علی خلافھا ولو تاملت حق التامل وجدت ھذا الداء ساریا فی عروق الاکثرین من اھل الدنیا ۔

[2] اس مضمون کو شیخ موصوف نے طویل عبارت میں لکھا ہے ہم نے اس کا خلاصہ بطور حاصل کے ذکر کر دیا ۔

کی باتیں اُس فقیہ کے دل میں ڈال کر اُس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے اُسے ایک حیلہ شرعی بتا دیتا ہے۔ پس وہ فقیہ احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور اُس کے عدمِ قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر یہ حدیث صحیح ہے مگر کوئی دوسری حدیث اُس کے معارض اور اُس کی ناسخ نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی اس پر عمل کرتے۔ اگر وہ فقیہ شافعی ہے یا امام ابوحنیفہ اُس پر عامل ہوتے اگر وہ فقیہ حنفی ہے۔ غرض کہ جو فقیہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر و حیلے کرتا ہے اور عامل بالحدیث کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اُس کے امام نے کہہ دیا اُس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ اُن کے اقوال حدیث کے معارض ہوں۔ لیکن وہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ پس اگر ہم اُس سے کہیں کہ امام شافعی صاف کہہ گئے کہ اگر کوئی حدیث تم کو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پھکو اور حدیث پر عمل کرو اس لیے کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو۔ اور مثل اِسی کے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے۔ اور یہ اقوال اُنھیں کے مقلدین کی روایت سے ثابت ہیں۔ پس ایسی باتوں کو سُن کر مقلد چپ ہو جاتے ہیں اور کچھ معقول جواب نہیں دے سکتے۔ مجھے ایسے مباحث کا اکثر اتفاق ہوا ہے۔ غرضکہ خواہشات نفسانی کے سبب سے فقہاء نے شریعت محمدیؐ کو منسوخ کر دیا۔ احادیث صحیحہ کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور اُن کی جرح و تعدیل بھی منقول ہے اور اُن کی سندیں بھی بلا تغیر و تبدل کے محفوظ ہیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی اُن پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں ہی کے فتووں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور باوجود مخالفت احادیث صحیحہ کے اپنے فقیہوں کے قول کو ترک نہیں کرتے۔"[2]

---

[1] یہاں پر کی عبارت یہ ہے: ویدع الاحادیث النبویۃ الخ۔

[2] ماخوذ از دراسات اللبیب ص ۱۷۹-۱۸۰ طبع کراچی ـــــ ع، ح۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں :

"بڑا ہی[1] تعجب ہے کہ فقہاء مقلدین باوجودیکہ وہ اپنے امام کی دلیل کے ضعیف ہونے سے واقف ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ضعف کا کچھ جواب نہیں دے سکتے مگر بایں ہمہ اپنے امام کی تقلید کیے جاتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید پر جمے رہنے کی وجہ سے ایسے شخص کے قول کو جس کے لیے قرآن وحدیث وقیاس صحیح شاہد ہے نہیں قبول کرتے بلکہ ظاہر کتاب وسنت کے رد کرنے کے لیے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور ان میں بعید اور غلط غلط تاویلیں کرتے ہیں تاکہ اپنے امام کی طرف سے جواب دیں"۔

امام شعرانی میزان کبریٰ میں تحریر[2] فرماتے ہیں :

"اگر تو پوچھے اُن احادیث کی بابت میں کیا کروں جو میرے امام کی وفات کے بعد صحیح ثابت ہوئیں اور امام نے اُن کو نہیں لیا تھا تو جواب یہ ہے کہ تجھ کو لائق ہے کہ تو اُن پر عمل کرے۔ کیونکہ اگر تیرا امام اُن کو پاتا تو انھیں کے ساتھ حکم دیتا۔ اور جس نے ایسا کیا تو اُس نے بھلائی کو دونوں ہاتھوں سے جمع کر لیا۔

---

[1] عبارت یہ ہے : ومن العجب العجیب ان الفقہاء المقلدین یقف احدھم علی ضعف ماخذ امامہ بحیث لایجد لضعفہ مدفعا وھو مع ذالک یقلدہ فیہ ویترک من شھد الکتاب والسنۃ والاقیسۃ الصحیحۃ لمذھبہم جموداً علی تقلید امامہ بل یتحیل لدفع ظاھر الکتاب والسنۃ ویتاولھا بالتاویل البعیدۃ الباطلۃ نضالاً عن مقلدہ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۵ ج ۱)

[2] عبارت یہ ہے : فان قلت فما اصنع بالاحادیث التی صحت بعد موت امامی ولم یاخذ بہا فالجواب الذی ینبغی لک ان تعمل بہا فان امامک لوظفر بہا وصحت عندہ لربما کان امرک بہا ومن فعل مثل ذالک فقد حاز الخیر بکلتی یدیہ ومن قال لا اجد یث الا ان اخذ بہ امامی فاتہ خیر کثیر کما علیہ کثیر من المقلدین لاھل المذاھب وکان الاولی لہ العمل بکل حدیث صح بعد امامہ۔ ملخصاً (ص ۲۶)

اور جس نے کہا کہ وہ حدیث جس کو میرے امام نے نہیں لیا میں اُس پر نہیں عمل کرونگا تو اُس کے ہاتھ سے خیر کثیر نکل گئی۔ جیسا کہ بہت سے مقلدین کا حال ہے حالانکہ لائق اُن کو یہ تھا کہ وہ ہر حدیث پر عمل کرتے" ملخصاً۔

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :

"برخلاف اس کے کہ بعض مقلدین کا حال ہے کہ انھوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری یا مسلم میں پاؤں اور اُس کو میرے امام نے نہ لیا ہو تو اُس پر میں عمل نہیں کرنے کا حالانکہ یہ اُس کی شریعت کے ساتھ نادانی ہے۔ اور سب سے پہلے اس کا امام ہی بری (اور ناراض) ہے"[1]۔

اُس کے متعلق امام شعرانی کا ایک قول انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی آئے گا۔

مقلد، حدیث کیوں پڑھتے ہیں ؟

علامہ محمد حیات السندی ثم المدنی اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں[2] :

---

[1] عبارت یہ ہے : خلاف ما علیہ بعض المقلدین حتی انہ قال لی ولو وجدت حدیثاً فی البخاری ومسلم لم یاخذ امامی لا اعمل بہ وذالک جہل منہ بالشریعۃ واول من یتبرأ منہ امامہ (ص۵۹)۔

[2] عبارت یہ ہے : لبس ابلیس علی کثیر من البشر فحسن لھم الاخذ بالرائی لابالاثر واوھمھم ان ھذا ھو الاولی والاخیر فجعلھم بسبب ذالک محرومین عن العمل بحدیث خیر البشر وھذہ البلیۃ من البلایا الکبر فانا للہ وانا الیہ راجعون وتراھم یقرءون کتب الحدیث ویطالعونھا ویدرسونھا لا لیعملوا بھا بل لیعلموا دلائل من قلدوہ وتاویل ما خالف قولہ ویبالغون فی المحامل البعیدۃ واذا عجزوا عن المحمل قالوا من قلدنا ھو اعلم منا بالحدیث اولا یعلمون انھم یقیمون حجۃ اللہ علیھم بذالک ولا یستوی العالم والجاھل فی ترک العمل بالحجۃ واذا مر علیھم حدیث یوافق قول من قلدوہ انبسطوا واذا مر علیھم حدیث یخالف قولہ او یوافق مذھب غیرہ انقبضوا ولم یسمعوا قول اللہ تعالی : فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔ (دیکھیے ایقاظ ھمم اولی الابصار ص طبع مصر - ۲۰۶)

"ابلیس نے بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا اور اُن کو حدیث چھڑا کر رائے کا اختیار کرنا اچھا بنا کر دکھایا۔ لہٰذا اُن کو حدیث خیر البشر پر عمل کرنے سے محروم کر دیا۔ تو یہ لوگ جو کتب احادیث کو پڑھتے پڑھاتے یا دیکھتے ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ اس پر عمل کریں بلکہ اس لیے کہ جس امام کے مقلد ہیں اُن کے دلائل (مخالفین پر پیش کرنے کے لیے) معلوم کر لیں۔ اور جو حدیثیں اپنے امام کے خلاف ہیں اُن کی تاویل کر دیں۔ چنانچہ یہ لوگ ایسی احادیث کے (جو اُن کے امام کے خلاف ہیں) بعید بعید معنے بناتے ہیں اور جب یہ بھی نہیں کر سکتے (اس لیے کہ کوئی بعید معنے بھی نہیں بن پڑتے) تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ جن کے ہم مقلد ہیں وہ ہم سے زیادہ حدیث کے جاننے والے تھے۔ اور وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ ایسا کر کے اپنے اوپر اللہ کی حجت اور قائم کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک ناواقف آدمی دلیل پر عمل نہ کرے اور ایک جان کر نہ کرے، یہ دونوں برابر نہیں ہوتے (اور انھوں نے جان بوجھ کر حدیث کا انکار کیا) اور (ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) اگر ایسی حدیث نکلے جو اُن کے امام کے موافق ہو تو خوش ہو جاتے ہیں۔ اور جب ایسی حدیث نظر پڑے جو ان کے امام کے قول کے مخالف ہے یا کسی دوسرے امام کے قول کے موافق ہے تو تنگ دل ہو جاتے ہیں (اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کو اصل حدیث سے غرض نہیں بلکہ اپنے امام کی موافقت سے غرض ہے) کیا اُنھوں نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا[1] فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

---

[1] یعنی "سو تیرے رب کی قسم ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنی اختلافی باتوں میں تم کو پنچ نہ ٹھیرائیں (اور تمھاری طرف رجوع نہ کریں) پھر تمھارے فیصلہ سے اپنے دلوں میں ذرا بھی تنگی نہ پائیں اور (تمھاری بات کو) خوب اچھے طور سے نہ تسلیم کر لیں۔"

فاضل[1] لکھنوی نافع کبیر میں جس کو انھوں نے امام محمد کی جامع صغیر کی شرح کے لیے بطور مقدمہ کے لکھا ہے تحریر فرماتے ہیں:

"پہلے ہی زمانے سے اس وقت تک برابر لوگ اس بارے میں دو فریق رہے ہیں۔ ایک گروہ وہ جنھوں نے حنفیت میں سخت تعصب برتا اور جو کچھ فتاویٰ فقہ حنفی کی کتابوں میں ہے اُسی کا سختی کے ساتھ التزام کر لیا گو حدیث صحیح یا اثر صریح اس کے معارض ہو مگر وہ فقہ کے مسئلے کو نہیں چھوڑتے) اور یہ خیال کر لیا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہمارے امام اُس کو ضرور لیتے اور اُس کے خلاف حکم نہ دیتے۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کی نادانی ہے۔ امام کے اس قول سے جو انھوں نے اپنے اقوال کے اوپر حدیث و آثار کے مقدم کرنے کو فرمایا۔"

شاہ عبد العزیز صاحب اپنے ایک فتوے[2] میں تحریر فرماتے ہیں:

"فی الحقیقت اگر مقلدانِ مذاہب تفحص کنند دریا بند کہ ایں بلاء تقلید ایشاں را بحدے کشیدہ کہ قول ہر یکے از احاد فقہاء بمقابلہ حدیث می آرند بلکہ ترجیح میدہند وایں از آں قبیل ست کہ علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے۔"

حضرت مرزا[3] مظہر جان جاناں صاحب فرماتے ہیں:

"علم حدیث جامع تفسیر و فقہ و دقائق سلوک است از برکات ایں علم نور ایمان

---

[1] عبارت یہ ہے: تفرق الناس من قديم الزمان الى هذا الاوان فى هذا الباب الى الفرقتين فطائفة قد تعصبوا فى الحنفية تعصبا شديدا والتزموا بما فى الفتاوى التزاما شديدا وان وجدوا حديثا صحيحا او اثرا صريحا على خلافه وزعموا انه لو كان هذا المذهب صحيحا لاخذ به صاحب المذهب ولم يحكم بخلافه وهذا جهل منهم بما روته الثقات عن ابى حنيفة من تقديم الاحاديث والآثار على اقواله۔

[2] دیکھو فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔

[3] دیکھو کلمات طیبات بضمن ملفوظات صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ مطبع العلوم مراد آباد۔

مے افزائد و توفیق عمل نیک و اعمال حسن پیدا میشود۔ عجب ست کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کہ محدثین بیان آں نمودہ اند و احوال رواۃ آں معلوم ست و بچند واسطہ میرسد بہ نبی معصوم کہ خطا را براں راہ نیست۔ بعمل نمی آرند و روایت فقہ کہ ناقلاں آں قضاۃ و مفتیان اند و احوال ضبط و عدل آنہا معلوم نیست و بزیادہ از دہ واسطہ میرسد بمجتہد کہ خطا و صواب از شان اوست معمول گردیدہ است رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا[1]"

اسی قسم کی اور بھی بہت سی مستند علماء کی شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس تقلید نے کس قدر عمل بالحدیث سے روکا اور کس کس طرح سے حدیثِ رسول کا انکار کرایا۔ ان مختلف زمانے[2] کے لوگوں کی شہادات سے ثابت ہوا کہ ان تمام زمانوں میں مذہب تقلید نے اپنا یہ اثر دکھایا ہے اور یہ صرف انھیں شہادتوں سے نہیں بلکہ ہم نے جو پہلے اہلحدیث کو اذیتیں دیے جانے کے چند قصے لکھے اُن سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگ اگر دلیل و تحقیق کے پابند ہوتے اور تقلید کے شیدا نہ ہوتے اور اُن کو عمل بالحدیث سے کوئی خلاف نہ ہوتا تو اہلِ تحقیق کو اذیتیں کیوں دیتے۔

ناظرین کو اس بیان سے خوب واضح ہو گیا کہ تقلید پیشہ لوگوں کا حدیث پر عمل سے انکار اور اہلحدیث سے عداوت یہ کچھ آج نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے ہی سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور اہلحدیث کے ان کے ساتھ یہ جھگڑے قصے[3] جو ہمارے زمانے میں ہو رہے ہیں برابر ہوتے رہے ہیں۔

پس ہمارے زمانے کے لوگوں کا یہ خیال کہ یہ سارے جھگڑے اب پیدا ہوئے ہیں پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور نہ ان غیر مقلدوں کے خیال کا کوئی شخص تھا کس قدر ناواقفی اور غلطی پر مبنی ہے۔ بلکہ جیسا اہلِ تقلید کو ان تمام زمانوں میں عمل بالحدیث سے انکار و نفرت رہی ویسے ہی ہمیشہ اہلِ تحقیق ان کے مقابلے میں موجود رہے اور ان کا رد اور ان سے بحث

---

[1] یعنی اے رب ہمارے تو ہماری بھول چوک پر ہم سے مواخذہ نہ کر۔

[2] ان لوگوں کے زمانے تم کو ہمارے آیندہ بیان میں معلوم ہوں گے۔

[3] البتہ پہلے کے بیشتر زمانوں میں اہلحدیث اس بے خوفی سے بحث و جھگڑے نہ کر سکتے تھے جیسا کہ اب ہندوستان میں کر سکتے ہیں۔

کرتے رہے۔ افسوس مذہب تقلید نے اسلام میں یہ کس قدر بڑی خرابی پیدا کر دی جس نے عین منشاء اسلام کے ساتھ مزاحمت کی اور اصل تعلیم اسلام وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[1] کے ساتھ مخالفت پیدا کرا دی۔

الحاصل مذہب تقلید پر جو نتائج مرتب ہوئے اُس کا نمونہ یہ تھا جو تم نے دیکھا، اور واقع میں یہ جو کچھ ذکر کیا بطور نمونہ کے ذکر کیا ہے ورنہ نتائج اُن کے سوا اور بھی ہیں جن میں سے بعض بعض متفرق طور پر انشاء اللہ تعالیٰ آگے بھی ہماری تحریر میں تم پاؤ گے یہاں تک ہم مذہب تقلید کے مبداءِ ولادت سے اُس کے سن شباب تک کی سوانح عمری سے فارغ ہو گئے اور یہ صاف طور پر بتا چکے کہ وہ کب پیدا ہوا اور کیوں کر پیدا ہوا اور کس وقت پوری ترقی حاصل کی، اور اپنی ترقی کے بعد اُس نے کیا کیا کام کیے اور کیا اثر دکھلائے۔ اب ہم کو صرف اُس کے سن انحطاط و وقت وفات کی بابت کچھ کہنا باقی رہا۔

لیکن قبل اُس کے کہ ہم اُس کے متعلق کوئی مفصل بات کہیں اس بات کا سُننا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ان مختلف زمانوں میں مذہب تقلید کے عجب عجب رنگ بدلے ہیں۔ اسلام کے اندر ایک وہ وقت تھا کہ اُس کو (تقلید کو) کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پھر ایک وہ وقت آیا جب اُس کے کچھ آثار نمودار ہوئے تو عموماً علماء وقت اور ائمہ نے اُس سے منع کیا اور وہ اُس کی مذمت کرتے رہے۔ پھر ایک وہ زمانہ آیا کہ عموماً لوگ اُسی کے پابند اور اُسی کے معتقد ہو گئے گو علماء محققین اُس وقت میں بھی اُس کو بُرا ہی کہتے رہے مگر عام رنگ اُسی کے موافق تھا۔

تقلید کی شرعی حیثیت؟

ان زمانوں میں تقلید کبھی واجب کبھی فرض کبھی علامت اہلِ سنت قرار دی جانے لگی۔ پھر ایک وقت آیا کہ جب علماء اہلحدیث نے علانیہ اُس کو رد کیا اور بحث مباحثے ہوئے اور

---

[1] یعنی جو رسول تم کو (حکم) دیں اُس کو (مان) لو اور جس (بات) سے منع کریں اس سے باز رہو۔

اُس کی ذریات کو ان دعووں کے ثابت کرنے کے لیے کوئی کافی دلیل نہ مل سکی تو کبھی تو کوئی مجبور ہو کر یہ کہنے لگا کہ بیشک واجب نہیں ہے[1]۔ مگر مصلحتہً اور مجبوری کو التزام کرنا پڑا۔ مگر اثبات کا اُس کے بھی کوئی ذریعہ نہ مل سکا۔ اور جو کچھ اس بارے میں کہا گیا اُس کی وقعت کسی طرح اُس سے زائد نہیں ہو سکتی جو کسی بات کے چل نکلنے کے بعد اُس کے صحیح بنانے کے لیے باتیں بنائی جاتی ہیں بلکہ جو کچھ کہا گیا اُس پر ناقابلِ دفع اعتراض کیے گئے اور کبھی کسی نے اُس میں بہت سی قیدیں[2] اور تخصیصیں بڑھائیں اور دعوے کے دائرے

---

[1] چنانچہ صاحب الفتح المبین لکھتے ہیں "حاصل کلام یہ ہے حنفیہ تقلید شخصی کو واجب نہیں جانتے ہیں" ص۳۲۔ اسی صفحہ میں بجواب قول صاحب الظفر المبین (التزام مذہب معین میں حکم اور خطاب شارع کا صادر نہیں ہوا) لکھتے ہیں مذہب معین کا التزام بوجہ عوارض مجبوراً کرنا پڑا۔ کیونکہ ایک ایک مسئلہ میں اختلافات کثیر تھے۔ کسی کے نزدیک حرام کسی کے نزدیک حلال تھا۔ اس لیے بغیر تقلید ایک کے چارہ نہ تھا"

[2] چنانچہ انتصار الحق ص۱۴۲ میں لکھتے ہیں "معلوم کرو کہ مجتہد مطلق مستقل ہو یا منتسب اسی طرح مجتہد فی بعض المسائل اور مجتہد فی المذہب ان سب پر حکم وجوب تقلید امام کا جمیع احکام اجتہادیہ میں نہیں کیا گیا۔ اگر حکم وجوب تقلید جمیع احکام اجتہادیہ میں ہے تو مقلد صرف پر ہے جس کو کسی قسم کی استطاعت اور فہم استخراج مسائل کے نہیں" پھر لکھتے ہیں: "پھر وہ مقلد جس پر جمیع مسائل اجتہادیہ میں حکم وجوب تقلید ہے اس کی کئی قسموں میں ایک تو وہ کہ ابتداءً اسلام لایا اور ابھی تقلید کسی مجتہد کی نہیں کی ہے۔ دوسرا وہ کہ تقلید کسی امام کی کی لیکن التزام اور عزم تقلید امام معین کا جمیع مسائل میں نہیں کیا۔ تیسرا وہ کہ اس نے التزام تقلید کسی مجتہد کا جمیع مسائل اجتہادیہ میں کر لیا۔ قسم اول و ثانی پر ہم کو ثابت کرنا وجوب تقلید امام معین کا اس محل میں مقصود نہیں" پھر لکھتے ہیں: "باقی رہی قسم ثالث، ان پر حکم وجوب تقلید امام معین کیا جاتا ہے اور اس قسم ثالث پر جو مقصود ہے حکم وجوب تقلید امام معین علی الاطلاق نہیں۔ مقید ہے ساتھ عدم وقوع ضرورت طبعیہ معتبرہ شرع کے اور ساتھ عدم ظہور ضعف ماخذ حکم کے ظہور معتبر عند الشرع ملخصاً" اور صفحہ ۱۴۹ میں لکھتے ہیں "ملتزم مذہب معین پر بھی ہم نے مطلقاً عدم جواز ترک تقلید کا حکم نہیں کیا۔ درصورت جمع مذہبین کے اور وقوع ضرورت معتبرہ شرعیہ کے ترک تقلید واسطے (۲)

کو بہت کچھ تنگ کیا کہ کہیں یہی ثابت ہو جائے اور فریقِ مقابل کی بات کو دعوے کے اکثر حصوں میں تسلیم کر لیا کہ شاید اس پر ہی راضی ہو کر چپ ہو جاویں ۔ لیکن اہلِ تحقیق نے اپنے فرضِ منصبی کو نہ چھوڑا اور بقیہ دعوے کے نقصانات کو بھی کھول کر سامنے رکھ دیا ۔ آخر وہ جزءِ دعوے بھی ثابت نہ رہ سکا ۔ بالآخر کہا گیا ، نہ واجب ہے ، نہ فرض ہے ، نہ شرعاً نہ مصلحۃً ، ہاں جائز[۴] ہے ۔ حالانکہ جواز بھی ایک امر شرعی ہے ، اُس کے لیے بھی دلیل درکار ہے اور کوئی دلیل نہیں ہے جو اس مذہب تقلید کے جواز پر پیش کی جا سکے ۔

ومن ادعی فعلیہ البیان ۔

اہلحدیث کے فرقہ ناجیہ ہونے کا اعتراف :

غرض آخر کار اہل حدیث کے فریقِ مقابل بجائے اس کے کہ وہ اہل حدیث کو کافر و فاسق و گمراہ و اہلسنت سے خارج ٹھہراتے تھے اُن کے قوی قوی دلائل اور ناقابلِ رد

---

(۴) عامی کے جائز ہے " ۔ اور صفحہ ۱۹۱ میں لکھتے ہیں " خلاصہ تمام کلام ہماری کا یہ ہے کہ مقلد صرف ملتزم مذہب پر مسائل تقلیدیہ میں تقلید امام اپنے کی علی التعیین واجب ہے ۔ جب تک کوئی ضرورت قویہ معتبرہ ترک تقلید پر باعث نہ ہو اور جب تک احتیاط مذہب غیر میں نہ ہو اور جب تک قوت اجتہادی حاصل نہ ہو اور درصورت وقوع ضرورت معتبرہ کے اور احتیاط کے بیچ مذہب غیر کے بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہب مقلد کے اور وقت پہنچ جانے مقلد کے مرتبہ اجتہاد کو اگرچہ فی الجملہ ہو بنظر کشفی یا استدلال چھوڑ دینا تقلید امام معین اپنے کا لغرض محمود ممنوع نہیں " ۔ اور صاحب الفتح المبین لکھتے ہیں : " حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص واقف سنت ہو اس کو حنفی یا شافعی بننا کچھ ضرور نہیں اور واقف ہونے کی کئی صورتیں ہیں " ۔ صفحہ ۲۵ ، اور صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں " اور اسی قسم کے (اختلافی) مسائل میں تقلید ضروری ہے ۔ جو مسائل صریح قرآن و حدیث سے ماخوذ ہوتے ہیں اُن میں تقلید محض بے اصل اور لغو ہے " ۔ اور کچھ اقوال ان کے اُس کے متعلق ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں ۔ دیکھو نوٹ ص ۳۶

عہ جیسا کہ اب ہمارے بعض معاصر کہتے ہیں ۔

اعتراضات سنتے سنتے تنگ آکر اپنی ہی خیر منانے لگے اور اُن کی ہوشمند افراد کی تحریریں اور تقریروں میں اہل حدیث کے مذہب اور اہل حدیث کے مسائل سے انکار اور اُن پر آپڑنے کے بجائے اپنے مذہب اور اپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے لالے پڑ گئے بلکہ اپنے مذہب کے سوا کی بھی[1] صحت کا مجبوراً صاف صاف اقرار کرنے لگے نہیں

---

[1] چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پیشوائے حنفیہ دیوبندی المذہب رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں: "الحاصل تقلید مطلق جو شخصی اور غیر شخصی دونوں کو شامل ہے کتاب وسنت سے ثابت ہے۔" (صفحہ ۲۴)۔ اور لکھتے ہیں "پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ تقلید ہر دو نوع کتاب وسنت وفعل صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہے۔ اور بدون ہوائے نفسانی کے خاص لوجہ اللہ تعالیٰ اخواص کو عمل ہر دو (شخصی وغیر شخصی) پر درست ہے اور عوام اہل انجاب پر غیر شخصی موجب ان کے اضلال کا ہے، بسبب ان کے فساد طینت کے نہ فی حد ذاتہ کہ وہ مامور ہے لہذا شخصی کا ارتکاب اولیٰ ہے اور مصالح عدیدہ پر مشتمل ہے۔" (صفحہ ۷۴) "اس سے معلوم ہوا کہ شارع کی طرف سے تقلید شخصی کی کوئی تخصیص وتعیین نہیں ہے۔ اور خواص کو تو عام اجازت ہے کہ وہ تقلید شخصی کے پابند نہ رہیں۔ لیکن عوام کے لیے شخصی کی قید ہے تو صرف بالائی باتوں کی وجہ سے ہے نہ اصل حکم شارع میں۔ بہرحال شخصی اولیٰ ہے نہ ضروری۔" اور لکھتے ہیں: "پس جملہ محدثین (اہلحدیث) اور فقہاء (مقلدین) عامل کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور وہ سب فرقہ ناجیہ وسنت جماعت سے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہو گیا ہے۔ بیان فرقہ ناجیہ میں ما انا علیہ واصحابی پس صحابہ کا طریق اور ان کا اتباع ہی راہ نجات ہے اور وہی فرقہ ناجیہ ہے۔ لہذا جملہ مجتہدین (مثل ائمہ اربعہ) اور اُن کے اتباع (مقلدین) اور جملہ محدثین (اہلحدیث) فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعت ہو گئے۔ البتہ جو جہال کہ محدثین مقبولین کو اپنی تقلید کے جوش تعصب میں طعن وتشنیع کرتے ہیں یا جو عامل بحدیث بزعم خود ہو کر فقہاء مجتہدین راسخین پر سب وشتم کرتے ہیں اور فقہ کے مسائل مستنبطہ عن النصوص کو بنظر حقارت دیکھ کر زشت وزبون جانتے ہیں وہ لوگ خارج از فرقہ ناجیہ اہلسنت اور متبع ہوائے نفسانی اور داخل گروہ اہل اہوا کے ہیں فقط اور لاریب جو مسئلہ خلاف سب نصوص کے ہے

بلکہ خود اپنے فریق کی غلطی و تعصب کے قائل ہو کر اُن کو ڈپٹنے لگے (گو زبانی ہی سہی) کہ تھوڑی دیر کو وہ چپ ہو جائیں۔ ورنہ یہاں تو بالکل ہی کرکری ہوئی جاتی ہے۔ اور مسائل کی نسبت[1] بھی یہ ہونے لگا، بھائی ہمارے مسائل بھی صحیح ہیں تمہارے مسائل بھی صحیح ہیں۔ ہمارے مسائل

---

(۲) وہ باطل اور ترک اس کا واجب ہے" (صفحہ ۳)۔ پس معلوم ہوا کہ تسلیم ہے کہ اہلحدیث بھی فرقہ ناجیہ و اہلسنت والجماعۃ ہیں اور بہت سے متعصب مقلد جو اہلحدیث پر طعن و تشنیع بیجا کرتے ہیں وہ لوگ گمراہ اور خارج از اہلسنت ہیں اور اہلحدیث میں سے صرف وہی لوگ جو فقہا و مجتہدین راسخین پر سب و شتم کرتے اور مسائل فقہ کو جو مستنبط عن النصوص ہیں بُرا جانتے ہیں غلطی پر ہیں، نہ سب۔ حالانکہ یہ باتیں جو اہلحدیث کی طرف نسبت کرتے ہیں ان کی حقیقت ہم پہلے بتا چکے۔

مولوی رشید احمد صاحب کا اہلحدیث کے مسائل متنازعہ کو صحیح تسلیم کرنا:

چنانچہ سبیل الرشاد میں انھیں مسائل کی بابت جن میں اہلحدیث کا زیادہ تر خلاف مشہور ہے جو لکھتے ہیں اس سے ظاہر ہے (قرأۃ فاتحہ خلف الامام) "ہرگز تارک قراءۃ خلف الامام کی صلوٰۃ فاسد و ناقص نہ ہوگی جیسا کہ قاری کی نماز میں نقصان نہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور ہر ایک رائے و تاویل صحابہ و تقریر فخر عالم علیہ السلام پر عامل ہے کسی کو دوسرے پر گنجایش طعن کی نہیں" (صفحہ ۲۷) "اور دونوں کا عمل عنداللہ کامل ہے کچھ فساد کسی میں نہیں اور نہ کراہتہ" (صفحہ ۲۶)۔ "(رفع الیدین) دونوں طرف احادیث صحاح ہیں اور ہر دو جانب معمول صحابہ علیہم الرحمۃ ہیں پس اب کیا محل طعن و کلام کا کسی کو ہے" (صفحہ ۲۹)۔ "(آمین بالجہر) دونوں قول صحیح ہیں کہ دونوں تقریر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور عمل صحابہ سے ثابت ہیں" (صفحہ ۲۹)۔ "(وضع الایدی علی الصدر) علی ھذا سینہ پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف دونوں میں یکساں احادیث ہیں" (صفحہ ۲۹)۔ لیکن یہ ساری باتیں زبانی ہیں اور اس مجبوری کو کہ بغیر اس طریقہ کلام کے برتنے کے اپنے مذہب و اپنے مسائل کے صحیح ثابت کرنے کے کوئی صورت نہیں نکل سکتی ورنہ تعصب و عناد کی جو حالت خود اُن کی اور اُنکے معتقدین کی ہے اُنکے طرز برتاؤ سے ظاہر ہے اور کچھ اسکے متعلق ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں (دیکھو حاشیہ صفحہ ۴۷)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بپابندی انھیں قیدوں و تخصیصوں کے جن کی صورت میں یہ لوگ تقلید شخصی کو واجب نہیں کہتے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے، ترک تقلید شخصی کر کے عمل بالحدیث کرتے اور اہلحدیث ویسا کرتے ہی ہیں، تب بھی اس سے جلے جاتے ہیں۔ پس اگر یہ صرف زبانی باتیں نہیں تو پھر اُس سے کیوں جلتے ہیں۔۔

بھی غلط نہیں ہیں (کچھ نہ کچھ اصل رکھتے ہیں) جیسا کہ تمہارے مدلل ہیں اور کسی کو دوسرے پر گنجائش طعن کی نہیں۔

تسلیم حق کے باوجود اہل حدیث سے عداوت :

مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عملاً بھی ایسا ہی برتا گیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اکثر باتیں حد قول ہی میں محدود رہیں۔ اور وہ بھی اس ضرورت سے کہ مباحثے و مناظرے میں کوئی پیش نہیں جاتی تھی۔ اور عملاً اُن کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عملاً تقلید کے التزام کی اور فریق مقابل کے ساتھ خلاف و عناد کی وہی حالت رہی لیکن ان سارے بحث و مباحثوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اُس کی جماعت کے افراد گھٹنے لگے اور اُس کی جمیعت میں انحطاط شروع ہو گیا۔ گو ایک طائفہ تو ہمیشہ ہی سے اہلحدیث کا قائم رہا ہے جس کا قائم رہنا ضروری تھا جیسا کہ ہم آگے ظاہر کریں گے۔

مذہب تقلید کا وقتِ انحطاط اور وفات !

مگر اب ایک مدت سے تقلیدی گروہ کی اصل جمیعت میں انحطاط ہو کر اہل حدیث کی جمیعت کو بہت ترقی ہو گئی۔ اور ماشاء اللہ روز افزوں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ اس لیے کہ وہ وقت جس میں ان تمام نئے نکلے ہوئے مذہبوں کا فنا و زوال ایک لازمی امر ہے۔ یعنی وقت ظہور مہدی موعود و نزول مسیح علیہما السلام غالباً بہت قریب آ گیا۔ اور یہاں نفس الامر کے خلاف اُلٹے خیالات[1] پکنے لگے تھے کہ وہ مقلد اور حنفی المذہب ہوں گے۔ اگر کوئی ان لغو خیالات کا رد کرنے والا نہ ہوتا تو یہ مسئلہ بھی اُن کے قطعی علامات میں داخل ہو جاتا۔ اور جب وہ اُن کے قطعی عقیدے کے خلاف ظہور فرماتے جیسا کہ ہونے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ خود مجتہد[2] و عامل بالحدیث

---

[1] چنانچہ اوپر ہم لکھ چکے ہیں (دیکھو حاشیہ ص ۱۵۲) اور اگلی عبارت ردالمحتار کی بھی اس کی شاہد ہے۔

[2] **کیا مہدی موعود حنفی ہوں گے ؟**

چنانچہ ردالمحتار حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں: وما یقال ان الامام المھدی یقلد اباحنیفۃ ردہ (ص

ہوں گے نہ مقلد۔ تو بجز اس کے کہ اُن کی تکذیب کی جاتی اور کیا ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ

---

(۳) ملا علی القاری فی رسالتہ المشرب الوردی فی مذہب المہدی وقد ردفیہا انہ مجتہد مطلق وردفیہا ماوضعہ بعض الکذابین من قصۃ طویلۃ۔ (ص۲۴) اسی صفحہ میں اس سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی بابت تحریر فرماتے ہیں: قال الحافظ السیوطی فی رسالتہ سماہا الاعلام ماحاصلہ ان مایقال انہ یحکم بمذہب من المذاہب الاربعۃ باطل لا اصل لہ وکیف یظن بنبی انہ یقلد مجتہد امع ان المجتہد من آحاد ہذہ الامۃ لایجوز لہ التقلید وانما یحکم بالاجتہاد اوبما کان یعلمہ قبل من شریعتنا بالوحی اوبما تعلمہ منہا وھو فی السماء اوانہ ینظر فی القرآن فیفھم منہ کما کان یفھم نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام وذکر ملا علی القاری ان الحافظ ابن حجر العسقلانی سئل ھل ینزل عیسیٰ علیہ السلام حافظاً للقرآن والسنۃ اویتلقاھما عن علماء ذلک الزمان فاجاب اینقل فی ذلک شیئ صریح والذی یلیق بمقامہ علیہ السلام انہ یتلقی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیحکم فی امتہ کما تلقاہ منہ لانہ فی الحقیقۃ خلیفۃ عنہ ــــ اور خود پیغمبر صاحبؐ نے بھی فرمایا ہے کہ عامل بالحدیث ہوں گے۔ چنانچہ امام مہدی کی بابت ایک حدیث میں فرمایا: ویعمل فی الناس بسنۃ نبیھم اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا۔ علامہ شوکانی التوضیح فی تواتر ماجاء فی المہدی المنتظر والدجال والمسیح میں اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں: واخرجہ ایضا الطبرانی فی الاوسط ورجالہ رجال الصحیح یعنی یہ حدیث اس درجہ کی صحیح ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیح بخاری کی احادیث کے راوی ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا: یقول بسنتی۔ یعنی میری سنت (حدیث) کے ساتھ (مسئلہ) کہا کریں گے۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط اور حضرت عیسیٰ کی بابت فرمایا فامکم منکم۔ راوی حدیث ابن ابی ذئب اس کے معنی بتاتے ہیں: امکم بکتاب ربکم عزوجل وسنۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ قرآن وحدیث کے ساتھ تم پر حکومت کریں گے اخرجہ مسلم۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسیح موعود و مہدی منتظر ان مذاہب میں سے کسی کے مقلد نہ ہوں گے بلکہ وہ خود مجتہد اور عامل بالقرآن والحدیث ہوں گے نہ کسی اور کے اجتہاد ورائے کے پابند۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اُن کے زمانے میں جو اُن کا طرز عمل وطریقہ ہوگا اُن کے خلاف کوئی اپنا علیحدہ مذہب وطریقہ قائم نہیں رکھ سکتا۔ لہذا ان مذاہب کی دباقی اگلے صفحہ پر)

اللہ جل شانہٗ نے اس کا انتظام یہ فرمایا کہ پہلے ہی سے مذہب تقلید کا انحطاط شروع کر دیا۔ اور لوگوں کے دلوں میں تحقیق و اتباع حدیث و پیروی دلیل کا الہام کیا تاکہ تقلید کے ضروری وفات کے وقت عموماً لوگوں کو کسی قسم کا اعجاب نہ ہو ویابی اللہ الا ان یتم نورہ[1] الحمد للہ کہ ہم اجمالی طور پر مذہب تقلید کی پوری سوانح عمری سے فارغ ہو گئے جس سے کافی طور پر اور بوضاحت ثابت ہو گیا کہ اسلام میں مذہب تقلید ایک مستحدث اور ناجائز مذہب ہے جس کا شارع نے حکم نہیں دیا بلکہ لوگوں نے از خود اس کو پیدا کر لیا۔ لیکن ہمارے اس تمام بیان سے یہ نہ خیال کر لینا چاہیے کہ اس سے ہماری یہ غرض ہے کہ کوئی جاہل کسی عالم کا اتباع نہ کرے یا کوئی عامی کسی مجتہد کا اعتبار نہ کرے۔ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ بے علم کو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ علم والے کی طرف رجوع کرے یا یہ کہ ہم ان ائمہ مذاہب کو اہل حق یا مجتہد نہیں جانتے نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ چاروں امام باوجود باہم تفاوت منازل کے امت کے افراد کاملین اور مجلس اجتہاد کے اعلیٰ اراکین میں سے ہیں یا یہ کہ ہم کو نفس ان مذاہب سے کوئی خلاف و عناد ہے۔ اور ہم ان کو بالکل غلط و ناجائز اصول پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ مذاہب وہی منزلت رکھتے ہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) خاص خاص تقلید اور ان کی تخصیص اور اُن کی تقلید اُن کے وقت میں قائم نہیں رہ سکتی۔ اور علامہ شعرانی اہل کشف کا مکاشفہ اور نیز اپنی تحقیق بھی لکھتے ہیں کہ امام مہدی کے وقت میں ان تمام مذاہب کی تقیید و تقلید جاتی رہے گی۔ چنانچہ عبارت یہ ہے: الیٰ ان یخرج المھدی علیہ السلام فیبطل فی عصرہ التقیید بالعمل بقول من قبلہ کما صرح بہ اھل الکشف ویلھم الحکم بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحکم المطابقۃ بحیث لو کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود الاقرہ علی جمیع احکامہ کما اشار الیہ فی حدیث ذکر المھدی بقولہ یقفوا اثری لا یخطئ۔ (ص۴۲ مطبوعہ میمنیہ مصر)۔ بعض اہل کشف کا یہ بھی کشف ہے کہ مقلدین مسیح موعود و مہدی کی تکذیب کریں گے۔ واللہ اعلم۔

[1] یعنی اللہ اپنے (سچے طریقہ کی) روشنی بے پوری کیے نہیں رہنے کا۔ (سورہ توبہ رکوع ۵)۔

جوایک مجتہد کا مذہب منزلت رکھتا ہے بلکہ بیشتر اوقات ہم ایک مجتہد کے مذہب کی حیثیت سے ان مذاہب کو اور مذاہب پر ترجیح دیتے ہیں ہم کو ان مذاہب سے باستثناء خاص خاص مسائل کے کوئی خلاف نہیں۔

مقلدین اور اہل حدیث میں نقاطِ اختلاف:

تو اب وہ کونسی باتیں ہیں جن کی بناء پر اہلحدیث کو مقلدین سے خلاف ہے؟ وہ صرف تین باتیں ہیں۔

اوّل بات یہ ہے کہ اہل حدیث کہتے ہیں جب امام کا فرمودہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ کو بے تکلف چھوڑ دینا چاہیے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ جائز طور پر کسی عالم کے قول کی پیروی کرنے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہی ہے کہ وہ عالم اللہ ورسولؐ کا حکم ہم کو پہنچاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اللہ ورسولؐ کے سوا کسی کا حکم واجب الاتباع اور لائق عمل نہیں بلکہ رسولؐ کی تابعداری بھی باذن اللہ ہے۔ وما[1] ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ اور اصل میں بجز اللہ جل شانہٗ کے کوئی نہیں ہے جس کا حکم واجب العمل ہو۔ ان[2] الحکم الا للہ۔ مگر خود اللہ ہی نے رسولؐ کی اطاعت اُن کے تمام فرمانوں میں ہم پر فرض کر دی۔ یاایھا[3] الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم اور فرمایا ومن[4] یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ لہٰذا ان کے تمام فرمان ہمارے لیے واجب العمل ہو گئے۔ اور کیوں نہیں وہ تبلیغِ احکامِ الٰہی میں غلطی وخطا سے معصوم تھے۔ ان کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے غیر نہ

---

[1] یعنی ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اللہ کے اذن سے اُس کی تابعداری کی جائے (سورہ نساء رکوع ۹)

[2] یعنی حکم سوا اللہ کے کسی کا نہیں۔ (سورۃ یوسف رکوع ۵)۔

[3] یعنی اے ایمان والو تابعداری کرو اللہ کی اور تابعداری کرو رسول کی اور (اس کا خلاف کر کے) اپنے عمل باطل نہ کرو (سورہ محمد رکوع ۴)۔

[4] یعنی جس نے رسول کی حکم برداری کی تو اُس نے اللہ ہی کی حکم برداری کی (سورۃ نساء رکوع ۱۱)۔

ہوتا تھا۔ وہ وہی حکم دیتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملتا تھا۔ وما[1] ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ پس اس وجہ سے رسولؐ کی بھی اطاعت فرض ہوئی۔ غرض اللہ و رسولؐ کے سوا کوئی نہیں کہ اُس کا قول واجب العمل ہو۔ پس اگر ہم کسی مولوی یا عالم یا امام یا مجتہد کے قول کی پیروی کریں تو فقط اس وجہ سے کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ و رسولؐ کا حکم ہم کو بتاتے ہیں نہ یہ کہ بالذات اُن کا اتباع مقصود ہے۔ تو جس امام کے قول پر ہم چل رہے ہیں۔ جس وقت ہم کو کسی ذریعہ سے ثابت ہو جائے کہ فلاں مسئلے میں ان سے بحسب اتفاق غلطی ہو گئی۔ اور اصلی حکم اللہ و رسولؐ کا یہ ہے تو ہم کو لازم ہے کہ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس امام کے قول کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں کہ اس نے ہم کو اپنے اصلی حکم کی ہدایت کر دی، اللہ و رسولؐ کے اس حکم کو اختیار کر لیں نہ یہ کہ اس میں کسی قسم کا پس و پیش کریں اور اس کے دفع کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ حیلے پیدا کریں۔

شاہ[2] ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] یعنی اور وہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں بولتے اپنی خواہش سے (بلکہ) وہ وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔ (سورہ النجم رکوع ۱)۔

[2] عبارت یہ ہے: لم نؤمن بفقیہ ایا کان انہ اوحی اللہ الیہ الفقہ وفرض علینا طاعتہ وانہ معصوم فان اقتدینا بواحد منہم فذالک لعلمنا بانہ عالم بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ فلا یخلو قولہ اما ان یکون من صریح الکتاب والسنۃ او مستنبطا عنہما بنحو من الاستنباط او عرف بالقرائن ان الحکم فی صورۃ ما منوطۃ بعلۃ کذا واطمئن قلبہ بتلک المعرفۃ فقاس غیر المنصوص فکانہ یقول ظننت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کلما وجدت ھٰذہ العلۃ فالحکم ثمہ ھٰذا والمقیس مندرج فی ھٰذا العموم فھٰذا ایضاً معزے الی النبی صلعم ولکن فی طریقہ ظنون ولولا ذٰلک لما قلد مؤمن بمجتہد فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعتہ بسند صالح یدل علی

"کوئی فقیہ (امام ہو یا مجتہد) ہو ہم کسی پر ایمان نہیں لائے کہ اللہ نے اُس پر فقہ وحی کے (طور پہ بھیج دی) ہے اور ہم پر اُس کی اطاعت فرض کر دی اور وہ (خطا سے) معصوم ہے۔ پس اگر ہم ان میں سے کسی کی پیروی کریں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے تو (اب دو تین حال سے) خالی نہیں یا اُس کا قول صریح قرآن وحدیث سے ثابت ہوگا یا کسی طریقۂ استنباط کے ساتھ اُن ہی دونوں میں سے (کسی سے) مستنبط ہوگا۔ یا اس نے قرائن سے معلوم کیا کہ قرآن یا حدیث کا فلاں حکم فلاں صورت میں فلاں

(م) علی خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذالك المتخمين فمن اظلم منا وما عذرنا يوم يقوم الناس لرب العلمين۔ (ص۱۶۱)۔

یہ وہ تقریر ہے جو شاہ صاحب نے ابن حزمؒ کے اُس قول کے مقابلے میں جس سے مطلقاً تقلید کی حرمت کا حکم نکلتا ہے ذکر کی ہے۔ یہاں پر شاہ صاحب نے ایک عامی کے لیے کسی عالم کی تقلید صحیح و جائز ثابت کرنے کے واسطے عمدہ سے عمدہ جو شکل نکل سکتی تھی وہ بیان کی لیکن وہ بغیر ان باتوں کے تسلیم کیے پوری نہ ہو سکی کہ اللہ نے کسی امام پر فقہ نازل فرما کر اُس کی اطاعت ہم پہ فرض نہیں کی۔ کوئی امام خطا سے معصوم نہیں۔ قیاسی مسائل کسی امام کے ہوں اپنے اصل ثبوت ہی میں ظنی اور غیر یقینی ہیں۔ کسی عالم کی اقتدا اسی بات کو مدنظر رکھ کر جائز ہو سکتی ہے کہ اس کو قرآن وحدیث کا مبلغ سمجھنا چاہیے اگر یہ بات پیش نظر نہ ہو تو کسی مومن کو کسی عالم کی تقلید جائز نہیں۔ مجتہد کے بتائے ہوئے مسئلے کے خلاف پر دلالت کرنے والی جب کبھی حدیث رسول کسی معتبر سند سے مل جائے تو فوراً مجتہد کے قول کو چھوڑ کر اُس حدیث پر عمل کرے ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ اگرچہ یہ باتیں تو ایسی ظاہر ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور مقلدین کو بھی بغیر ان کے اقرار کیے ہوئے چارہ نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ عملی حیثیت سے ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ جہاں تک مشاہدہ کیا جاتا ہے عموماً ان کا طرزِ عمل اپنے مذہب کے مسائل پر جمود اور اپنے امام کی تقلید میں تعصب کی وجہ سے ان باتوں سے سخت غیر ہے۔

علت کی وجہ سے ہے اور اُس کے دل میں یہی بات ٹھن گئی تو اُس نے ایک غیر منصوص صورت کو (جس کا حکم شارع سے اُس کو صریحاً نہیں معلوم ہوا اُسی علت کے پائے جانے کی وجہ سے) اس منصوص صورت پر قیاس کر لیا تو گویا وہ کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمادیا کہ جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہی حکم ہوگا۔ اور قیاسی مسئلہ اسی عموم میں داخل ہے تو یہ مسئلہ بھی رسولؐ ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ البتہ اس کے طریقۂ (ثبوت) میں گمان (ضرور) ہے نہ یقین۔ جیسا کہ صریح مسئلہ میں یقین ہوتا ہے۔ غرض یہی بات ہے جس کی وجہ سے جائز ہوا کہ جاہل عالم کے قول پر عمل کرے) اور اگر یہ بات نہ ہو تو کبھی کوئی مومن (ہو کر) کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے (اور جب یہ بات ہے) تو اگر ہم کو اسی فقیہ کے مذہب کے خلاف کسی معتبر سند سے رسولؐ کی حدیث مل جائے جو (خطا سے) معصوم تھے (اور) جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کر دی اور ہم اُن کی حدیث کو چھوڑ دیں اور (فقیہ کی اس تخمین (وگمان) کے تابع رہیں تو ہم سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ اور اس دن جب کہ لوگ اللہ تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے ہمارا کیا عذر ہوگا۔"

غرض کہ امام کا مسئلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معلوم ہونے کی صورت میں امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث رسولؐ کو نہ لینا جان بوجھ کر مقصود اصلی کو چھوڑنا اور خود بخود خسران میں گرنا ہے۔

ائمہ مذاہب کی تلقین عمل بالحدیث:

دوسرے وہ ائمہ جن کی تقلید کی جاتی ہے خود ہی صاف صاف ہدایت فرما گئے ہیں کہ جب حدیث رسولؐ مل جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دینا[1]۔ افسوس ہے کہ اُن

---

[1] ہم چاہتے تھے کہ ائمہ اربعہ کے وہ اقوال جن میں انھوں نے سخت سخت تاکیدیں اس بات کی فرمائی ہیں کہ ہمارے قول کو حدیث رسولؐ کے سامنے چھوڑ کر حدیث رسول پر عمل کرنا اور (۳)

کی باتوں پر تو عمل کیا جاتا ہے مگر یہی بات اُن کی قابلِ عمل نہیں سمجھی جاتی اور اس حمدہ ہدایت میں اُن کا خلاف ہی کیا جاتا ہے۔ پس قول امام کو اختیار کر کے حدیث رسول ؐ کو چھوڑنے والا نہ صرف اللہ و رسول کا مخالف ہے بلکہ وہ اپنے امام کا بھی مخالف ہے اور خود اُس کے امام بھی اس سے بری ہیں۔ جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ علامہ شعرانی کے قول میں گزر چکا اور علامہ موصوف مشارق[1] الانوار القدسیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے اپنے پیشوا علی بنتی ؒ کو سُنا کہ وہ ایک فقیہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! اس سے بچنا کہ ایسی رائے پر جس کو تم احادیث صحیحہ کے مخالف دیکھو (کبھی) عمل کرنے لگو اور یہ کہنے لگو کہ (میں اس رائے پر عمل اس لیے کرتا ہوں کہ) یہ میرے امام کا مذہب ہے۔ کیونکہ امام سارے کے سارے اپنے اقوال سے جب کہ وہ صریح حدیث کے خلاف ہوں بری ہو چکے ہیں۔ اور جب بالفرض تم انھیں میں سے کسی کے مقلد ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ تم اُن کے اس قول میں (کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا) ان کی تقلید نہیں کرتے اور دلیل پر (کہ وہ حدیثِ رسول ؐ اور ایک یقینی چیز ہے) عمل نہیں کر لیتے۔ جیسا کہ امام کے قول پر (صرف) اس احتمال پر کہ (شاید) اُن

(ص) اپنے ایسے قولوں سے بہت کچھ بہتری ظاہر کی ہے نقل کرتے۔ مگر چونکہ یہ بات ایک بہت ظاہر اور کھلی ہوئی تھی اس وجہ سے اس میں طول دینا پسند نہ کیا۔ اگر کسی کو دیکھنا ہے تو القول المفید مؤلفہ علامہ شوکانی اور اعلام الموقعین مؤلفہ علامہ ابن القیم اور مؤلفات شاہ ولی اللہ صاحب اور میزان شعرانی وغیرہا دیکھے۔ باقی متفرق اس کا بیان ہمارے رسالے میں بھی تھوڑا سا موجود ہے۔

[1] عبارت یہ ہے: وسمعت سیدی علی البنتی یقول لفقیہ ایاک یا ولدی و ان تعمل برأی رأیتہ مخالفا لما صح فی الاحادیث وتقول ھذا مذھب امامی فان الائمۃ کلھم تبرؤا من اقوالھم اذا خالفت صریح السنۃ وانت مقلد لاحدھم بلا شک فما لک لا تقلدھم فی ھذا القول وتعمل بالدلیل کما تعمل بقول امامک لاحتمال ان یکون لہ دلیل لم تطلع انت علیہ۔

کے پاس کوئی دلیل ہو جس پر ہم کو اطلاع نہ ہوئی ہو، عمل کرتے ہو۔"
غرض کہ اور سب باتوں سے قطع نظر کرکے اگر صرف امام ہی کی تقلید پر اصرار ہے تو امام بھی تو فرما گئے ہیں کہ جب ہمارا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث ہی پر عمل کرنا تاہم حدیث ہی پر عمل ہونا چاہیے۔ بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام کا قول حدیث رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں مدار عمل حدیث رسول پر ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی:

اور یہ بات اسلام کے اندر ایسی ظاہر ہے کہ اس کے لیے کسی سند و دلیل کی یا اس کی بابت کسی امام یا مجتہد کے کہنے کی ضرورت نہیں میرا خیال ہے کہ اللہ جل شانہٗ کا ان ائمہ کے منہ سے اس بات کا نکلوانا ان مابعد کے زمانے میں آنے والے ان کے مقلدوں پر حجت قائم کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی اُن کو کہنے کی ضرورت ہوتی یا ان کے کہنے پر موقوف رہتی بلکہ اس بات کا سرے سے منہ پر لانا ہی گراں و نازیبا معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے بادٔالامر میں دوسرے کے قول کی حدیث رسولؐ کے ساتھ ایک ہمسری اور مساوات کی سی صورت پیدا ہوتی ہے کہ پھر حدیثِ رسولؐ کو ترجیح دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر وہ تو ان مقلدین پر حجت قائم ہونا بھی ایک ضروری امر تھا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان اماموں کے دل میں کچھ ایسے ایسے خیالات پیدا کر دیے جن کے سبب سے اُن کے منہ سے یہ بات نکل ہی گئی اور ان کے مقلدین پر پوری پوری حجت قائم ہو کر رہی۔ افسوس کہ اس پر بھی مقلدین نے نہ مانا۔ اور گو قولاً تو وہ بھی اس کا انکار کسی طرح نہ کر سکے اور نہ کر سکتے تھے مگر عملاً اس کا خلاف ہی کرتے رہے۔ چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے۔ جس کا جی چاہے ان کے مخالف مذہب حدیث پیش کر کے دیکھ لے۔ اس کے علاوہ تم پہلے بشہادت کتنے مستند علماء کے اس کا ثبوت دیکھ چکے ہو اور جو ایسا نہ کرے پھر ہم کو اس سے اس بات کی کوئی شکایت نہیں، بلکہ بعض نو ان ائمہ کے خود اس قول ہی کے کچھ اور ہی طرح طرح کے معنے بنانے لگے۔ جن کے متعلق اگر موقع ملا تو ہم آگے انشاء اللہ تحریر کریں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :

سرِدست ہم اس جگہ ایک ایسے شبہ کی بابت کچھ لکھنا پسند کرتے ہیں جس کا اس موقع پر ایک طالبِ حق کے دل میں پیدا ہونا کچھ بعید نہیں ۔ وہ یہ کہ یہ تو مسلم ہے کہ امام اعظم صاحب اور نیز بقیہ تینوں امام بڑے بڑے عالم و امام و مجتہد تھے ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک سے قریب ۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ حدیثِ رسولؐ کا خلاف کریں ۔ یا وہ رسولؐ کی کسی حدیث سے بے خبر رہیں ۔ اور ہم کو خبر ہو جائے کہ ہم ان کی غلطی پکڑیں یا اُن کی باتوں میں اصلاح دیں ۔ ہم لوگوں کی کیا ہستی ہے کہ ہم اُن جیسے متبحر عالموں کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت کر سکیں ۔ تو بات یہ ہے کہ علمِ حدیث ابتدا زمانہ میں بہت منتشر اور مشکل الحصول تھا ۔ جس کا فراہم کرنا سخت دشوار تھا ۔ اور تمام تر کوشش صرف کرنے سے بھی اُس کی تھوڑی ہی مقدار حاصل ہو سکتی تھی ۔ کم و بیش ائمہ اربعہ[1] نے یہی زمانہ پایا ۔ اور جیسا زمانہ گزرتا گیا وہ مجتمع اور سہل الحصول ہوتا گیا ۔ کہ جس کا حاصل کرنا آسان ہو گیا ۔

شرح اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحسب اوقاتِ مختلفہ میں احکام اسلام تعلیم فرمایا کرتے تھے تو سارے صحابہ اور مسلمان سب کے سب ہر وقت و ہر موقع پر حضور میں حاضر و موجود نہ ہوتے تھے اور نہ ہو سکتے تھے ۔ اس لیے کہ وہ مشاغل اسباب معیشت اور امور خانہ داری اور ضروریات بشری کو بھی انجام دیتے تھے کوئی تجارت و دکانداری کرتا تھا ۔ کوئی محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتا تھا ۔ کوئی کھیتی و باغبانی کا شغل رکھتا، کوئی اور پیشہ کرتا تھا ۔ کسی کو کوئی اور ضرورت مجبور کرتی تھی کہ وہ اس میں جا کر مصروف ہو ۔ اس وجہ سے کسی طرح نہ ہو سکتا تھا کہ ہر وقت ہر شخص حضور انور میں

---

[1] یا امام احمد صاحب کو اُن میں سے مستثنیٰ کر دینا چاہیے ۔ تاہم امام احمد صاحب کے مابعد زمانہ میں اُن کے زمانے سے زیادہ تحقیقات اور کثرت فراہمی احادیث ایک مقدار تک علاوہ تنقیح و تیسیر کے مزید ہوئی ۔ چنانچہ کچھ تفصیل آگے انشاء اللہ آئے گی ۔

حاضر ہی رہے کہ جو کچھ ارشاد ہو ہر ایک کو اس کا علم ہو جانا ضرور ہو۔

اس کے علاوہ بہت سے مسلمان ایسے تھے جو دوسرے دوسرے شہروں وقصبوں وگاؤں کے رہنے والے تھے لہٰذا وہ کبھی کبھار حاضر ہوتے تھے اور مسافرانہ طریقہ سے کچھ عرصہ تک خدمت میں حاضر رہ کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے تھے بعض بے چارے کل مدت العمر میں ایک ہی آدھ بار شرف صحبت سے مشرف ہو سکے۔ یہ لوگ حضورؐ سے احادیث اور بھی کم پا سکے۔

علاوہ ازیں بہت سے اوقات ظہور حدیث کے ایسے ہوتے تھے جو خاص خاص اور خلوت کے اوقات تھے جن میں غیر لوگ موجود نہ ہو سکتے تھے۔ اور سوا ان خاص افراد (مثل ازواج مطہرات وغیرہا) کے اور لوگ ان احادیث پر مطلع نہ ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس بعض مواقع (مثل سفروں وغیرہ کے) ایسے ہوتے تھے کہ ان میں وہ خاص افراد موجود نہ ہوتے تھے۔ اور ایک دوسرا ہی گروہ اُن احادیث سے مستفید ہوتا تھا۔

قطع نظر اس سب کے ظہور حدیث کی حالت یہ تھی اور یہی ہو سکتی تھی کہ وہ عندالحاجت اور بحسب ضرورت اور بجواب سوال سائل بلا تعیین و بلا تخصیص کسی وقت کے بیان فرمائی جایا کرتی تھی۔ اس کے لیے کوئی خاص وقت یا خاص موقع مقرر نہ تھا کہ اس وقت پر سب کے سب آکر جمع ہو جائیں۔ اور بیان پر کیا موقوف آپ تو قولاً، فعلاً، تقریراً ہر طرح سے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ کے اقوال و افعال و اوضاع و اطوار اور ہر بات سے احکام شرع نکلتے تھے۔ جو شخص جتنی دیر حضور میں حاضری کا شرف حاصل کرتا اسی قدر وہ استفادہ کر سکتا۔ اور جتنی دیر کو غائب رہتا اتنی دیر کے علوم سے محروم رہتا۔

اگرچہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک کو دوسرے سے خبر ہو جاتی تھی مگر نہ سب کو اور نہ ہر حدیث کی۔ اس لیے اس کا کوئی انتظام نہ تھا، اور نہ اُس زمانے کی حالت پر غور کرنے سے ایسا انتظام ہونا آسان تھا کہ کسی ایک شخص کو یا ہر شخص کو جملہ احادیث وجملہ واقعات کی تمام لوگ جن جن کو جو جو معلوم ہوں وہ خبر کر دیں۔ اور نہ کوئی اس کا بندوبست کر لیا گیا تھا کہ جو کچھ فرماویں اُس کو قلم بند کر کے سب کو یکجا جمع کر دیا جائے جیسا کہ پہلے ہی تم کو

معلوم ہو چکا۔ پس یہ کسی طرح عادتاً ممکن نہ تھا کہ ہر ایک فرد صحابہ کو یا کسی ایک کو جملہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ ہوتا اور کوئی حدیث اس کے علم سے باہر نہ ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا خلفائے اربعہ جیسے اولوالعزم صحابہ سے خصوصاً حضرت ابوبکرؓ جنھوں

خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ سے کتنی احادیث مخفی رہ گئیں؟

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کو جدہ کی میراث والی حدیث معلوم نہ تھی۔ یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ سے ان کو معلوم ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو تین بار آواز دے کر لوٹ جانے والی حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ سے معلوم ہوئی۔ اور نیز اُن کو دیت جنین کی حدیث معلوم نہ تھی، وہ مغیرہ بن شعبہ سے معلوم ہوئی۔ اور نیز ان کو انگلیوں کی دیت کی حدیث معلوم نہ تھی۔ اس وجہ سے انھوں نے انگوٹھے اور اُس کے پاس والی اُنگلی کی دیت میں پچیس اونٹ کا حکم جاری کر دیا۔ آخر دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحبؐ نے سب انگلیوں میں دس دس اونٹ کی بابت حکم فرمایا تھا۔ تب انھوں نے اپنے قول سے رجوع کیا۔ اور نیز مجوس سے جزیہ لینے کی حدیث اُن کو معلوم نہ تھی۔ وہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے معلوم ہوئی۔ و نیز اُن کو دیت زوج میں سے عورت کے میراث پانے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر ضحاک بن سفیان نے جو دیہات میں رہتے تھے اُن کو لکھ کر بھیجا کہ پیغمبر صاحبؐ نے میراث دلائی ہے۔ تب انھوں نے اس کو اختیار کیا۔ اور نیز اُن کو انبیاء کے نام پر نام رکھنے کی حدیث معلوم نہ تھی، اس وجہ سے وہ انبیاء کے نام پر نام رکھنے سے منع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ طلحہ سے معلوم ہوا تب رجوع کیا۔ و نیز اُن کو اس کی کہ نماز میں شک پڑے تو کیا کرے حدیث معلوم نہ تھی۔ آخر عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اُن کو اس کی حدیث بتائی۔ اور نیز ان کو طاعون کے مقام پر جانے کے حکم کی حدیث معلوم نہ تھی۔ چنانچہ جب شام کے سفر میں ملک شام میں طاعون ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو ان کو تردد ہوا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ساتھ جو صحابہ تھے ان سے مشورے کیے۔ اور بھی کسی کو کوئی صریح حدیث اس کی بابت معلوم نہ تھی۔ آخر عبدالرحمٰنؓ بن عوف وہ کہیں گئے ہوئے تھے، جب آئے تو انھوں نے جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی بیان کی، تب اُس کے موافق عمل ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس جلسہ میں جو دیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور بہت اکابر صحابہ مہاجرین و انصار موجود تھے ان کو بھی یہ حدیث معلوم نہ تھی اسی طرح اور بھی بیسیوں نظیریں ہیں۔ حضرت عثمانؓ کو متوفی عنہا زوجہا کے محل عدت کی حدیث معلوم نہ تھی آخر فریعہ بنت مالک نے بتائی۔ اور نیز حالت احرام میں شکار کے گوشت کے منع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی آخر حضرت علیؓ نے بتائی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت علیؓ کو انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اُس عورت کے مہر کی بابت حدیث معلوم نہ تھی جس کے خاوند نے انتقال کیا اور کچھ مہر مقرر نہ کیا تھا۔ عرصہ کے بعد معقل بن یسار سے معلوم ہوئی۔ اور نیز ان کو جنب کے لیے تیمم مشروع ہونے کی حدیث معلوم نہ تھی وغیرہ۔ حضرت ابن عباسؓ کو حضرتؐ کے ظہر و عصر میں قرأت کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو مسح خفین کی حدیث معلوم نہ تھی اور نیز ان کو روزہ دار کی حالت جنابت میں صبح کرنے کی حدیث معلوم نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث معلوم نہ تھی، و نیز مسح خفین کی حدیث معلوم نہ تھی۔ اس قسم کی مثالیں ان صحابہ کی اور اسی طرح اور صحابہ کی کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔ جس قدر ہم نے لکھیں اس سے زائد رسالہ جلب المنفعہ فی الذب عن المجتہدین الاربعہ میں مذکور ہیں۔ اسی طرح اس کی بھی بہت نظیریں ہیں کہ نص کے نہ پہنچنے کی وجہ سے جس بات کے وہ قائل ہوئے برابر وہ اسی کے قائل رہے ان کو نص پہنچی ہی نہیں یا خیال میں نہ آئی۔

بعض صحابہؓ کا احادیث منسوخہ پر عمل:

..... یا یہ کہ ایک منسوخ حکم کے قائل رہے اور ان کو ناسخ معلوم نہ ہوا۔ مثلاً حضرت عمرؓ جنب کے لیے جواز تیمم کے قائل نہ تھے۔ بلکہ فرماتے تھے پانی نہ پائے تو نماز ہی نہ پڑھے۔ اور حضرت ابن عمرؓ موزوں کے مسح میں توقیت کے قائل نہ تھے۔ بلکہ اجازت دیتے تھے جب تک چاہے مسح کرتا رہے۔ اس کی بابت جو احادیث وارد ہوئیں ان کو نہ پہنچیں۔ و نیز وہ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔ حالانکہ ام سلمہؓ کی حدیث میں اجازت وارد ہوئی وہ ان کو نہ پہنچی۔ اور ہند کو مستحاضہ والی حدیث نہ پہنچی تھی لہذا وہ استحاضہ میں نماز ہی نہ پڑھتی تھیں۔ اور حضرت ابن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص دریا کے پانی سے جواز طہارت کے قائل نہ تھے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نیند کو ناقض وضو نہ کہتے جیسے اور جس قدر چاہے سوتا رہے مگر وضو نہیں جاتا۔

(۲)

اور جن کو علم کے سیکھنے کا طبعی شوق تھا بہت ایسی احادیث مخفی رہیں جو بعض دیگر صحابہ کو جو باوجودیکہ اُن کے مقابلے میں فضل و معیت و صحبت کا بہت کم حصہ رکھتے تھے معلوم تھیں۔

---

(۴) حضرت ابن مسعودؓ، رکوع میں بجائے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر رانوں کے بیچ میں رکھتے تھے جس کو تطبیق کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ ان کو ناسخ نہ معلوم ہوا۔ اور حضرت علیؓ بھی تطبیق کی اجازت دیتے تھے ناسخ ان کو بھی نہ پہنچا۔ حرمت خمر کے بعد بعض برتنوں کا استعمال جن میں وہ لوگ شراب زیادہ پیتے تھے منع فرمایا تھا۔ بعد کو یہ حکم منسوخ کر دیا۔ مگر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ منع ہی سمجھتے رہے ان کو ناسخ نہ پہنچا۔ اسی طرح قربانی کے گوشت کو تین دن سے زائد رکھنے کو پیغمبر صاحبؐ نے منع فرمایا تھا۔ پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ مگر حضرت علیؓ اور ابن عمرؓ منع ہی سمجھتے رہے ان کو ناسخ نہ پہنچا۔ اسی طرح نکاح متعہ منسوخ ہوا مگر کتنے صحابہ کو ناسخ نہ پہنچا وہ جائز ہی کہتے ہیں۔ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ جابر، اسماء بنت ابی بکرؓ، معاویہؓ، ابو سعید وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ان میں سے بعض کا رجوع کرنا بھی منقول ہے۔ اس قسم کی مثالیں ہزاروں ہیں جس کو علماء کے مذاہب پر اطلاع ہے وہ بکثرت اس کی مثالیں پاتا ہے۔ بعض شراح نے ان آثار کو احادیث مرفوعہ کے خلاف دیکھ کر بعض بعض میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں مگر اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ ان کو حدیث رسولؐ نہ پہنچی۔ اس وجہ سے انھوں نے ایسا کیا یا کہا۔ اور صحابہ کے جو تسلیم و انقیاد کی حالت تھی وہ کبھی جائز نہیں رکھتے کہ حدیث رسولؐ معلوم ہو جانے کے بعد وہ ایسا کرتے۔ ہم نے جو کچھ لکھا عوام کے سمجھانے کے لیے واقعی حالات لکھے۔

اس سے کسی کی منقصت شان یا توہین مراد نہیں۔ حاشا و کلا۔ ہمارا یا کسی کا کیا منہ کہ کوئی ایسا کرے۔ اور نہ اس سے ان کی کوئی منقصت شان ہوتی ہے۔ بلکہ یہ جو کچھ ہوا وہی مقتضاء وقت تھا اسکے خلاف کیسے ہو سکتا تھا۔

چنانچہ علم حدیث سے جو شخص تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے اُس کے سامنے اُس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ اور جب ان اکابر صحابہ کا جو شرفِ مصاحبتِ رسول ؐ اور نیز محبت علم دونوں کا بڑا حصہ رکھنے والے تھے۔ یہ حال ہے تو اوروں کی حالت کا اِسی پر اندازہ ہو سکتا ہے۔

عصر صحابہؓ اور حدیث :

غرض اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ طبقہ صحابہ میں احادیث یکجا جمع نہ تھیں بلکہ وہ تمام صحابہ پر منقسم اور اُن میں منتشر تھیں جس کو جس قدر معلوم تھیں اُسی کا دل اُس کا خزانہ تھا اور وہ اُس کے ساتھ ہی ساتھ رہتی تھیں۔ ہر شخص[1] آپ اپنی معلومات پر عمل کرتا تھا۔ جب کوئی نئی ضرورت پیش آتی کسی دوسرے سے جو مل جاتا دریافت کر لیتا کہ اُس کی بابت شاید اس کے علم میں کوئی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو مل جاتی تو فبہا، ورنہ قیاس و اجتہاد پر عمل کرتا۔ ایسا بھی ہوتا کہ اجتہاد پر عمل کے بعد کہیں اتفاق سے کوئی صحابی مل گیا اور اُس سے اس کی بابت کوئی صریح حدیث معلوم ہو گئی۔ بعض[2] بعض صحابہ اپنی مدت العمر یا ایک عرصہ تک بعض منسوخ حکموں پر عمل کرتے رہے۔ اور اُن کو ناسخ نہ پہنچا۔ اس کی نظیریں نہ صرف اصاغر صحابہ میں ملتی ہیں بلکہ اکابر صحابہ میں بھی موجود ہیں۔

صحابہؓ میں اختلاف کی وجہ :

بڑی وجہ صحابہؓ کے مسائل میں باہم اختلاف کی یہی ہے۔ گو اختلاف کی وجوہ اور بھی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہی (ہر ایک صحابہ کو تمام احادیث کا نہ پہنچنا) ہے۔

---

[1] چنانچہ ایک قول شاہ صاحب کا اس کی بابت پہلے گزر چکا ہے۔ اور شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: فبین الشافعی ان العلماء من الصحابۃ والتابعین لم یزل شانھم انھم یطلبون الحدیث فی المسئلۃ فاذا لم یجدوا تمسکوا بنوع آخر من الاستدلال ثم اذا ظھر علیھم الحدیث بعد رجعوا من اجتھادھم الی الحدیث۔ (صفحہ ۱۵۲)۔

[2] دیکھو حاشیہ سابق۔

چنانچہ اس قسم کے اختلافات جو اول طبقہ میں واقع ہوئے تھے بعد کے زمانوں میں جبکہ احادیث عام طور پر ظاہر ہو گئیں[1] رفع ہو گئے اور جو باقی رہے اُن کے باقی رہنے کی کوئی دوسری وجوہ[2] پیش آ گئے۔ طبقۂ صحابہ میں جو ہم نے احادیث کے منتشر و متفرق ہونے کا بیان کیا۔ یہ اُس وقت اور زائد ہو گیا جب کہ صحابہ مختلف بلاد میں پھیلے اور دُور دراز ممالک میں منتشر ہو گئے۔

بعد میں اس اختلاف کے باقی رہنے کی وجہ:

جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وجود با جود سے اس عالم کو منور فرماتے رہے۔ تمام صحابہ کا رُخ مدینہ منورہ کی طرف کو تھا اور وہ لوٹ پھیر کر اُسی کی طرف رجوع کرتے تھے اور پروانہ کی طرح شمع عالم پر آ کر فدا ہوتے تھے۔ جب پیغمبر صاحب نے وفات پائی تو یہ زبردست مرکزی کشش چونکہ فوت ہو گئی۔ لہٰذا صحابہ اور بھی جابجا منتشر ہو گئے خصوصاً جبکہ اسلامی دنیا زائد وسیع ہوئی اور دور دراز کے ممالک فتح ہو گئے، اور صحابہ دینی و دُنیاوی انتظام کے لیے ملک کے مختلف حصّوں میں اور دُور دُور مقاموں پر بھیجے گئے تو اب وہ علم جو ان کے سینوں میں تھا اور بھی منتشر و متفرق ہو گیا۔

طبقۂ تابعین میں اشاعتِ حدیث کا حال:

طبقۂ صحابہ کے بعد طبقۂ تابعین کا آیا۔ تابعین نے علم صحابہ سے لیا ہر تابعی کو اُن صحابی سے کہ جو اُن کی اپنی بستی میں موجود تھے۔ بشرط قصد حاصل کرنا تو آسان ہی تھا۔ اُن کے پاس

---

[1] مثلاً مسائل مذکورہ میں سے جنب کے لئے تیمم ناجائز ہونا مستحاضہ کا نماز نہ پڑھنا۔ دریا کے پانی سے طہارت کا جائز نہ ہونا۔ رکوع میں تطبیق۔ قربانی کا گوشت تین دن سے زائد رکھنا منع ہونا۔ متعہ کا جائز ہونا ان مسائل کا پچھلے مشہور علماء میں سے کوئی قائل نہ رہا اور ان مسائل میں اختلاف رفع ہو گیا۔

[2] مثلاً یہ کہ کوئی امام کسی صحابی کے مذہب پر خود بھی اس کی بابت حدیث نہ پانے کی وجہ سے قائم ہوا تھا۔ اس کے بعد اُس کے مقلد اُسی مذہب پر چلے جاتے ہیں لہٰذا وہ ایک مذہب قائم ہو گیا گو اس کے مخالف حدیث ظاہر ہو گئی اور وہ مذہب اب قائم نہ رہنا چاہیئے مگر اُن مقلدوں نے اختلاف کو قائم رکھا اور اُس مذہب کو چھوڑ نہ دیا۔ اس کی مثالیں زیادہ حنفی و مالکی مذہب میں موجود ہیں۔

جس قدر مل سکا اُن سے حاصل کیا اور پھر اپنے اپنے شوق اور حوصلے اور وسعت اور برداشت مصائب کے لائق جس سے جتنا بن پڑا دوسرے دوسرے شہروں میں جاکر دوسرے صحابہ سے حدیثیں لیں۔ کوئی دو سے ملا کوئی چار سے ملا۔ کوئی دس سے کوئی بیس سے کوئی زیادہ سے۔ مگر اس طبقہ میں بھی انتشار احادیث کی قریب قریب وہی حالت تھی جو زمانہ صحابہ میں تھی۔ تابعین میں سے وہی شخص تمام احادیث نبویہ پر محیط ہو سکتا تھا جو تقریباً تمام افراد صحابہ سے جن کی تعداد[1] تقریباً لاکھ سوا لاکھ بلکہ اُس سے بھی زائد تھی۔ اور جو دنیا کے دُور دراز حصوں اور مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے تھے۔ ہر ایک سے ملتا اور ہر ایک کی خدمت میں رہتا، اور ہر ایک سے ان کی معلومات کو حاصل کرتا۔ اور پھر ہر ہر صحابی تعلیم کے وقت ان سب احادیث کو جو اُن کو معلوم تھیں بلا وقوع[2] اُس کے متعلق کسی حادثے کے یاد بھی لے آتا اور اُن میں سے کسی حدیث کا اُس کو ذہول بھی نہ ہوتا، حالانکہ ایسا ہونا امکان بشری سے خارج ہے خصوصاً اُس وقت میں جب کہ سفر سخت دشوار تھا اور ذرائع سفر بہت کم تھے اور سلسلہ مراسلت و مکاتبت کا بھی پوری طرح انتظام نہ تھا۔ اس طبقہ سے ایک نئی خرابی یہ شروع

---

[1] اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب موجود نہیں جس سے ہم صحیح تعداد صحابہ کی لکھ سکیں مگر ہم نے جو یہ تعداد لکھی وہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ غزوۂ تبوک میں تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور غزوۂ تبوک کے بعد پھر اور لوگ بھی مسلمان ہوئے حجۃ الوداع میں حاضرین کی جو تعداد بتائی گئی وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ دیکھو شروع مشکوٰۃ بیان قصہ حجۃ الوداع اور ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام جہان کے مسلمان مرد و عورت نہ شامل ہوئے تھے بلکہ خود مدینہ کی بابت عقل تسلیم نہیں کرتی کہ تمام مردوں عورتوں لڑکوں بچوں کل مسلمانوں نے مدینہ کو خالی کر کے کفار کے لئے چھوڑ دیا تھا بس جب حاضرین کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چودہ ہزار تھی تو کل صحابہ ضرور اس سے زاید تھے واللہ اعلم۔

[2] اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو جانتا ہے مگر یاد وہ بات اسی وقت آتی ہے کہ اُس کے متعلق کوئی واقعہ پیش آئے اور ویسے اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا۔

ہو گئی تھی کہ ہر شخص پر اعتبار نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس طبقہ کے کل افراد ثقہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں غیر معتبر[1] اور مجروح بھی ہونے لگے تھے۔ طبقہ صحابہ کا اس عیب سے پاک رہا۔ پس مابعد کے زمانوں میں اُس کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی تھی کہ جس کی حدیث کی جائے اس کو پرکھا بھی جائے۔ ان زمانوں میں بہت سی مصنوعی[2] اور موضوع حدیثیں بھی مشہور ہو گئی تھیں۔ طبقہ تابعین کے بعد طبقہ تبع تابعین میں بھی فن حدیث[3] منتشر ہی تھا۔ اور یہ انتشار کم و بیش اُس وقت تک رہا کہ فن حدیث مجتمع ہو کر مکمل ہو گیا اور احاطہ تحریر میں لا کر اُن کی کتابیں بن گئیں۔ جس کا ذکر تم اوپر پڑھ چکے ہو۔

متقدمین کی مشکلات اور متاخرین کے لیے آسانیاں:

مگر ان طبقات میں جب کہ اور اُمور سے قطع نظر کر کے صرف تقدم و تاخر زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پچھلے زمانہ کے طبقات کے افراد بہ نسبت پہلے زمانے کے افراد سے مقدار احادیث کا زیادہ حصہ پانے لگے۔ نظیر کے طور پر دیکھو۔ مثلاً ایک تابعی دس ایسے صحابی سے مل سکا جن سے اُس کو دس دس حدیثیں ملیں تو اس تابعی کو سو حدیثیں یاد ہو گئیں۔ ایک تبع تابعی دس ایسے تابعین سے مل لیا تو اُس کو ہزار حدیثیں مل گئیں۔ ایک تبع تبع تابعی دس ایسے تبع تابعین سے مستفید ہوا تو اُس کو دس ہزار حدیثیں معلوم ہو گئیں اسی طرح یہ سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔ حتیٰ کہ امام بخاریؒ کو جو کہ چوتھے پانچویں طبقہ میں ہیں چھ[4] لاکھ

---

[1] دیکھو کتب اسماء الرجال اور خطبہ صحیح مسلم۔ تابعین ہی میں سے جابر جعفی اور حارث اعور ہیں جن کو کذاب اور متروک کہا گیا ہے دیکھو خطبہ صحیح مسلم وغیرہ۔

[2] دیکھو فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث اور کچھ اس کا تذکرہ ہمارے اگلے حواشی میں بھی آتا ہے۔

[3] گو تدوین کا آغاز لگ گیا تھا مگر تھا منتشر ہی۔

[4] جیسا کہ پہلے خود امام بخاری کا قول بضمن عبارت مقدمہ فتح الباری گزر چکا اور یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ ان میں سے صحیح اسی قدر تھیں جتنی انھوں نے اپنی صحیح (صحیح بخاری) میں درج کیں جیسا کہ نعمانی صاحب کی عبارت سیرۃ النعمان صہ ۱۵۲ کہتی ہے۔ خود امام بخاری سے منقول ہے انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ بخوف طوالت اس کتاب میں (باقی اگلے صفحہ پر)

حدیثیں ملیں حالانکہ امام مالکؒ کو جو اُن سے دو تین درجے اوپر ہیں اُن کی مرویات[1] کی تعداد کل قریب ایک ہزار ہے۔ بات یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا وہ علم جو دُنیا کے اقطار و جوانب میں پراگندہ ہو جانے کی وجہ سے کسی ایک کو اس کا پانا اور اس کا فراہم کرنا نہ صرف دشوار بلکہ عادتاً ناممکن تھا۔ اس میں رفتہ رفتہ شاخیں پھوٹنے اور پھیلنے کی وجہ سے یوماً فیوماً آسان اور سہل الوصول ہوتا گیا۔ اور آخرکار ایسا ہو گیا کہ ہر جگہ سے اور ہر شخص کو ملنے لگا۔

مثلاً فرض کیجیے کہ ایک صحابی کے دس تابعی شاگرد ہوئے اور پھر ہر تابعی کے دس دس تبع تابعی شاگرد ہوئے۔ تو اب جو حدیث زمانہ صحابہ میں صرف ایک شخص سے اور ایک جگہ سے مل سکتی تھی وہ زمانہ تابعین میں دس شخص سے اور دس جگہ سے اور زمانہ تبع تابعین میں سو شخص سے اور سو جگہ سے ملنے لگی۔

وعلیٰ ہذا القیاس سلسلہ ترقی پکڑتا گیا۔ چنانچہ اکثر احادیث میں برابر یہی دیکھا جاتا ہے کہ طبقہ اولیٰ میں جتنے اُس کے راوی ہوتے ہیں اُس کے نیچے کے طبقہ میں اس سے کئی درجہ زائد ہوتے ہیں اور پھر اس سے نیچے کے طبقے میں اس سے بھی اور کئی درجہ زائد ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے پچھلے زمانے والوں کو پہلے والوں کی نسبت آسانی ہوتی گئی۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) درج نہیں کیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جتنی چھوڑ دیں وہ زائد ہیں ان سے جتنی اس میں درج کیں دیکھو مقدمہ فتح الباری صفحہ ۶ وغیرہ۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری میں بحذف تکرار کل دو ہزار چھ سو تئیس حدیثیں ہیں دیکھو صفحہ ۵۶۳ اور امام بخاری سے منقول ہے کہ مجھ کو صحیح ایک لاکھ حدیث یاد ہے اور غیر صحیح دو لاکھ دیکھو صفحہ نعمانی صاحب نے جو اعداد احادیث صحیح بخاری کے بیان کیے اُس میں بھی غلطی کھائی۔

[1] قال ابن المدینی لہ نحو الف حدیث انتہیٰ (دیکھو خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال) ایک قول اس کے خلاف بھی ہماری نظر سے گذرا مگر وہ اس کے سامنے پایۂ اعتبار نہیں رکھتا اور نہ دوسری شہادتیں اس کی تائید کرتی ہیں۔

اور نیز ہر ایک پہلے زمانے والا جتنے شیوخ سے جس قدر احادیث پا سکتا تھا ایک بعد کے زمانے والا اتنے ہی شیوخ سے اس سے بہت زائد احادیث پانے لگا۔ انہی وجوہ سے ایک یا بعد کے زمانہ کا محدث پہلے زمانے کے محدث کی نسبت جبکہ دونوں کوشش و جستجو میں مساوی ہوں حدیث کی مقدار کا زائد حصہ پاتا گیا۔

ائمہ اربعہ کی باہم علمی نسبت اور متاخرین کا ذخیرۂ معلوماتِ حدیث:

چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے اسی انتشارِ احادیث کے زمانے میں سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ صاحب ہوئے اس وجہ سے سب سے کم حدیثیں انھیں کو ملیں امام مالکؒ جو زمانے میں ان سے کسی قدر بعدیت رکھتے تھے انھوں نے ان سے زیادہ حصہ پایا۔ چنانچہ امام محمد صاحب[3] جو ان دونوں صاحبوں کے شاگرد تھے وہ اس بات کی بصراحت

---

[1] چنانچہ یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام مالک صاحب اور امام بخاری صاحب تعداد شیوخ میں قریب ہی قریب ہیں اور پھر ان دونوں کا تعداد احادیث میں جو کچھ باہم تفاوت ہے وہ ابھی تم پڑھ چکے ہو۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو سے زاید بتائی گئی ہے دیکھو زرقانی شرح مؤطا اور امام بخاری صاحب کے شیوخ کی ایک ہزار سے زاید دیکھو خلاصہ وغیرہ۔

[2] چنانچہ امام ابو حنیفہ صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور امام مالک ۹۳ھ میں اور امام شافعی ۱۵۰ھ میں اور امام احمد ۱۶۴ھ میں۔ امام ابو حنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اور امام مالک نے ۱۷۹ھ میں اور امام شافعی نے ۲۰۴ھ میں اور امام احمد نے ۲۴۱ھ میں۔ دیکھو خلاصہ اسماء الرجال وغیرہ۔

[3] چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں ہے قال الشافعی قال لی محمد بن الحسن ایھما اعلم صاحبنا ام صاحبکم یعنی اباحنیفۃ ومالکا قال قلت علی الانصاف قال نعم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم بالقرآن صاحبنا ام صاحبکم قال اللھم صاحبکم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم بالسنۃ صاحبنا ام صاحبکم قال اللھم صاحبکم قال قلت ناشدتک اللہ من اعلم باقاویل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتقدمین صاحبنا ام صاحبکم قال اللھم صاحبکم قال الشافعی فلم یبق الا القیاس (باقی بر صفحہ آئندہ)

شہادت دیتے ہیں۔ امام[1] شافعی صاحب جو ان دونوں کے ہیں ان کو ان دونوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والقیاس لا یکون الاعلیٰ ھٰذہ الاشیاء فعلی ای شی نقیس انتہٰی۔ یعنی امام شافعی کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن الحسن نے کہا بتاؤ دونوں میں کون زیادہ علم رکھتا تھا ہمارے استاذ (امام ابوحنیفہ) یا تمہارے اُستاذ (امام مالک)۔ گو امام مالک امام محمد کے بھی استاذ ہیں مگر زیادہ تخصیص امام محمد کو امام ابوحنیفہ سے ہے جیسا کہ امام شافعی کو امام مالک سے) میں نے کہا انصافاً پوچھتے ہو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ قرآن کا علم زیادہ کون رکھتا تھا۔ ہمارے اُستاذ یا تمہارے اُستاذ۔ امام محمد نے کہا۔ تمہارے اُستاذ (امام مالک) میں نے کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ حدیث کا علم کون زیادہ رکھتا تھا۔ ہمارے اُستاذ یا تمہارے اُستاذ۔ کہا تمہارے اُستاذ (امام مالک) اسی طرح امام محمد نے اقوال صحابہ کی بابت بھی امام مالک کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ واقف بتایا تو شافعی نے کہا کہ اب قیاس ہی باقی رہ گیا۔ اور قیاس ان ہی چیزوں پر کیا جاتا ہے اور جب یہ چیزیں یعنے قرآن و حدیث ہی نہیں تو قیاس کس پر کریں گے۔

[1] چنانچہ موطا امام مالک (جس میں کچھ کم سات سو حدیثیں ہیں) تو امام شافعی نے دس ہی برس کی عمر میں حفظ کر لیا تھا یہ ترجمہ کیا کرایا انہیں بلا مشقت مل گیا اور پھر عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہ کر اور جو اُن سے مزید برآں ملا وہ حاصل کیا اور امام مالک کے سوا اور بہت شیوخ کے پاس رہ کر اپنی معلومات کو بڑھایا دیکھو خلاصہ اسماء الرجال امام شافعی صاحب نے تصنیفات بھی کیں۔ اور قاضی ابو یوسف کی اُس کتاب کا جواب لکھا جو انہوں نے امام اوزاعی کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی جس میں اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا ہے دیکھو توالی التاسیس صفحہ ۸۰، مؤلفہ علامہ ابن حجر عسقلانی۔ افسوس ہے کہ نعمانی صاحب نے سیرۃ النعمان میں قاضی ابو یوسف کا اوزاعی کے جواب میں کتاب لکھنے کا ذکر تو کیا مگر امام شافعی صاحب کا اس کے رد کر دینے کا نام نہ لیا۔ امام شافعی نے نہ صرف امام ابوحنیفہ کے کتنے مسائل کا خلاف حدیث ہونا ثابت کیا بلکہ انہوں نے امام مالک کے بھی کتنے مسائل حدیث (باقی بر صفحہ آئندہ)

زائد حدیثیں ملیں۔ امام شافعیؒ سے بعد امام احمدؒ ہیں اُن کو اُن سے بھی زائد حدیثیں فراہم ہوئیں بلکہ خود امام شافعیؒ[۱] امام احمدؒ سے باوجودیکہ امام احمدؒ ان کے شاگرد بھی تھے کہتے تھے تم لوگ (یعنی تمہارے طبقے کے لوگ) ہم لوگوں (ہمارے طبقے کے لوگوں) سے زیادہ احادیث صحیحہ کے جاننے والے ہو کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے بھی بتا دو کہ میں اسے اختیار کر دوں۔ امام احمدؒ صاحب چونکہ سب میں بعد تھے۔ اس وجہ سے اُن کو سب سے زائد حدیثیں ملیں۔ چنانچہ امام احمدؒ نے جو مسند بنائی اُس میں تقریباً تیس ہزار[۲] حدیثیں ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ امام احمد صاحب جب مسند جمع کر کے فارغ ہوئے تو انھوں نے اپنی تمام اولاد کو جمع کر کے وہ مسند اُن کو سنائی اور فرمایا، مسلمانوں میں جب کبھی کسی حدیث رسولؐ کی بابت اختلاف ہو تو اُن کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ اگر اس کی اصل اس کتاب میں پائیں تو اس حدیث کو معتبر جانیں ورنہ اُس کو غیر معتبر خیال کریں۔ امام احمد صاحب کا بھی یہ دعوئے (اگر اس کے یہی معنے ہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں) صحیح نہ اُترا۔ امام احمد صاحب کے بعد بھی بہت ایسی صحیح احادیث ثابت ہوئیں جن کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور وہ اُن کی مسند میں نہیں ہیں۔ غرض اس میں شک کرنے کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں ہے کہ ذخیرہ فن حدیث کا اس کے مجتمع ہو جانے اور کتابوں کے اندر مدون ہو جانے کی وجہ سے جیسا کہ زمانہ بعد کے لوگوں کو ملا، ائمہ اربعہ کو نہ ملا تھا اور وہ تمام احادیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے خلاف ثابت کئے اور دونوں ہی کے رد میں تحریریں کیں۔ دیکھو توالی التاسیس جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کو ان دونوں سے زاید حدیثیں ملیں۔

[۱] چنانچہ آگے شاہ صاحب کے قول میں آتا ہے۔

[۲] مسند امام احمد کی عدد احادیث میں مختلف قول ہیں کسی نے چالیس ہزار اور کسی نے پچاس ہزار بھی کہا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے پچاس ہزار والا قول لکھا ہے۔ وجہ توفیق کی تراجم کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جو نہایت مکمل اور منقح اب ہم بآسانی پا رہے ہیں اس زمانہ میں انتشار کی وجہ سے یا ائمہ اُن سب پر محیط نہ تھے اور نہ اُن کو ان سب کا پا لینا آسان تھا بالخصوص وہ جو زمانے میں دوسروں پر تقدم رکھتے تھے مثل امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے اُن کے لیے اور بھی زائد اشکال تھا۔ اس لیے وہ دونوں بیچارے بقیہ دونوں اماموں سے بھی کم حصّہ پا سکے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے حدیث کم پانے کی ایک اور وجہ:

اس کے علاوہ ان دونوں صاحبوں کے حدیث سے حصہ بہت کم پانے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اتفاق سے ان دونوں صاحبوں کی عمر کا ایک بڑا حصہ اس زمانے میں گزرا تھا کہ وہ مسلمانوں کے باہم ملکی نزاعات و فسادات کا زمانہ تھا اور چاروں طرف

ا؎ افسوس کہ اس مقام پر ہم پورا نقشہ اس کا اور نیز اس کا جو ہم نے پہلے زمانہ کے سلسلہ خانہ جنگیوں کی طرف اشارہ کیا نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے کہ اس کے لئے زیادہ بسط کی ضرورت ہے تاہم اجمالی طور پر کچھ ذکر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں "امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا (جو کہ امام صاحب کا وطن و مسکن تھا) گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب (جو کہ امام مالک کا وطن و مسکن تھا) و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول تھیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانے میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے۔ اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانے کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے۔ کہ ولید شام میں حجاج عراق میں۔ عثمان حجاز میں۔ قرہ مصر میں۔ واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی۔ حجاج ۹۵ھ میں مرگیا۔ ولید نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔ غرض حجاج و ولید کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

سے جنگ و جدال اور شر و فتن کا بازار گرم تھا۔ اور مسلمانوں کے دن رات بڑی بدامنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہوسکتی تھی۔ نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اس لئے خز بافی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی۔ انتہیٰ ملخصًا۔

امام صاحبؒ کو تحصیل حدیث میں کاوشیں:

اس وقت تک کہ امام صاحب اپنی عمر میں سے سولہ برس ختم کر چکے۔ لیکن فتن و شرور نے ان کو اب تک طالبعلمی بھی نہ شروع کرنے دی۔ لیکن اب ملک میں کچھ دنوں کے لیے امن قائم ہوگیا اور اس عرصہ میں لوگوں نے علم کی طرف توجہ بھی شروع کی چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ابی بکر بن حزم کو جو کہ مدینہ کے ان کی طرف سے حاکم و قاضی تھے لکھ بھیجا کہ احادیث رسول تلاش کر کے لکھ کر بھیج دو۔ لیکن قبل اس کے کہ ابن حزم لکھ کر بھیجیں عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اور ممالک میں بھی حدیث کے لکھنے کا حکم بھیجا تھا (دیکھو زرقانی شرح مؤطا و فتح الباری) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کل ڈھائی برس خلافت کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد اب ایک عالمگیر فساد اٹھنا شروع ہوا۔ جس کے جھگڑے میں لوگ پڑ کر اور سب کچھ بھول گئے اور وہ سلسلہ جمع حدیث کا یوں ہی رہا۔ وہ عالمگیر فساد کیا ہے انقلاب سلطنت یعنی دولت بنی اُمیہ کا زوال اور دولت عباسیہ کا قائم ہونا۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی ہم نعمانی صاحب کے قول کو المامون سے لے کر پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں "بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے۔ اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلے کو اُٹھے اگرچہ ولید و ہشام کے پرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا۔ لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہوگیا۔ اور جب اس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اُٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھیچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۷ھ و ۱۰۹ھ و ۱۱۱ھ میں ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں۔ بعض وقت حکام بنی اُمیہ پر یہ سازش کھل گئی۔ جس کا نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ رہا تی برصفحہ آئندہ)

اور بے چینی سے گزرتے تھے۔ اس وقت آسان نہ تھا کہ یکسوئی کے ساتھ سلسلہ تعلیم و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علویین نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر دکھلائے اور میدان جنگ میں شجاعت کی داد دے کر مارے گئے۔"

غرض اسی طرح یہ فساد بڑھتا گیا حتیٰ کہ ۱۳۲ھ میں بڑی کشت و خون کے بعد مروانی خلافت کا ستارہ گر کر عباسیوں کا اقبال یاور ہوا۔ اور خلافت ان کے ہاتھ میں گئی۔ اس انقلاب میں ایک عالم کا عالم تہ تیغ ہوا۔ اور خون کے ندی نالے بہ گئے۔ جیسا کہ ذہبی کے کلام میں تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ عباسیہ کے تسلط کے بعد بھی عرصہ تک مخلوق کو امن نہ ملی۔ چنانچہ المامون میں لکھتے ہیں "اس کے بعد عباسیوں نے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا اور بالاتفاق ٹھہر گیا کہ خاندان بنو امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُن کا پتہ لگایا جاتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے تھے۔" اور سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں "اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابوالعباس سفاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی۔ سفاح کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اُکھڑوا کر اُن کی ہڈیاں تک جلا دیں۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا۔ جا بجا بغاوتیں برپا تھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں۔ لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔"

لیکن رفتہ رفتہ انتظام کے بعد امن و امان نے اپنا رنگ دکھلایا۔ چنانچہ ۱۴۰ھ میں منصور نے شہر بغداد کی بنا ڈالی اور اس کو بسانا شروع کیا۔ اب جب اطمینان ہو گیا

(۱۳)

تعلیم کا کھولا جانا یا پوری توجہ اس طرف ہو سکتی۔ گو مسلمان کسی وقت میں بھی اپنے دین کی

---

(۴)
تو ۱۴۳ھ میں علمائے اسلام تدوین حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور جا بجا محدثین نے کچھ کچھ مجموعے تیار کئے جس کا ذکر تم پہلے ذہبی کی کلام میں پڑھ چکے ہو۔ اب وہ یہ وقت ہے کہ امام اعظم صاحبؒ کی عمر عزیز میں کل چھ سات برس باقی رہ گئے۔ اتفاق کی بات کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد یعنی ۱۴۵ھ میں پھر بغاوت قائم ہوئی کہ جس نے اکثر بلاد اسلام کو ہلا دیا۔ اس وقت امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب دونوں منصور کے فریق مقابل کے حامی تھے ...... لیکن اس جھگڑے کا جلد خاتمہ ہو گیا۔ اب منصور نے چونکہ زیادہ تر فسادات کا مرکز عراق اور عراق میں بھی کوفہ تھا اس وجہ سے اپنے سابق دار الخلافت کو جو کہ کوفہ کے قریب تھا چھوڑ کر بغداد کو دار الخلافت مقرر کیا۔ اور پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جو بغاوت میں شریک تھے۔ اور اُن کا ضرب و قتل اور اُن کی ایذا رسانی شروع کی امام ابو حنیفہ صاحب کو بھی کوفہ سے جو اُن کا وطن تھا۔ طلب کیا۔ کہتے ہیں اُن کے قتل کا تو اُس نے ارادہ کر ہی لیا تھا۔ مگر بہانے ڈھونڈتا تھا۔ آخر قید کر دیا۔ اور بے خبری میں اُن کو زہر دلوایا۔ امام صاحب نے ۱۵۰ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (دیکھو تاریخ الخلفا اور سیرۃ النعمان وغیرہ)۔ افسوس کہ ان پریشانیوں کے زمانے میں امام صاحب کو اس کی بھی مہلت نہ ملی۔ کہ وہ اپنے زمانے کے محدثین کے مجموعے فراہم کر کے دیکھتے۔ گو وہ مجموعے ایسے جامع و مفید نہ تھے۔ جیسا کہ تم زمانہ مابعد کے محدثین کی تالیفات دیکھتے ہو۔ کیونکہ یہ تو ابتدائے زمانۂ تدوین تھا۔ پوری تکمیل تدوین و جمع حدیث کی تو اب سے لے کر تقریباً سو برس کے بعد تک میں ہوئی۔ جیسا کہ تم پہلے پڑھ چکے ہو تاہم اگر وہ سارے مجموعے امام صاحب کی نظر سے گذر جاتے تو اُن کے علم میں حدیث کا ایک معقول مجموعہ صرف ہو تو ورنہ ظاہر ہے کہ ایسے انتشار احادیث (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

حفاظت اور اُس کی تحصیل و تبلیغ سے غافل نہیں رہے ہے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ سلسلہ باقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور سخت پریشانیوں کے زمانے میں اکیلے امام صاحب کہاں تک کر سکتے تھے۔

اس وقت میں انتشار حدیث نعمانی صاحب کی زبانی

نعمانی صاحب امام صاحب کے زمانے میں احادیث کے انتشار کی بابت لکھتے ہیں "حدیثیں اس وقت تک نہایت پریشان و غیر مرتب تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اس کے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔"

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں "غرض امام ابوحنیفہ رح کے زمانے میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات۔ اغالیط۔ ضعاف مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے۔"

(تنبیہ)۔ ہم نے جو جا بجا نعمانی صاحب کے قول نقل کیئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ کے علاوہ حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ مہیا کر کے کتاب سیرۃ النعمان لکھی (جیسا کہ خود انہوں نے اول میں اقرار کیا ہے) جس میں امام اعظم کی سوانحعمری کے سوا امام صاحب کی تائید کو مدنظر رکھا اور ان کے مذہب کی ترجیح کی بہت کچھ کوشش کی حتی کہ انہوں نے اس مقصد میں حد سے زاید غلو کی وجہ سے سخت سخت مسامحات کئے جن میں سے بعض بعض کے جواب ہمارے ہمعصر جناب مولوی عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے حسن البیان میں جو انہوں نے اسی واسطے تالیف کی دیئے ہیں۔ اور بہتوں سے انہوں نے درگذر کیا ان میں سے بعض بعض پر ہم نے بھی تنبیہ کی ہے) پس نعمانی صاحب نے جو بات اس مضمون کے خلاف ذکر کی یا تسلیم کی وہ وہی ہے جس سے وہ کسی طرح انکار نہ کر سکتے تھے اور جس کے ثبوت میں ذرا بھی کلام کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا اتمام حجت کے لیے ان کا کلام نقل کر دینا ہم نے زیادہ مفید خیال کیا۔

کا ہے کو رہتا۔ مگر کچھ شک نہیں کہ حدیث کے منتشر ہونے کی وجہ سے اُس سے زیادہ حصہ پانے کے لیے جو ہمہ تن مصروف ہونے کی ضرورت تھی وہ اُس پر آشوب زمانہ میں کسی طرح نہ کر سکتے تھے اور اسی طرح اُن سے پہلے کے مسلمان ابھی انھیں شرور و فتن کی وجہ سے جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے وقت سے شروع ہو کر کم و بیش استحکام خلافت عباسیہ تک باستثناء کچھ کچھ فترات کے جاری رہے ہیں، ایسے مطمئن اور فارغ دل نہ تھے کہ وہ پوری توجہ اس طرف مبذول کر کے ایک معقول ذخیرہ فراہم کر رکھتے جو ان دونوں اماموں —— (ابو حنیفہؒ و مالکؒ) کو تیار شدہ مل جاتا۔ کیونکہ خود ہی معذور تھے اور ان کی مسلسل توجہ اس طرف نہ ہو سکتی تھی۔ اس سب کے علاوہ ویسے بھی اُس وقت تک اُن لوگوں کے دلوں میں اُس کی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی تھی۔

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے زمانے میں کہ اُس وقت امن و عافیت نے اپنا رنگ دکھلایا تھا۔ گو چند روزہ ہی سہی کچھ تحریک اُس کی ہوئی تھی۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ اُس کا سلسلہ آگے کو چلتا رہا ہو۔ بہر حال ان دونوں نے جو کیا وہ اُن کو بیشتر اپنی قوتِ بازو سے کرنا پڑا۔ اور گو انھوں نے کچھ امن و عافیت کا بھی زمانہ پایا مگر بہت ہی تھوڑا سا زمانہ تھا۔ تو وہ بیچارے اس ابتدائی زمانہ میں اور تھوڑے سے وقت میں اور صرف اپنی ذاتی کوشش سے کیا کر سکتے تھے اور کہاں تک کر سکتے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے باوجود تمام تر سعی کے بہت ہی تھوڑا حصہ حدیث کا پایا۔ بر خلاف زمانہ ما بعد کے کہ اس میں تدوین کی وجہ سے جو احادیث منتشر تھیں وہ جمع ہو گئیں اور جو مخفی تھیں وہ ظاہر ہو گئیں اور پھر ہر شخص کو ملنے لگیں۔

اہل حدیث کی مساعی تحصیل حدیث اور ان کے ثمرات:

چنانچہ شاہ صاحب، اہل الرائے کے مقابل اہل حدیث کے بیان میں جن کا کچھ ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں لکھتے ہیں:

"تو ان[1] اہل حدیث کے لیے بلاد اسلام میں تدوین احادیث و آثار کا شائع

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صـــ ۱۵۳ و ۱۵۴ عبارت طویل ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

ہونا اور کتابوں اور رسالوں کا لکھا جانا، حتیٰ کہ اہل روایت کم نکلیں گے جن کی کوئی کتاب یا رسالہ نہ ہؤا ہو، بڑا کارآمد ہؤا۔

پس اس وقت میں جو اُن کے اکابر تھے وہ بلاد حجاز (حرمین شریفین) اور شام اور عراق اور یمن اور مصر اور خراسان میں پھرے اور ان کتابوں اور رسالوں کو (جو اس ابتدائے زمانہ میں لکھے گئے تھے انھوں نے) جمع کیا۔ اور کمیاب حدیثوں اور نادر آثاروں کی جستجو میں خوب کوشش کی تو ان لوگوں کے اہتمام سے اُن کے پاس احادیث و آثار اس قدر جمع ہو گئے جو اُن سے پہلے کسی کو میسر نہ آئے تھے اور ان کے پاس حدیث کی اسانید بہت بہت جمع ہو گئیں۔ حتیٰ کہ اُن کے پاس بہت احادیث ایسی تھیں کہ ان (میں سے ایک ایک حدیث کے) سو سو طریقے اور سندیں تھیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بعض طریقوں نے (اس میں کچھ تفصیل ہونے کی وجہ سے حدیث کے معنے ومطلب کے متعلق) ایسی بات کھول دی جو دوسرے طریقوں میں پوشیدہ تھی اس وجہ سے یہ لوگ نفسِ حدیث کے علاوہ مطالب حدیث سے بھی زیادہ واقفیت رکھنے والے ہو گئے۔ اور ان لوگوں نے ہر حدیث کا مرتبہ کہ وہ غریب ہے (جس کے بہت سے راوی نہیں) یا مستفیض ہے (جس کے رواۃ بکثرت ہیں، بھی) پہچان لیا اور اُن کو اس کی بھی قدرت ہوئی کہ وہ حدیث کے متابعات وشواہد دیکھیں۔ اور اُن پر بہت سی احادیث صحیحہ ظاہر ہو گئیں جو پہلے کے اہل فتوی (مجتہدین) پر ظاہر نہ ہوئی تھیں (دیکھو) امام شافعیؒ امام احمدؒ سے درخواست کرتے ہیں کہ (چونکہ) تم احادیث صحیحہ کے ہم سے زیادہ جاننے والے ہو تو کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھ کو بھی بتا دینا کہ میں بھی اُسے لوں۔ کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی (یعنی کسی شہر والے کی حدیث ہو)۔ چنانچہ ابن الہمام (حنفی) نے اُس کو حکایت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت احادیث صحیحہ ایسی ہیں کہ اُن کو صرف خاص ایک ہی شہر کے لوگ روایت کرتے ہیں (جیسے افراد

شامیین، افراد عراقیین (یعنی وہ احادیث جن کو صرف شام والے روایت کرتے ہیں یا صرف عراق والے روایت کرتے ہیں۔ جو کہ حدیث کی قسمیں کہلاتے ہیں) یا اُن کو کوئی خاص خاندان روایت کرتا ہے۔ جیسے نسخہ بریدعن ابی بردۃ الخ کا یا عمرو بن شعیب الخ کا یا (مثلاً کسی حدیث کا) صحابی کم روایت کرنے والا و غیر مشہور تھا کہ جس سے (اس حدیث کو) کم دگروں نے لیا تو اس قسم کی احادیث سے اکثر اہل فتوے (ائمہ) بے خبر رہے (اور اب ان زمانوں میں وہ آکر کھل گئیں اور علاوہ اس کے ان لوگوں کے پاس ہر شہر کے فقہاء (و مجتہدین) کے اقوال (بھی خواہ وہ فقہاء) صحابہ میں سے ہوں یا تابعین میں سے جمع ہو گئے۔ حالانکہ پہلے وقت میں آدمی اپنے شہر کی اور اپنے اساتذہ کی حدیث کے سوا اور جمع نہ کر سکتا تھا (اور صرف انھیں کے مجتہدات و اقوال پر واقف ہو سکتا تھا) اور (ایک بات اور ہے کہ) پہلے کے لوگ راویوں کے پہچاننے اور ان کے مراتب عدالت معلوم کرنے میں اسی پر بھروسہ کرتے تھے جو خود ان کو مشاہدہ حال اور تتبع قرائن سے سمجھ میں آتا تھا۔ اور (اب) اس طبقہ نے اس فن میں (بھی) تدقیق (و تحقیق) کی اور اس میں بحث کر کے اور اس کو جمع کر کے اُس کو ایک مستقل علم بنا دیا۔ (پس اس میں بجائے صرف اپنے تتبع کے ہزاروں مبصروں کی تحقیقیں جمع ہو کر بات روشن ہو گئی اور اب زمانہ مابعد کے لوگ بطور خود اس تحقیقات سے بھی سبکدوش ہو گئے) اور انھوں نے (کسی حدیث پر) صحت کے حکم لگانے وغیرہ میں آپس میں بحثیں کیں تو ان پر اس تدوین و بحث کی وجہ سے (احادیث کے) اتصال و انقطاع کا حال بھی کھل گیا۔

(غرض ہر طرح سے پچھلوں کی معلومات پہلوں کی معلومات سے ترقی کر گئی۔ چنانچہ پہلوں میں سے نظیر کے طور پر دیکھو) سفیان و وکیع اور جو ان کے ہم مثل تھے (جو کہ امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ کے ہم زمانہ ہیں) باوجودیکہ غایت درجے کی کوشش کرتے تھے۔ تاہم مرفوع متصل حدیث ہزار سے کم ہی پاتے تھے۔

جیسا کہ ابوداؤد سجستانی (صاحب سنن) نے اپنے اس خط میں جو اہلِ مکہ کو انھوں نے بھیجا تھا لکھا ہے۔ (اسی سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی بھی تعداد احادیث معلوم ہو سکتی ہیں) اور (اب) اس طبقہ کے لوگ (جو ان سے بعد ہیں) چالیس چالیس ہزار حدیث یا اس کے قریب قریب روایت کرتے تھے بلکہ (امام) بخاری سے بسندِ صحیح ثابت ہوا کہ انھوں نے اپنی صحیح کو چھ لاکھ حدیث سے تلخیص کیا۔ اور ابوداؤد سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنی سنن کو پانچ لاکھ حدیث سے منتخب کیا۔ اور (امام) احمدؒ نے تو اپنی مسند کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانچنے کا آلہ ٹھہرا دیا کہ جو حدیث اس میں ہو گو ایک ہی سند سے سہی تو اُس کی اصل ہے اور جو حدیث اس میں نہ ہو وہ بے اصل ہے۔ (ان کے پاس اس کثرت سے احادیث جمع ہو گئیں کہ اُن کو تمام احادیث کے احاطہ کا خیال ہو گیا۔ مگر بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا کہ بہت سی احادیث اُن کو بھی نہیں پہنچیں۔)

ائمہ اربعہ موردِ الزام نہیں!

پس کچھ تعجب نہیں اگر ان ائمہ میں سے خصوصًا ان میں سے جو زمانہ میں اور بھی تقدم رکھتے تھے۔ مثل امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے کسی امام کا کوئی مسئلہ حدیث رسولؐ کے خلاف پڑ جائے یا زمانہ مابعد کے لوگوں میں سے کسی کو کوئی ایسی حدیث معلوم ہو جائے جو اُن کو معلوم نہ تھی یا اس کو کوئی ان کی اجتہادی خطا ثابت ہو جائے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو بڑے بڑے پاکیزہ نفوس تھے اور صاحب مناقب جلیلہ اور مفاخر جمیلہ۔ ان میں سے ہر ایک کے مناقب میں بڑی بڑی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ اِن مناقب کی کتابوں کو دیکھو تو جس امام کے مناقب کو پڑھو یہی جی چاہتا ہے کہ بس ان ہی کی تقلید کر لی جائے۔ مگر اگر مناقب ہی پر مدارِ تقلید ہے تو کس کس کی تقلید کی جائے۔ جس امام کے مناقب دیکھو ہر ایک کی یہی حالت ہے۔ ائمہ اربعہ پر مخصوص نہیں اور تمام اکابر ائمہ کا بھی یہی حال ہے کہ ایک سے ایک بڑھ کر نظر آتا ہے۔

پس اس سے بہتر کوئی بات نہیں کہ فروع کی بجائے سب کے اصل کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ سرورِ اکرم فخرِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور نیز مناقب کے لحاظ سے بھی سب سے زیادہ مناقب آپ ہی کے ہیں۔ لیکن ان ائمہ سے بھی ہم کو کسی طرح استغناء نہیں۔ شریعت واحکامِ رسولؐ انھیں کے یا اُن کے ہم مثلوں کے ذریعہ سے ہمیں پہنچے پھر ہم ان کو کیسے بھول سکتے ہیں۔ تاہم ہم کو یہ جائز نہیں کہ ہم ان کا کوئی قول جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معلوم ہو اس کو اختیار کریں۔

کسی مسئلہ کی تلاش میں ائمہ اربعہ کا دستور العمل:

یہ کوئی نہیں کہتا کہ ان اماموں میں سے کوئی امام اپنی طرف سے حدیث کے لینے میں اور اُس کی تلاش میں[1] دانستہ سستی کرتا تھا یا اس کے ملنے کی صورت میں اس پر عمل میں اُس کو کوئی دریغ تھا بلکہ وہ قاعدے کے مطابق اول مسئلہ قرآن میں تلاش کرتے تھے۔ اُس میں نہ ملتا تھا تو حدیثِ رسولؐ ڈھونڈھتے تھے۔ جب حدیث نہ ملتی تب اجتہاد وقیاس سے کام نکالتے تھے۔ جیسا کہ مجتہد کو کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ اجتہاد میں خطا بھی ہوتی ہے اس وجہ سے ایسا بہت ہوا کہ جو مسئلہ اُنھوں نے اجتہاد سے بتایا اُس میں اُن سے خطا ہو گئی اور دوسروں کو حدیث اس کے خلاف معلوم ہو گئی۔ لیکن اُس سے اُن کے ذمہ کوئی الزام نہیں۔ وہ بہر صورت ماجور ہیں۔

بلکہ انھوں نے تو خود ہی بہت سے مسائل کا اپنے اجتہاد ورائے[2] سے کہنا ظاہر

---

[1] البتہ تلاش کے منازل متفاوت ہیں۔

[2] امام اعظم صاحب کا ایک قول کہ جب وہ مسئلہ بتاتے تھے تو فرما دیتے تھے کہ یہ میری رائے ہے پس جو اس سے بہتر لاوے تو وہی اولےٰ ہے۔ پہلے گزر چکا اور ایک قول ان کا یہ بھی ہے جس کو نعمانی صاحب نے بھی سیرۃ النعمان صـ۱۸۳ میں ذکر کیا ھذا الذی نحن فیہ رأی لا نجبر علیہ احدا ولا نقول یجب علی احد قبولہ انتہیٰ یعنے ہم جس بات میں مشغول ہیں وہ رائے واجتہاد ہے ہم کسی پر جبر نہیں کر سکتے (کہ اس پر عمل کرے)، اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا کسی پر واجب ہے۔

کر دیا۔ چنانچہ فرمادیا کہ حدیثِ رسولؐ مل جائے تو ہمارا قول چھوڑ دینا اور حدیث رسولؐ پر عمل کرنا۔ اس سے معلوم ہؤا کہ انھوں نے مسائل اجتہاد سے بھی کہے تھے۔ اگر کل صریح منصوص سے کہے ہوتے تو اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی[1] اور اُن کے اس قول سے یہ بھی ثابت ہؤا کہ ان کو خود بھی اقرار ہے کہ ہم کو تمام احادیثِ رسولؐ پر احاطہ نہیں۔ اگر احاطہ[2] ہوتا تو وہ ایسا کیوں فرماتے۔ بہر حال وہ ہر طرح سے بری ہیں اور اُن پر کوئی الزام نہیں۔

کچھ بحثیاں اور تاویلات رکیکہ:

الزام تو اُن پر ہے جو باوجود حدیث پانے اور امام کے قول کے اُس کے مخالف ہونے کے امام کی رائے پر چلے جاتے ہیں اور حدیثِ رسولؐ کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے بلکہ امام سے اپنے الزام دُور کرنے اور اپنے پر سے اعتراض اٹھانے کی غرض سے

---

[1] اور اگر معدودے چند ہوئے تو خاص طور پر ان کو بتا دیتے۔

[2] چنانچہ جناب مرزا مظہر جانجاناں صاحب نقشبندی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ومخفی نیست کہ ہیچ یکے از علماء امت جمیع احادیث را احاطہ نہ کردہ است چنانچہ قول اکثر کو اقوالی بخیر الرسول.. نقل است بر آں کہ جمیع احادیث با امام نرسیدہ بلکہ بعض از انہا فوت شدہ وجہا فوت نشود کہ مثل خلفاء راشدین کہ اعلم امت وملازم صحبت جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم بودند بعض احادیث از ایشاں نیز فوت شدہ ومیداند ایں معنے ہر کہ معرفتے بفن حدیث دارد۔

حدیث کے ساتھ مقلدین کا سلوک:

[3] جیسا کہ پہلے تم علامہ محمد حیات سندی کے قول میں پڑھ چکے ہو۔ اور ان کے لکھنے پر کیا موقوف اب بھی برابر یہی ہو رہا ہے حدیث پڑھاتے وقت کسی مقلد طالب علم کے سامنے جس وقت حدیث سے جو جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں بیان کئے جاتے ہیں تو جب تک اُسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ مسائل میرے امام کے مذہب کے خلاف ہیں اس وقت تک اُس کو اُن مسائل کے تسلیم ہیں اور اُن مسائل کے اس حدیث سے مستنبط ہونے میں ذرا کلام نہیں ہوتا (باقی بر صفحہ آئندہ)

حدیث کے معنے میں طرح طرح سے تاویلیں کر کے اور پھیر پھار کر اُس کو اپنے امام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور جب اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ میرے امام کے خلاف ہے تو فوراً اُس کو اُس مسئلہ کے اُس حدیث سے مستنبط ہونے میں کلام پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کسی طرح سے اُس مسئلہ پر اس حدیث کا دلالت کرنا تسلیم کرنا نہیں چاہتا بلکہ طرح طرح کی کج بحثیوں سے اُس کو رد ہی کرتا چلا جاتا ہے - اور طالب علم کیا - اُن کے عوام و علماء سب کی یہی حالت ہے - کسی ایسی حدیث کو جو اُن کے امام کے مخالف نہیں یا اُس کا مخالف ہونا معلوم نہیں - جب سنتے ہیں تو اُس میں کوئی بحث و انکار اُن کو نہیں ہوتا - اور وہ حدیث کہ اس کا مخالف ہونا اُن کے علم میں ہو - اس میں طرح طرح کے عیب نکل آتے ہیں - اس سب کو جانے دو - ہم انہیں پر انصاف رکھتے ہیں - وہ ایمان سے کہہ دیں - اُن احادیث میں جو رفع الیدین یا آمین بالجہر یا قرآۃ خلف الامام کے ثبوت میں مثلاً وارد ہیں (جن کے صحت و ثبوت کو تمام محققین تسلیم کرتے ہیں) یہ لوگ جو کچھ کلام کرتے ہیں اور کسی طرح اُن کا لائق عمل ثابت ہونے دینا نہیں چاہتے بلکہ طرح طرح سے اُن کو غیر معمول بہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں کیا یہ اسوقت بھی ایسا ہی کرتے اگر فرضاً امام ابو حنیفہ صاحب کی بھی رائے اُن احادیث کے موافق ہوتی اور اُن کا قول اُن کے خلاف نہ ہوتا - بلکہ امام شافعی وغیرہ کو اُن سے خلاف ہوتا - اور کیا اس صورت میں بھی یہ لوگ ان احادیث کی مخالفت میں ایسا ہی گفتگو کرتے جیسا اب کرتے ہیں - اور کیا اُس حالت میں بھی ان لوگوں کے ذہن ان احادیث کی بابت انہیں تاویلوں کو جگہ دیتے جن کو اب دیتے ہیں - ہرگز نہیں - بلکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ اپنے موافق گے نام سے اگر ضعیف سے ضعیف دلیل مل جائے تو اس کو قوی سے قوی سمجھا جاتا ہے اور مخالف کی کیسی ہی صریح و قوی دلیل ہو اس میں بیسیوں عیب نکالے جاتے ہیں بہر حال ر وہ جی میں انصاف کریں تو کبھی اُس کے خلاف نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ جن احادیث میں اُن کو اپنے امام کے مخالف پانے کی صورت میں جو کچھ کلام کرتے ہیں اگر بالفرض ان کے امام کا مذہب اُس کے برعکس ہوتا یا یہ کسی شافعی المذہب کے گھر میں پیدا ہوئے ہوتے تو کبھی اُن کو اُن میں یہ کلام نہ ہوتا - اور صرف یہی نہیں - (باقی بر صفحہ آئندہ)

قول کے مطابق بناتے ہیں نہ یہ کہ حدیث رسول ؐ کو اصل قرار دے کر امام کے قول کو اس کی طرف پھیرتے اور حدیث کے تابع ہوتے۔ جب یہ کچھ نہیں بنتی تو کبھی تو چونکہ اپنے مشائخ کا عمل اس کے خلاف دیکھتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہو گی۔ حالانکہ محض باتوں سے نسخ ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ صریح طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ پیغمبر صاحبؐ نے یہ حکم دے کر پھر اُس کو اُٹھا دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں[۲]: "فقہاء کا ان احادیث کو جو اُن کے مشائخ کے عمل کے خلاف ہیں منسوخ کہہ دینا، کوئی ماننے کے لائق بات نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بلکہ ایک لطف اور ہے وہ یہ کہ ایک ہی حدیث میں کا ایک جزو جو اپنے موافق ہے وہ معتبر و قابل حجت قرار دیا جائے اور دوسرا جزو جو موافق نہیں غیر قابل عمل قرار دیا جاتا ہے مثال کے طور پر حدیث عبداللہ بن زید بن عبد ربہ اور حدیث ابی محذورہ کو دیکھو کہ ہر ایک میں جو جزو کہ صفت اذان بلا ترجیع اور اقامت بلا ایتار پر دلالت کرتا ہے معتبر و حجت ہے اور دوسرا جزو جو ترجیع اذان و ایتار اقامت پر دلالت کرتا ہے۔ غیر معتبر ہے۔ اس قسم کی مثالیں اگر تمہیں دیکھنا ہو تو اعلام الموقعین دیکھو۔ اور جب ایسا ہے تو ان کی احادیث میں یہ ساری بحثیں محققانہ کہاں رہیں بلکہ محض امام کی طرفداری کے لئے ہوئیں۔ افسوس کہ تقلید پیشہ لوگوں نے حدیث رسولؐ کی کیسی بیقدری کی نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔

بتوں کو آستینوں اور مُنہ میں رکھنے کا جھوٹا قصہ:

[۱] رفع الیدین اور آمین بالجہر کے منسوخ بنانے کے لئے کیسے جھوٹے قصے اڑائے ہیں کہ وہ تو اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ منافق لوگ آستینوں میں اور مُنہ میں بت رکھ کر نماز کو آتے تھے پس رفع الیدین کا حکم دیا گیا کہ بُت گر پڑیں اور زور سے آمین کہنے کی وجہ سے منہ میں نہ رکھ سکیں۔ کیسی جھوٹی جھوٹی باتوں سے سنت رسولؐ کو رد کرنا چاہتے ہیں۔

[۲] عبارت یہ ہے وقول الفقہاء لما یجدونہ خلاف عمل مشائخھم منسوخ غیر مقنع انتہی (ص ۱۴۱)

کبھی کہتے ہیں ہمارے امام کے پاس بھی کوئی حدیث ضرور ہوگی جب تو انھوں نے اس طرح مسئلہ بتایا۔ حالانکہ امام کے پاس اُن کے بتائے ہوئے مسئلہ کے موافق حدیث کا ہونا محض ایک احتمالی بات ہے۔ کیونکہ نہ صرف احتمال بلکہ ظن غالب ہے کہ یہ مسئلہ انھوں نے قیاس واستنباط سے کہا ہوگا۔ اور اس کے خلاف بیں حدیثِ رسولؐ یقینی موجود ہے۔ پس کیسی غلطی ہے کہ یقین کو چھوڑ کر محض احتمال وشک پر مدارِ عمل رکھا جائے۔

کبھی کہتے ہیں ہمارے امام نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہوگا۔ یا اس کے کوئی اور معنے کیے ہوں گے۔ یا اُن کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہوگی تب ہی تو اُس کے موافق مسئلہ بتایا۔ اس وجہ سے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے۔

حالانکہ یہ سارے خیال اس وقت کیے جا سکتے ہیں کہ پہلے یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوجائے کہ یہ حدیث اُن کو ملی تھی اور پھر اختیار نہیں کی تو کہا جا سکتا ہے۔ شاید اس وجہ سے اختیار نہیں کی کہ سند ضعیف ہے اُن کو پہنچی تھی یا اُس کے کوئی اور معنے خیال کیے یا اُس کو منسوخ جانا۔ اور جب سرے سے یہی نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ حدیث سُنی بھی ہے یا نہیں۔ تو پھر محض ایسے گمانوں پر ایک صریح وصحیح حدیث رسولؐ کو رد کر دینا کیسی بے انصافی ہے۔

کبھی کسی صحابی کا قول یا فعل اپنے موافق پا کر کہنے لگتے ہیں۔ دیکھو فلاں صحابی اس کے قائل ہیں اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی اور اس مخالف حدیث میں کوئی نہ کوئی بات نہ ہوتی تو یہ صحابی کیسے اس مسئلہ کے قائل ہوتے۔ حالانکہ اگر یہ دلیل صحیح مان لی جائے تو بہت سی احادیث رسولؐ رد ہوجائیں۔ کیونکہ بہت سی احادیث ایسی ہیں جن کے صریح خلاف افعال و اقوال صحابہؓ ملتے ہیں (جس کی بڑی وجہ ابھی تم معلوم کر چکے ہو) تو چاہیے کہ ان تمام حدیثوں کو ایسے ہی احتمالات پیدا کر کے غیر مقبول کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے موقعوں پر اکثر فریق مقابل کے موافق بھی اقوال و افعال موجود ہوتے ہیں تو فریق مقابل بھی اسی طرح کہہ سکتا ہے کہ یہ مسئلہ اس طرح پر نہ ہوتا تو فلاں فلاں صحابہ کیسے اُس کے قائل ہوتے۔ فریق مقابل کے پاس تو اس دلیل کے سوا حدیثِ رسولؐ بھی موجود

ہے۔ پھر بڑا تعجب ہے کہ اُن کا یہ قول تو مقبول رہے اور فریق مقابل کا قول جو اُن سے زبردست تر حجت رکھتا ہے قابل قبول نہ ہو۔ اور قطع نظر اس سب کے خود اُن کے اصول کا بھی مسلمہ مسئلہ ہے کہ موقوف[1] (قول وفعل تقریر صحابہ) مرفوع (حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مقابل حجت نہیں ہوسکتا۔ پس اگر ایسے حیلوں کا اعتبار ہوتا تو اس قاعدے کے کیا معنے ہیں؟

تقلیدی قول اور عمل کا تضاد:

کبھی یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا اور اُس کی موافقت و مخالفت کا جاننا مجتہد کا کام ہے۔ ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث مخالف ہے یا موافق ہے۔ اس کا مفصل جواب تو ان شاء اللہ تعالیٰ تم آگے پڑھو گے۔ مگر یہاں پر اتنا کہہ دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جب تم حدیث سمجھتے ہی نہیں تو تم امام کے قول کی حدیثِ رسولؐ سے مخالفت اُٹھانے کے وقت یہ کیسے کہتے ہو کہ اس حدیث کے یہ معنے نہیں ہیں (جس سے مخالفت امام کے قول کی ثابت ہوتی ہو) بلکہ اس کے معنے یہ ہیں (جو مخالف امام کے قول کے نہ ہوں) اور حدیثوں میں تاویلیں اور حجتیں کیوں کرتے ہو بلکہ تم کو بالکل سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ فَلِمَ تحاجون فیما لیس لکم بہٖ علم[2]۔ اور نیز فریق مقابل کے مقابلے میں دلیلیں اور حجتیں کیوں لاتے اور مناظرے کیوں کرتے ہو جب تم کو موافق و مخالف دلیل پہچاننے اور دلیل پکڑنے کی تمیز ہی نہیں تو اپنی بساط سے زائد کام کیوں کرتے ہو جس کے تم اہل نہیں۔ اور نیز پھر تمھارے لیے علم اصول پڑھنا اور اس میں اپنے اوقات صرف کرنا بالکل ایک فضول کام ہے۔ اس لیے کہ غرض علم اصول سے طریقۂ استدلال اور دلائل سے استنباط مسائل کا طریقہ معلوم کرنا ہوتا ہے جب تم اس کی اہلیت کو پہنچتے ہی نہیں تو اس میں مصروف ہو کر اپنی تضییع اوقات کیوں کرتے ہو۔

---

[1] چنانچہ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں قول الصحابی عندنا حجۃ مالم ینفہ شئ من السنۃ انتہیٰ اور یہ ایسی ظاہر بات ہے جس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔

[2] یعنے سو کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو خبر نہیں۔ آل عمران رکوع ۷-۱۲

اہل تقلید کو ایک نیک مشورہ :

مگر اصل میں یہ کچھ نہیں یہ سارے حیلے و بہانے صرف اس واسطے ہیں کہ امام کے

اہل حدیث پر غلط الزامات اور ان کی حقیقت :

۱۔ بعض لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ جب وہ جانتے ہیں کہ علمی بحث میں تو ہم ان سے پیش لے جا ہی نہیں سکتے اور دلی عناد صبر بیٹھے نہیں دیتا تو اور ہی طرح طرح کی باتوں سے وہ اپنے دل کو ٹھنڈا کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ آمین بالجہر و رفع الیدین پر بہت اصرار و جھگڑے کرتے ہیں اور اور سنتوں پر عمل نہیں کرتے تو اول تو یہ الزام ہی صحیح نہیں۔ جس سے جہانتک ہو سکتا ہے عمل کرتا ہے۔ ان کی کوئی تخصیص نہیں مگر چونکہ اس سے ان کو زیادہ خلاف ہے اس وجہ سے یہی ان کو بہت کھٹکتا ہے اور ناگوار ہونے کی وجہ سے اسی سے صدمہ زیادہ پہنچتا ہے اس واسطے یہی یاد رہتا ہے دوسرے یہ ضرور نہیں کہ جو تمام باتوں پر عمل کر سکے تب ہی کرے ورنہ ساری سنتیں چھوڑ کر بیٹھ رہے اور کسی ایک پر بھی عمل نہ کرے۔ تیسرے ان سنتوں کا اگر بہ نسبت دوسری سنتوں کے زائد اہتمام کیا جائے تو اس کی خاص کئی وجہیں ہیں اول یہ سنتیں متممات و تکملات صلوٰۃ سے ہیں جو کہ افضل اعمال اسلام ہے لہذا وہ اسی قابل ہیں کہ ان کا زائد اہتمام کیا جائے۔ دوسرے۔ لوگ ان سنتوں سے بالخصوص بے خبر ہیں پس ان پر زیادہ عمل درآمد کرنے سے احیاء سنت ہوتا ہے تیسرے۔ سنتوں سے جلنے والے سب سے زیادہ انہیں سنتوں سے جلتے ہیں لہذا ان کو زیادہ جلانا بھی داخل خیر ہے۔ پیغمبر صاحب نے آمین سے یہود کے جلنے کی وجہ سے حکم دیا کہ تم آمین زیادہ کہو تاکہ وہ خوب جلیں معلوم ہؤا کہ عمل خیر سے جلنے والے کو اور جلانا چاہیئے۔ لہذا ان وجوہ سے اگر ان سنتوں پر زیادہ اصرار کیا جائے تو حق بجانب ہے بایں ہمہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے کہ اور سنتوں پر عمل کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

کبھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ اماموں کا خلاف جو کرتے ہیں تو اپنی شہرت کے لئے اور تکبراً ایسا کرتے ہیں ان کی نیت بخیر نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ اتہام آج نیا نہیں انہیں کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

قول کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، مجبور ہیں، کچھ بنتی نہیں تو اسی طرح باتیں بنا کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ اور اہل حدیث ہیں کہ کسی کل پر انھیں چین نہیں لینے دیتے۔ لیکن ہم کہتے ہیں اگر تم کو براہ راست رسولؐ سے اور رسولؐ کی حدیث سے ذرا بھی الفت و غرض نہیں۔ اور تم اپنے امام ہی کے قول کے پابند رہنا چاہتے ہو تو آؤ ہم تم کو ایک ایسی تدبیر بتائیں جس سے تم اپنے امام کے قول پر بھی جمے رہو اور ان غیر مقلدوں کے اعتراضوں سے بھی نجات پا جاؤ۔ وہ یہ کہ تم یہی سمجھ کر کہ ہمارے ہی امام نے فرمایا ہے کہ میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرنا۔ حدیث پر عمل کر لو۔ اگر تم ایسا کرنے لگو گے تو غیر مقلد بھی تم پر اعتراض نہ کر سکیں گے۔ اور تم اپنے امام کے قول کے بھی پابند رہے۔ گو ہم اس صورت میں اس بات کی تو ذمہ داری کر نہیں سکتے کہ یہ عمل تمہارا عنداللہ مقبول ہوگا۔ اس لیے کہ یہ عمل حدیث پر نہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کے رسولؐ کی حدیث پر عمل ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اپنے امام کے قول پر عمل ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدوں کے مذکورہ بالا اعتراضوں سے ضرور بچ جاؤ گے۔ اور اپنے مقصود اصلی (قول امام) پر بھی قائم رہے۔ اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ امام اعظم صاحب یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پیش رووں نے پہلے امام شافعی کے اوپر بھی یہی اتہام کیا تھا کہ شافعی جو امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ کا خلاف کرتے ہیں تو دنیا کے لیے (اور اپنی شہرت کے لئے) کرتے ہیں دیکھو توالی التاسیس صفحہ ۷، مطبوعہ مطبع میریہ مصر۔

کبھی یوں اپنے جی کو خوش کر لیتے ہیں کہ کبھی کسی اہل حدیث سے بحسب اتفاق و بمقتضائے بشریت کوئی گناہ یا غیر موزوں فعل ہو گیا تو کہتے ہیں دیکھو یہ لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان باتوں کو نفس مذہب سے کیا تعلق۔ کسی مسلمان سے اگر کوئی نامناسب فعل ہو جائے تو اسلام یا مسلمانوں پر عیب اس سے کیونکر لگ سکتا ہے۔ دوسرے کیا وہ خود سب کے سب معصوم ہیں۔ اُن کے افراد اس قسم کے افعال کے کیا مرتکب نہیں ہوتے۔ مگر وہاں اصلیت کو کون دیکھتا ہے۔ مقصود تو عیب گیری ہے۔ غرض اسی طرح کی ان لوگوں کی اور بھی کتنی باتیں ہیں جن کو ہم بخوف طول کلام چھوڑتے ہیں۔

کوئی اور امام اگر اُس وقت تک زندہ رہتے کہ احادیث فراہم ہو کر مدون ہو جاتیں تو ان کا مذہب بھی یہی ہوتا جو یہ حدیثیں بتاتی ہیں۔

حضرت امام معذور تھے لیکن مقلدین معذور نہیں:

شیخ المشائخ امام عبدالوہاب شعرانی کی میزان کبریٰ میں ہے:

"امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہمارا اعتقاد اور ہر منصف کا اس قرینہ سے جو ہم نے ان سے ابھی رائے کی مذمت اور رائے سے تبریٰ اور ان کا نص (قرآن وحدیث) کو قیاس پر مقدم کرنا نقل کیا یہ ہے۔ اگر وہ احادیث

ل عبارت یہ ہے واعتقادنا واعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ بقرینۃ ما رویناہ آنفا عنہ من ذم الرأی والتبری منہ ومن تقدیمہ النص علی القیاس انہ لو عاش حتی دونت احادیث الشریعۃ وبعد رحیل الحفاظ فی جمعہا من البلاد والثغور وظفر بہا لاخذ بہا وترک کل قیاس کان قاسہ وکان قل فی مذہبہ کما قل فی مذاہب غیرہ بالنسبۃ الیہ لکن لما کانت ادلۃ الشریعۃ مفرقۃ فی عصرہ مع التابعین وتابعی التابعین فی المدائن والقری والثغور کثر القیاس فی مذہبہ بالنسبۃ الی غیرہ من الائمۃ ضرورۃ لعدم وجود النص فی تلک المسائل التی قاس فیہا بخلاف غیرہ من الائمۃ فان الحفاظ کانوا قد رحلوا فی طلب الاحادیث وجمعہا فی عصرہم من المدائن والقری ودونوہا فجاوبت احادیث الشریعۃ بعضہا بعضا فہذا کان سبب کثرۃ القیاس فی مذہبہ وقلتہ فی مذاہب غیرہ ویحتمل ان الذی اضاف الی الامام ابی حنیفۃ انہ یقدم القیاس علی النص ظفر بذلک فی کلام مقلدیہ الذین یلزمون العمل بما وجدوہ عن امامہم من القیاس ویترکون الحدیث الذی صح بعد موت الامام فالامام معذور واتباعہ غیر معذورین وقولہم ان امامنا لم یاخذ بہذا الحدیث لا ینہض حجۃ لاحتمال انہ لم یظفر بہ او ظفر بہ لکن لم یصح عندہ وقد تقدم قول الائمۃ کلہم اذا صح الحدیث فہو مذہبنا ولیس لاحد معہ قیاس ولا حجۃ الا طاعۃ اللہ ورسولہ بالتسلیم لہ انتہی

کے جمع ہو جانے تک اور حفاظ (حدیث کے) حدیثوں کے جمع کرنے کیلئے مختلف بلاد اور اطراف ممالک اسلام میں پھرنے کے بعد زندہ رہتے اور ان احادیث کو پاتے تو ضرور وہ انکو لیتے۔ اور جو جو قیاسیں انھوں نے کی ہیں وہ سب چھوڑ دیتے اور انکے مذہب میں بھی قیاس کم ہوتا۔ جیسا کہ اوروں کے مذہب میں کم ہے۔ مگر چونکہ اُنکے زمانے میں (جو زیادہ) دلیلیں شریعت کی ہیں۔ یعنی احادیث وہ تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ ساتھ (متفرق) شہروں اور گاؤں اور سرحدوں پر منتشر تھیں (اس وجہ سے اُن کو زیادہ نہ مل سکیں۔ لہٰذا اور ائمہ کی بہ نسبت ان کے مذاہب میں قیاس سے مجبوراً زیادہ کام لینا پڑا۔ کیونکہ ان مسائل (کثیرہ) میں جن میں انھوں نے قیاس کیا ان کو کوئی نص نہیں ملی۔ بخلاف دوسرے اماموں کے۔ کیونکہ اُن کے زمانوں میں حفاظ حدیث گاؤں و شہروں سے حدیثیں تلاش کرتے اور حدیثوں کے جمع کرنے کے لیے سفر کرنے لگے تھے۔ اور انھوں نے احادیث کو اکٹھا کیا تھا تو احادیث ایک دوسری سے آملیں۔ یہ وجہ ہوئی امام ابو حنیفہ کے مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے اور اور اماموں کے مذہب میں کم ہونے کی۔

اور یہ جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ قیاس کو نص (قرآن و حدیث) پر مقدم رکھتے تھے شاید اُس کی وجہ یہ ہو کہ اُن کے مقلدین کے کلام میں ایسا (قیاس کو نص پر مقدم کرنا) پایا گیا۔ جو کہ اُسی پر عمل کو لازم رکھتے ہیں۔ جو قیاس کہ امام سے منقول پاتے ہیں اور امام کی وفات کے بعد جو حدیثیں صحیح ثابت ہوئیں اُن کو چھوڑتے ہیں تو امام تو معذور تھے اور یہ اُن کے اتباع غیر معذور ہیں۔ اور اُن کا یہ عذر کہ ہمارے امام نے اس حدیث کو نہیں لیا، حجت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ اُن کو وہ حدیث نہیں ملی یا ملی مگر اُن کو صحیح نہ ثابت ہوئی۔ اور پہلے تمام اماموں کا قول گزر چکا ہے کہ جب حدیث صحت کو پہنچ جائے وہی ہمارا مذہب ہے۔ اور پھر کسی کو اُس کے ساتھ کوئی

قیاس یا حجت کی گنجائش نہیں۔ سوائے اس کے کہ بس سر جھکا کر اللہ اور رسولؐ کی تابعداری کی جائے۔"

میزان شعرانی کے اس بیان سے منکشف ہو گیا کہ جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی امام کا مذہب ہے اور گویا وہی اُن کا قول ہے۔ پھر اب امام کے قول پر اصرار کرنے والوں کو حدیث پر عمل میں کونسا عذر باقی ہے۔

امام صاحب اور قلتِ حدیث کے اسباب و وجوہ:

اس بیان سے صرف یہی نہیں ثابت ہُوا بلکہ اس سے چند اور بھی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ (جیسا کہ ہم نے اوپر بھی لکھا ہے) امام کا کسی حدیث کو نہ لینا اس کے غیر معمول بہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ مقلدین حنفیہ نے امام صاحب کے قیاس پر عمل کو لازم پکڑ کر حدیث پر عمل کو چھوڑ دیا۔ تیسرے امام ابو حنیفہ صاحب کے مذہب میں اور سب اماموں سے قیاس زائد ہے۔ چوتھے امام صاحب کو اور سب اماموں سے کم حدیثیں ملیں (جبھی ان کو سب سے زیادہ قیاس کرنا پڑا۔) جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں اور سب اماموں کے زمانے سے زائد انتشار احادیث تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت کم حصہ پا سکے۔ امام صاحب کے حدیث سے کم حصہ پانے کی صرف یہی دو وجہیں نہیں ہیں جو اب تک تم نے پڑھیں۔ بلکہ اس کی کئی وجہیں اور بھی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جس کو تیسری وجہ شمار کرنا چاہیے کہ حدیث کے حاصل کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ بغرض طلب حدیث مختلف شہروں کے سفر کیے جاتے اور جا بجا اساتذہ ارباب روایت کی خدمتوں میں جا جا کر رہا جاتا اور ہر ایک سے ان کی احادیث محفوظہ حاصل کی جاتیں۔ جیسا کہ ان تمام محدثین نے کیا۔ چنانچہ جہاں اُن کی سوانح عمریاں اور اُن کے مفصل حالات لکھے ہیں، اُن کے تمام ان اسفار اور رحلتوں کا بھی ذکر ہے۔

امام اعظم صاحبؒ کی جب سوانح عمری پر نظر کی جاتی ہے اور تحقیقی نظر سے جو اُن کے حالات دیکھے جاتے ہیں تو اُن کا اس طرح پر طلب حدیث کے لیے مختلف

بلاد میں سفر کرنا کچھ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ ہم نے باوجود کوشش و تلاش کے اس وقت تک کوئی ثبوت اس کا نہ پایا۔ بلکہ انھیں مناقب کی کتابوں سے جن میں اُن کے مناقب کے علاوہ ان کے مذہب کی نصرت اور اُن کو اور ائمہ پر ترجیح دینے کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عمر عزیز کا وہ حصہ[1] جو عموماً انسان کی آزادی اور امور دنیاوی سے بے تعلقی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور جو تحصیل علم و سفروں کے لیے زیادہ مناسب ہے ایسی حالت میں گزر گیا کہ اُن کو کسی علم کی طرف توجہ نہ ہو سکی تھی۔ اور جب توجہ ہوئی تو پہلے علم کلام[2] کی طرف ہوئی (جس کا تعلق زیادہ تر حدیث سے ہے ہی نہیں) اور عرصہ تک اس میں مشغول رہے اور اپنی طباعی و ذہانت

---

[1] جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور سیرۃ النعمان میں امام صاحب کی طلب حدیث کا وقت بیس برس کی عمر سے بتایا ہے۔ صـ۳۱ـ

[2] سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں "امام ابوحنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی۔ جس کی ممارست نے ان کی قوت فکر و حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے" انتہیٰ صـ۲۲۳ و صـ۲۲۴ اور لکھتے ہیں۔ "امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن بحث کرنے میں اُن سے جی چُراتے تھے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے۔ اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔ لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا۔ شروع شروع تو امام صاحب اس فن۔۔ (علم کلام) کے بہت دلدادہ رہے۔ لیکن جس قدر عمر و تجربہ بڑھتا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت رُکتی جاتی تھی خود اُن کا بیان ہے کہ آغاز عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ہمیشہ ان بحثوں سے الگ رہے۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقہ پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا۔ عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد جن کا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جا کر پوچھے۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی۔ اُسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا۔" انتہیٰ ملخصاً (صفحہ ۲۰ وغیرہ)۔

کی وجہ سے اس میں بہت کچھ تبحر پیدا کیا۔ اس عمر میں امام صاحب کو مسائل عملیہ سے (کہ انھیں کے ساتھ حدیث کو بڑا تعلق ہے) ایسی بے تعلقی تھی کہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک معمولی مسئلہ طلاق کا دریافت کیا، تو اس کے بھی جواب میں توقف ہوا۔ آخر مجبور ہو کر فرمانا پڑا کہ کسی اور سے جا کر دریافت کر لے۔ لیکن عمر و تجربہ بڑھنے پر علم کلام سے طبیعت ہٹی تو فقہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے وطن کے مشہور فقیہ امام حمادؒ کے حلقہ درس میں جا کر داخل ہوئے اور اُن کی زندگی بھر اُن کی مصاحبت نہ چھوڑی[1]۔ حماد روایت حدیث میں یا محدث کے نام کے ساتھ کچھ ایسی شہرت نہ رکھتے تھے۔ ہاں وہ اُس مجموعہ فقہ کے جو کہ ابراہیم نخعی سے ان کو ملا تھا، بڑے حافظ تھے اور کوفہ کے مشہور فقہاء میں سے تھے۔ امام[2] صاحب نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو اُستاذی کے لیے اُنھیں کو انتخاب کیا۔ امام صاحب ان کی زندگی ہی[3] میں درجہ اجتہاد پر پہنچ گئے تھے اور اُن کی وفات[4] کے بعد اُنھیں کی مسند درس پر جانشین ہو گئے، اور اب خود درس دینے لگے اور ترتیب فقہ و نشر مسائل میں مشغول ہو گئے اور اخیر

---

[1] چنانچہ خود امام صاحب کا قول آگے آتا ہے۔

[2] دیکھو سیرۃ النعمان ص ۳۱۔

[3] دیکھو سیرۃ النعمان ص ۵-۱۲

[4] سیرۃ النعمان ص ۱۹ میں ہے "ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعود کے فتاوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا۔ لیکن ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہیں کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی۔ لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں قضا کی اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابو حنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔" انتہی۔

عمر تک اسی میں مشغول رہے[۱]۔ حماد کا علمی خاندان امام صاحب کی معلومات کا بس یہی مرکز ہے[۲] اور اسی پر امام صاحب کے مذہب کی زیادہ تر بنا ہے مگر اُن کی قدرتی ذہانت اور فطرتی ذکاوت نے اس کو بہت کچھ ترقی دے لی اور اس کو حماد کے وقت سے زائد چمکا دیا۔

امام صاحب کے جلد شہرت پانے کے وجوہ:

اس کے علاوہ ان کے عالم باعمل ہونے[۳] نے ان کے زہد و عبادت نے، ان کے ورع و تقویٰ نے، ان کی سخاوت[۴] نے، ان کے حسن خلق نے، اُن کے بڑے مقرر اور

---

[۱] چنانچہ الجی نعمانی کے قول میں گذر چکا۔ اور صفحہ ۲۰۰ میں لکھتے ہیں کہ اس کام (تدوین فقہ) میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے۔

[۲] سیرۃ النعمان صفحہ ۳۲ میں لکھتے ہیں "امام ابوحنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں انتہیٰ"۔ نعمانی صاحب نے اس کے بعد جو امام صاحب کے طلب حدیث کے متعلق لکھا ہے اس کی تحقیق تم ہمارے کلام میں پڑھو۔ نعمانی صاحب کا ایک اور قول امام صاحب کے لئے حدیث و فقہ و مذہب سب میں اسی خاندان کے مرکز ہونے کی بابت آگے آتا ہے۔

[۳] امام صاحب کے یہ تمام اوصاف ایسے مشہور و مسلم ہیں کہ ہم کو ضرورت نہیں کہ ہم کسی کتاب کے حوالہ سے بیان کریں تاہم کچھ لکھے دیتے ہیں مگر بلا لحاظ ترتیب کے۔ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں۔ فقیہ العراق وکان اماما ورعا عالما عاملا متعبدا کبیر الشان قال ابن المبارک ابوحنیفۃ افقہ الناس انتہیٰ اور تاج مکلل میں ہے کان حسن الوجہ حسن المجلس۔ شدید الکرم حسن المواساۃ لاخوانہ۔ احسن الناس منطقا واعلاھم نغمۃ۔

[۴] سیرۃ النعمان میں ہے "جتنے احباب ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا۔ سال کے سال اُن لوگوں کو پہنچتا تھا۔ عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

خوش تقریر ہونے نے، اُن کے ہر شخص کے ساتھ بڑے سلوک سے پیش آنے نے، اُن کے علم مجلس نے، اُن کے ملکی خدمات عہدہ قضا وغیرہ سے بے رغبتی کرنے اور اُن کو نہ قبول کرنے نے، اُن کے اخلاص و بڑی بے غرضی کے ساتھ درس علم و شغل افتائے بالخصوص اپنی ذاتی آسودگی کی وجہ[1] سے ان کے طلبہ کو نہایت بے تکلفی کے ساتھ درس دیتے نے، ان کے طلبہ کے ساتھ مالی امداد و سلوک نے، اُن کے کوفہ کے اندر اپنے خاندان علم اور اپنے گروہ کے طرز استدلال کے اندر[2] منفرد رہ جانے نے ان کے ایک موروثی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُس کا حال پوچھتے۔ حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اُن کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے۔ بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں ملسکتا تھا امام صاحب کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے۔ انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں (رحمۃ) امام صاحب کی سخاوت و مواسات کے بہت سے قصے ہیں اور لکھتے ہیں۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کرسکتے تھے۔ (صفحہ ۷۰)۔

[1] سیرۃ النعمان میں ہے "امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانے کے ساتھ دیانت و احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی ان کے خزانے میں نہیں داخل ہو سکتا تھا" (اس احتیاط کے متعلق ان کے کتنے یا اثر قصے ہیں) (انتہی صفحہ ۴۳)۔ اور لکھتے ہیں "مزاج میں تکلف تھا۔ اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب اور قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ (چادر و قمیص قیمتی چار سو درہم کی پہنی ہوئی بھی ان کو دیکھا گیا)" انتہی (صفحہ ۷۰)۔

[2] سیرۃ النعمان میں ہے "حماد کوفہ کے مشہور امام اور اُستاد وقت تھے۔ حضرت انس سے حدیث سُنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اُس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار ان ہی پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور مشہور علمی خاندان کی گدی پر متمکن ہونے سے، اُن کے تفقاہت میں ایک خاص طریقہ پر امتیاز اور کمال اور تبحر نے ان کو بہت جلد مشہور کر دیا۔ اور جماعت کثیر کا مرجع بنا دیا۔ اور آگے چل کر قاضی ابو یوسف[۱] وغیرہ نے دنیا میں اُن کا سکہ جما دیا۔ چونکہ حماد کا سلسلہ خاندانِ علم امام صاحب کی علمی زندگانی کا مربی تھا۔ اس وجہ سے امام صاحب اس خاندان کے ہمیشہ بڑے دلدادہ رہے۔ حماد کو سوا کوفہ کے دیگر شیوخ سے جو کہ روایتِ حدیث میں مشہور تھے۔ گو اُن سے بعض سے امام کے اخذِ روایت کا ذکر بعض معتبر کتابوں میں ملتا ہے مگر ہم کو اس کا کوئی معتبر ثبوت نہیں ملتا کہ امام صاحب نے اُن کی خاص[۲] طور پر ملازمت کی ہو۔ اور اُن کی روایات کا استقصاء کیا ہو اور ان کی تمام حدیثیں لے لیں ہوں۔ کوفہ کے سوا بعض دیگر بلاد کے رواتِ حدیث سے اخذِ روایت کا جو کہیں کہیں پتہ چلتا ہے تو یہ بھی غالباً ایام حج میں حرمین شریفین کے اندر اتفاقی اجتماع کی وجہ سے وقوع[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور اس وجہ سے نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے۔ انتہی صفحہ ۳۱۔ اور لکھتے ہیں "چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہی پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا۔ حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا۔ لیکن وہ لغت و ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُن کی جگہ لی وہ فقہ کے ماہر نہ تھے۔ وہ حج کو گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں" انتہی ملخصاً (صفحہ ۴۰)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حماد کی درسگاہ بڑی مرجع و مشہور تھی۔ جس پر امام صاحب مسند نشین ہوئے۔ اور یہ کہ اس مشہور سلسلہ خاندان علمی کا مدار حماد ہی پر رہ گیا تھا اور حماد کے بعد صرف امام ابوحنیفہ صاحب پر رہا۔

[۱] چنانچہ اس کا بیان مفصل اوپر گذر چکا۔

[۲] افسوس کہ نعمانی صاحب نے ظاہر لفظوں میں دعویٰ تو کیا مگر باوجود دعوئ تحقیق کے کوئی ثبوت اس کا نہ پیش کیا۔

[۳] گو نعمانی صاحب بلا کسی ثبوت پیش کرنے کے اس کے خلاف دکھانا چاہتے ہیں تاہم ان کے کلام سے بھی یہ بات مترشح ہے۔ چنانچہ جہاں حرمین کے سفر کا ذکر شروع کرتے ہیں تو امام صاحب (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں آگیا۔ یا تجارت وغیرہ کے متعلق سفر میں اتفاق پڑ گیا۔

امام صاحب کے طلب حدیث کیلیے سفر نہ کرنے کی وجہ:

ورنہ اس وقت تک کسی معتبر ذریعہ سے ثابت نہ ہو سکا اور نہ کسی دعویٰ کرنے والے نے کوئی کافی ثبوت پیش کیا۔ جس سے متحقق ہو جاتا کہ امام صاحب نے طلب حدیث کے لیے مختلف ممالک میں سفر کیے ہیں اور جا بجا اساتذہ کی خدمت میں جا کر رہے ہیں اور ان سے تحصیل حدیث کی ہے[1] اور مشکل سے اگر کوئی دو ایک شہروں کا سفر دکھا سکے تو دکھا سکے تاہم

م کے ایک حج کی حکایت بیان کرتے ہیں انتہیٰ صفحہ ۵۰ صفحہ ۵۱ میں لکھتے ہیں "عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اور اس مدت میں امام ابوحنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے" انتہیٰ۔ اور صفحہ ۵۳ میں لکھتے ہیں حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آکر جمع ہو جاتے تھے۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے امام اوزاعی۔ مکحول۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا انتہیٰ ملخصاً۔ اور بصرہ کی بابت لکھتے ہیں تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا۔ صفحہ ۲۸۔ امام صاحب کی توجہ طلب حدیث کی غرض سے سفر کرنے کی طرف نہ تھی اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ امام حسن بصری ۱۱۰ھ تک زندہ رہے باوجودیکہ وہ ایک مشہور آدمی تھے اور بصرہ کوفہ سے کچھ ایسا دور بھی نہ تھا اور حسن بصری کی زندگی میں امام صاحب تقریباً تیس برس کے ہو گئے تھے بلکہ طالب علمی کرتے ہوئے دس برس گذرے تھے مگر پھر بھی انہوں نے قصد نہ کیا کہ حسن بصری کی خدمت میں آکر حاضر ہوتے۔ دیکھو سیرۃ النعمان صفحہ ۲۸۔

[1] امام صاحب کی تحصیل حدیث کی بابت نعمانی صاحب نے دعوے تو بڑے لانبے چوڑے اور خوب خوش آیند الفاظ میں کئے مگر افسوس کہ ثبوت کچھ نہ پیش کر سکے۔ کہیں کہیں جو عقود الجمان کا حوالہ دیا ہے تو عقود الجمان تاریخ یا رجال کی کوئی معتبر کتاب نہیں یہ بھی انہیں کتابوں میں ہے جن کو آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں دورازکار اور فضول قصے مذکور ہیں (صفحہ ۶) جن میں سے جس کو آپ کا جی چاہتا ہے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور جس کو جی چاہتا ہے غلط کہہ دیتے ہیں پھر ایسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ کیا حجت ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کا روایت کی رو سے ناقابل اعتبار ہونا تو ثابت ہی ہو گیا۔ رہی درایت تو جوبات درایت کی رو سے ناممکن الوقوع ہے تو اس کا نہ ہونا تو مسلم ویقینی ہے اور جو درایت کی رو سے ممکن الوقوع ہو تو مجرد امکان سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ واقع بھی ہوئی ہو اس لئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ اور محدثین کی طرح طلب حدیث کے لیے شہروں شہروں[1] پھرے ہوں۔ اور حقیقت میں اُن کو ایسا کرنا تھا بھی مشکل۔ ابتداء عمر سے ان کے ساتھ دوکان داری کا ایک بڑا تعلق لگا ہوا تھا۔ لاکھوں کا لین دین تھا اس کے ہوتے ہوئے وہ ایسے آزاد کیسے پھر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ موروثی آسودگی کی وجہ سے مزاج میں ایک خاص تکلف[2] اور نزاکت بھی تھی جو محدثین کی طرح میلے کچیلے، نرمی سختی، سردی وگرمی، دور و قریب کی مشقتوں اور سفر کی لازمی مصیبتوں کو کب سہنے دیتے۔ تاہم ان سب باتوں کے ساتھ جو کچھ امام صاحب نے کیا جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں وہ اس سے بہت زائد کیا جو ایک دوسرا شخص ان تمام باتوں کے ساتھ کرتا۔ انھوں نے اپنی اوقات میں سے بڑا حصہ اللہ کی عبادت اور علم کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضری دیتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ ہر عاقل جانتا ہے کہ ہر ممکن کے لئے واقع بھی ہونا ضروری نہیں۔ افسوس کہ اس پر آپ کی جرأت یہ ہے کہ صفحہ ۳۴ ابھی لکھتے ہیں "ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دار و مدار ہے انتہیٰ تعجب ہے کہ ایسا صریح خلاف دعویٰ۔ بعض شیوخ کے نام تو بیشک بعض معتبر کتابوں کے حوالے سے گنائے ہیں مگر تحصیل حدیث کے حالات کون سی ایسی کتاب سے لکھے ہیں ذرا بتائیں تو۔

[1] یہ تو نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ امام صاحب بصرہ و مکہ مدینہ کے سوا اور کہیں نہیں گئے چنانچہ صلا میں مدینہ کو منتہائے مسافت ان کی طالب علمی کا تسلیم کرتے ہیں۔

[2] چنانچہ اس کے متعلق ہم نعمانی صاحب کے اقوال پہلے لکھ چکے ہیں اور لکھتے ہیں "اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیا دار دولتمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علما کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علما سے بالکل جدا تھا انتہیٰ۔ صفحہ ۷۔ امام صاحب کو اس چادر اوڑھنے میں شرم آتا بھی لکھتے ہیں جس پر دوسرے بعض علما ناز کرتے تھے۔ اور جس کی قیمت پانچ دینار سرخ تھے دیکھو صفحہ ۷۰۔

امام صاحبؒ کا اپنا بیان :

خود اُن کا بیان[1] ہے کہ "میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر خیال ہُوا کہ اب خود درس تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں حماد کو ایک ضرورت سے بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ تلامذہ وارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسائل پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سُنی تھی، اس لیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لیے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے، ان[2] میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں۔ باقی کی نسبت فرمایا کہ تمھارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ جب تک حماد زندہ ہیں اُن کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔" الحاصل امام صاحب کی معلومات کے بڑے حصے کا مدار حماد کی روایت پر ہے۔

اہلِ عراق کا قلیل الحدیث ہونا اور امام صاحبؒ کے خاندان کا علم :

اتفاق کی بات کہ اوّل تو عراق والے عموماً اور بالخصوص بہ نسبت اہل حرمین[3] قلیل الحدیث

---

[1] دیکھو سیرۃ النعمان صفحہ ۲۳ یہ عبارت بھی اسی کی ہے۔

[2] یہ وہ وقت ہے کہ امام صاحب اپنے آپ کو فارغ التحصیل اور کامل العلم خیال فرماتے تھے اسی وجہ سے علیحدہ درس کا سلسلہ قائم کرنا چاہتے تھے جس پر ایک تہائی مسائل میں خطا اجتہادی ہوئی جو حماد نے آکر نکالی کاش ہمارے زمانے کے اُن کے ساتھ معصوموں کا سا معاملہ کرنے والے اُس سے عبرت پکڑتے۔

[3] کیونکہ اصل علم کی تو وہیں سے ہے اور وہی صحابہ کی اصلی قرار گاہ ہے اور دوسری جگہ وہیں سے نکل کر ان صحابہ کے ساتھ جو وہاں گئے، پہنچا، اور عراق میں جو صحابہ گئے تھے ان کا زیادہ تر شغل جہاد رہا نہ اشاعت علم چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں مع ان اهل الحجاز اكثر رواية للاحاديث من اهل العراق لان المدينة دار الهجرة ومأوى الصحابة ومن انتقل منهم الى العراق كان شغلهم بالجهاد اكثر انتهى اور لکھتے ہیں وكان الحديث قليلا فى اهل العراق انتهى یعنے حدیث (باقی بر صفحہ آئندہ)

تھے، یہ خاندان کہ جو امام صاحب کی معلومات کا مرکز ہے وہ اور بھی زائد قلیل الروایۃ[1] تھا یہ بات ان کی قلت حدیث کے لیے اور معین ہو گئی۔ یہی اُن کا قلیل الحدیث ہونا وجہ ہے کہ وہ عام[2] طور پر محدث مشہور نہ ہوئے اور کتب طبقات و تراجم میں جہاں اُن کا نام نامی اور ان کے مناقب کا ذکر آتا ہے تو فقیہ[3] (مثل فقیہ اہل العراق وغیرہ) کے لقب سے اُن کو یاد کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی فقاہت ہی کی جس میں ان کو بڑا کمال تھا تعریف کی جاتی ہے اور ان کا فن حدیث کے ساتھ چنداں تعلق یا اُس میں کچھ تبحر بیان نہیں کیا جاتا۔ اور شاہ ولی اللہ[4]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اہل عراق ہیں کم تھی اس سے سیرۃ النعمان کی وہ غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے کوفہ و بصرہ کو حرمین کا مثل بنایا ہے۔ اور نعمانی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کوفہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی وجہ سے دار العلم تھا جیسا کہ حرمین حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی وجہ سے اس کا جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے اس وجہ سے ہم لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

[1] چنانچہ نعمانی لکھتے ہیں حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے۔ اس خیال کا بڑا سبب یہی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ان کے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں ان کے خاندان کی تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور حنفی مذہب کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباط پر ہے۔ عبداللہ بن مسعود اگرچہ بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بیک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بیک واسطہ استاد تھے ان کا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے یسیر فی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن ان کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا انتہی ملخصاً صفحہ ۱۵۴ و صفحہ ۱۵۵ و صفحہ ۱۵۶۔

[2] چنانچہ خود نعمانی صاحب لکھتے ہیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لفظ سے مشہور نہیں انتہی صفحہ ۱۳۲۔

[3] دیکھو کتب طبقات و تراجم تذکرۃ الحفاظ کی عبارت ابھی دیکھ چکے ہو گھوم گھام کر نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے صفحہ ۱۹۳۔

[4] چنانچہ امام مالک کی بابت لکھتے ہیں وکان مالک من اثبتہم فی حدیث المدنیین (باقی برصفحہ آئندہ)

صاحب نے حجۃ اللہ و الانصاف میں جہاں ائمہ کا موازنہ کیا ہے اور ہر امام کے خصوصیت کے ساتھ کارنامے بتائے ہیں تو ہر ایک کا خاص خاص تعلق حدیث کے ساتھ بیان کیا، لیکن امام صاحب کے تذکرہ میں حدیث کا کچھ ذکر نہ آیا۔

اور خود امام صاحب نے اپنے زمانہ میں جب کہ تدوین علم کی تحریک ہوئی اور ہر علم والے نے اپنی اپنی معلومات کو مدون کرنے کی توجہ کی۔ تو اوروں نے تو احادیثِ رسولؐ کی تدوین کی، مگر انھوں نے بجائے حدیث کے فقہ ورائے کو جمع کیا، جیسا کہ پہلے تم امام ذہبی کے کلام میں پڑھ چکے ہو۔ یہ تمام باتیں اس بات کی کافی دلیلیں ہیں کہ امام صاحب کو فن حدیث میں بہت زیادہ دخل نہ تھا اور نہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اور نہ اُن کو حدیث کے ساتھ کوئی بڑا نمایاں تعلق تھا جو اُن کے علمی کارناموں میں قابلِ ذکر ہوتا۔ بلکہ ذکر آتا ہے تو برعکس۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واوثقہم اسناداً واعلمہم بقضایا عمر واقاویل عبد اللہ بن عمر وعائشۃ واصحابہم من الفقہاء السبعۃ وبہ وبامثالہ قام علم الروایۃ والفتوی انتہی (حجۃ اللہ منہ ۱۵۱) یعنی مدینہ والے جو حدیث رسول صلعم روایت کرتے ہیں تو اس میں امام مالک اثبت الناس تھے اور سب سے زیادہ اسناد میں ثقہ تھے۔ اور حضرت عمر کے فیصلوں اور ابن عمر اور عائشہ اور ان کے شاگرد فقہاء سبعہ کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے۔ چنانچہ امام مالک اور انہیں جیسوں سے علم روایت (حدیث) اور علم فتوی قائم ہوا۔ انتہی۔ اور امام شافعی کے ذکر میں ان کی ترتیب اصول حدیث اور فن حدیث سے بہت سی باتوں میں پہلوں کے تسامح نکالنے اور ان کی حدیث میں تبحر کی بابت تو بہت کچھ لکھا عجب نہیں اگر موقع ملا تو ہم آگے کہیں نقل کریں اور آگے چل کر اہلحدیث کے ذکر میں امام احمد صاحب کی بابت لکھتے ہیں۔ وکان اعظمہم شاناً واوسعہم روایۃ واعرفہم للحدیث مرتبۃ واعمقہم فقہاً احمد بن محمد بن حنبل انتہی منہ ۱۵۵ یعنی ان سب میں زیادہ عظیم الشان اور وسیع الروایت اور زیادہ حدیث کے جاننے والے اور فقاہت میں سب سے زیادہ دقیق النظر احمد بن حنبل تھے فقط۔ اور امام ابوحنیفہ کے تذکرہ میں حدیث کا نام تک نہ لیا بلکہ ابراہیم نخعی کے مذہب کو لازم پکڑنا اور اس پر جما رہنا اور اس پر تخریج کرنا ذکر کیا چنانچہ اس عبارت کو ہم انشاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔

قلت روایت کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں امام صاحب کے ترجمہ میں اُن کی نسبت اُن کے مشائخ اُن کے تلامذہ ان کے طبقہ کے ذکر کے بعد جب ان کی روایت احادیث کی سرخی دے کر لکھتے ہیں تو لکھتے ہیں[1]: "کہ اور محدثین کی نسبت اُن کی روایت حدیث گو کم ہے مگر یہ کمی اُن کے مرتبے کو نہیں[2] گھٹاتی"۔

اور اس سب سے زیادہ ذی اثر وہ شہادت ہے جو ان کے ایک مشہور شاگرد عبداللہ بن مبارک کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ ایک لائق واقف کار ماہر صاف گو شاگرد کی شہادت اُستاد کے علمی حالات کی بابت بہت وزنی اور قابلِ قبول ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی اپنی کتاب قیام[3] اللیل میں فرماتے ہیں: "کہ میں نے اسحٰق بن ابراہیم سے سُنا کہ ابن مبارک کہتے تھے کہ ابو حنیفہ حدیث میں یتیم (کم مایہ) تھے"۔ اور امام محمد کی شہادت تو تم پہلے ہی سُن چکے ہو۔ اور ابن[4] داؤد کہتے تھے: "اگر تو روایات چاہے تو سفیان اُس کے محل ہیں (اُن کے پاس جا) اور اگر یہ (عقلی) دقائق مطلوب ہوں تو (امام) ابو حنیفہ اُس کے محل ہیں (اُن کے پاس جا)"۔ اس مقابلہ کا جو مفاد ہے وہ ظاہر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس میں شک کرنے کی ذرا بھی گنجائش

---

[1] عبارت یہ ہے واما روایاتہ للاحادیث فھی وان کانت قلیلۃ بالنسبۃ الی غیرہ من المحدثین الا ان قلتھا لاتحط مرتبتہ انتہی ص۳۴۔

[2] بیشک ان کے علمی و عملی صدہا فضائل کے سامنے جیسا کہ ہم نے بار بار ذکر کیا۔ اگر ان میں حدیث کی ایک حد تک کمی ہے تو اس سے ان کی عظمت اور شان میں فرق نہیں آتا۔

[3] یہ کتاب نہایت عمدہ کتاب ہے اس کا حوالہ جا بجا ابن حجر نے بھی فتح الباری وغیرہ میں دیا ہے طبع ہو چکی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ سمعت اسحاق بن ابراھیم یقول قال ابن المبارك كان ابوحنيفة يتيما في الحديث انتہی۔ ابن المبارک کو امام صاحب کا مشہور و مخلص و معتقد شاگرد نعمانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں (دیکھو صفحہ ۴۳ و صفحہ ۲۸۶)۔

[4] دیکھو مقدمہ عمدۃ الرعایہ۔ عبارت یہ ہے اذا اردت الاثار فسفیان واذا اردت تلك الدقائق فابوحنیفۃ انتہی (ص۳۷)

نہیں ہے کہ امام اعظم صاحب نے حدیث کا حصہ کم پایا اور وہ کثیر الحدیث نہ تھے۔ اور حقیقت میں یہ وہ بات ہے کہ جس کے اقرار سے کسی محقق کو انکار نہیں۔ چنانچہ کتنے اکابر محققین کے اقوال ہم ذکر کر چکے ہیں اور بعض آگے بھی انشاء اللہ تعالیٰ آئیں گے۔ اور لطف یہ ہے کہ جو اُس کے خلاف میں بڑے ساعی ہیں وہ خود بھی لوٹ پھیر کر اقرار کرتے ہیں کہ امام صاحب اور تمام محدثین سے قلیل[1] الحدیث تھے۔

امام صاحب کے "کثیر الحدیث" کی حقیقت:

بڑی سے بڑی دلیل[2] جو امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے کی وہ پیش کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ کتنے ایسے رواۃ حدیث کے نام جو کہ روایت حدیث میں مشہور ہیں، جن سے امام صاحب کے اخذ روایت کا کتب رجال سے پتہ چلتا ہے شمار کرا کر لکھتے ہیں۔ جس کے اساتذہ یہ لوگ ہوں جو فن روایت کے ارکان ہیں، اور جن کی روایتوں سے بخاری، مسلم، مالا مال ہیں، وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔ اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ "امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو، فلاں فلاں میں (جو بڑے بڑے پایہ کے لوگ ہیں جن کا امام صاحب سے اخذ روایت کا پتہ چلتا ہے) کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود روایت و حدیث کے پیشوا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے"۔ بحاصلہ، امام صاحب کے شیوخ کی تعداد بلا تحقیق مناقب لکھنے والوں نے تو بہت کچھ لکھی ہے۔ مگر چونکہ اس وقت تحقیق کی روشنی عام ہو رہی ہے پس اب ایسی کچی باتیں ذرا دیر کو بھی فروغ نہیں پا سکتیں۔ اس وجہ سے خود ہی مجبوری کو تسلیم

---

[1] چنانچہ نعمانی صاحب صفحہ ۱۴۵ میں لکھتے ہیں "ان کے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں یہاں تک کہ محدثین نے ان کو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایہ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت زیادہ قوی سبب ہے" انتہیٰ اور صفحہ ۱۵۰ میں لکھتے ہیں "البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے" انتہیٰ ۱۲

[2] سیرۃ النعمان وغیرہ۔

کرتے ہیں[1] کہ یہ تعداد محدثانہ اصول سے بے شک ثابت نہیں ہے۔ تاہم جن لوگوں سے امام کے اخذ روایت کا ذکر معتبر کتابوں سے نکلتا ہے گو وہ تھوڑے ہی سہی مگر اُن کی جلالت شان بادی النظر میں بالخصوص ایک ناواقف کو ضرور دھوکے میں ڈالتی ہے کہ ایسے لوگوں کے شاگرد کو قلیل الحدیث کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ان مشہور محدثوں کی شاگردی جائز نہیں رکھتے کہ ان لوگوں کا اُستاد قلیل الحدیث ہو۔ لیکن فنِ روایت سے جو شخص ذرا سی بھی واقفیت رکھتا ہے اُس کے سامنے یہ دلیل کچھ چیز[2] نہیں۔

---

[1] چنانچہ نعمانی صاحب لکھتے ہیں "ابوحفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں۔ اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کیں ہیں دنیا کی اور قومیں اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جن کے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اُصول پر ثابت نہیں ہو سکتا عقود الجمان میں تین سو اُنیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی فہرست زیادہ تر فقہائے حنفیہ سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو انتہی صفحہ ۴۹ و ۵۰۔

[2] اس دلیل کی کمزوری دے بنیادی اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے ہمعصر مثل امام مالک اور سفیان و وکیع (جو امام صاحب کے اکثر مشائخ میں باوجود امام صاحب کے شریک ہونے کے امام صاحب سے اور بہت زاید بڑے بڑے مشائخ رکھتے تھے اور جیسے امام صاحب کے بڑے بڑے نامی شاگرد بتائے جاتے ہیں ان کے بھی ایسے ہی اور اس سے زائد ہیں) احادیث کی جس مقدار کے ساتھ ظفریاب ہوئے تم اوپر پڑھ چکے ہو یعنی ایک ہزار حدیث یا اس سے بھی کم۔ پس ایسے بڑے بڑے اساتذہ کی شاگردی اور اتنے بڑے بڑے پایہ کے لوگوں کی اُستاذی کے ساتھ امام صاحب کی قلت حدیث پر جو کچھ تعجب اور استبعاد ہوتا ہے اس سے نہ امام نہ ان لوگوں کی بابت ہے۔ اور حقیقت میں واقف کار کے لئے کوئی استبعاد نہیں استبعاد و تعجب جبھی ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کی خصوصیات سے ناواقف ہو اور آدمی ہر زمانے کے تاریخی واقعات کو اپنے زمانے پر قیاس کر کے رائے زنی کرے یا ظاہر بینی سے کام لینا چاہے اور حقائق امور میں غور نہ کرے۔

فنِ روایت سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ ایک محدّث کا دوسرے سے سلسلہ روایت قائم ہو جانے کے لیے اُس کی تمام معلومات کا استیعاب شرط نہیں۔ کوئی شخص کسی محدّث کثیر الحدیث سے اگر ایک حدیث بھی لے لے، خواہ کسی طور سے اُس کا اتفاق پڑ جائے تو اُس کے ساتھ اس شخص کے سلسلۂ اخذ روایت پیدا ہو جانے کے لیے وہی کافی سمجھا جاتا ہے اور یہ شخص اُس کا شاگرد اور اُس سے روایت کرنے والا کہلائیگا۔ حالانکہ یہ ضرور نہیں کہ اُس شخص کو اس محدّث کی تمام احادیث مرویہ معلوم ہو گئی ہوں۔ یا مثلاً کوئی محدّث کثیر الحدیث ایک شخص سے جس کے پاس چند ہی حدیثیں تھیں کوئی ایک حدیث لے کر روایت کرنے لگے تو یہ محدث اس کا شاگرد اور اس سے روایت لینے والا کہلائے گا۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ جس قدر اس شاگرد روایت لینے والے کو حدیثیں معلوم ہیں اس استاذ قلیل الحدیث کو بھی معلوم تھیں۔ اس کے علاوہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی ابتداءِ تحصیل کے زمانہ میں ایک معمولی استاذ سے کچھ حاصل کرتا ہے پھر اور اساتذہ سے حاصل کر کے پہلے استاذ سے بہت زائد کامل اور ماہر فن ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اُس کا ہمیشہ استاذ ہی کہلاتا ہے اور برابر وہ اُس کی تعظیم و تکریم بھی اُستاذوں کی سی کرتا ہے حالانکہ وہ ایک معمولی ہی اُستاذ تھا۔ پس یہ کہنا کیسی غلطی ہے کہ یہ استاذ اگر معمولی ہوتا تو فلاں ماہرِ فن اُس کے سامنے سر کیسے جھکاتا۔ بہرحال مجرد اس قسم کی شاگردی اور اُستاذی کے تعلقات سے کسی شخص کا کثیر الحدیث یا اس کا فن حدیث میں عالی پایہ ثابت کرنا ایک صریح غلطی سے خالی نہیں۔

قیاس مع الفارق:

اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امام صاحب نے ان تمام اکابر رواۃ حدیث سے ان کی تمام مرویات اخذ کر لی تھیں، اور امام صاحب کثیر الحدیث تھے تو ظاہر ہے کہ امام صاحب[1]

---

[1] یہ نعمانی صاحب کی اس غلطی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے امام صاحب کی قلت حدیث کو شیخین پر قیاس کر کے دفع کرنا چاہا ہے دیکھو صفحہ ۱۴۰۔

کا زمانہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سا زمانہ نہ تھا کہ اس وقت میں سلسلہ روایت کا رواج نہ ہوا تھا، اور نیز اس وقت تک روایت حدیث کی عموماً چنداں حاجت بھی نہ تھی جس کی وجہ سے باوجود اُن کی وسیع معلومات ہونے کے ان کی روایات بکثرت مروی نہ ہوئیں، بلکہ یہ وہ وقت تھا کہ روایت کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا اور لوگوں کو احادیث کے حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو چکی تھی۔ اور جس محدث کے پاس کسی حدیثِ رسولؐ کا پتہ چلتا تھا طالبِ حدیث دوڑ دوڑ کر دور دور سے اُس کے پاس پہنچتے تھے، اور اس سے اُس کی مرویات کو حاصل کرتے اور اُن کو روایت کرتے تھے۔

امام صاحبؒ کی کثیر حدیثیں ہیں کہاں؟

علاوہ ازیں ایسے وقت میں کسی علم والے کو خود بھی جائز نہ تھا کہ وہ اپنی معلومات کا کتمان کرے۔ اور ان احادیثِ رسولؐ کو جو اس کے علم میں ہے طالبین کو اعلان کے ساتھ نہ پہنچا دے۔ تو اگر امام صاحب کثیر الحدیث تھے تو اُن کی وہ تمام احادیث کیا ہو گئیں[2]۔ جب

---

[1] جیسا کہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے۔

مسند امام اعظم و عقود الجواہر کا حال:

[2] اس موقعہ پر جب کہ ہم امام صاحب کے علم حدیث کی بابت ایک محققانہ بحث لکھ رہے ہیں مناسب سمجھتے ہیں کہ ان مسندوں کی بابت کچھ لکھیں جو امام صاحب کے بتائے گئے ہیں جن کو ابوالمؤید خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ میں نام بتا کر ان کو یکجا جمع کر کے اس کا نام جامع المسانید رکھا جو مسند خوارزمی بلکہ مسند امام اعظمؒ کے نام سے مشہور ہے اور انہی کے حوالہ سے علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ نے عقود الجواهر المنيفة في ادلة مذهب الامام ابي حنيفة تالیف کی لیکن اس تنگ مقام پر ہم صرف نعمانی صاحب کی تحقیقات کا ذکر کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ نعمانی صاحب ان سب مسندوں کا نام لکھ کر تحریر فرماتے ہیں "جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ ان ہی مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے خوارزمی تو د (باقی بر صفحہ آیندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے معصر ہیں اور ان کا مسند بے شبہ امام ابو حنیفہ کا کہا جا سکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ "طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد ان روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام سندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں ان لوگوں نے اُن کو بلند کرنا چاہا حالانکہ وہ حدیثیں اُن لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جن کو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جن کو اُن نیک آدمیوں نے بالمعنے روایت کیا جو فنِ روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہؐ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے اُن کو قصداً حدیث نبوی بنا دیا یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے۔ جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی تصنیفات خطیب و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہیں مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے" (شاہ صاحب کا کلام ختم ہوا) شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُن کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں۔ لیکن ان کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں مسند حصفکی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جن کو انہوں نے خود صحابہ سے سُنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا (انتہیٰ رصفحہ ۱۰۴-۱۱) اس تحقیقات (باقی برصفحہ آئندہ)

کتبِ حدیث پُر ہیں۔ بلکہ امام صاحب کی کثرتِ تلامذہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اس کثرت سے تھے کہ اُن کی اُستاذی کی حدود خلیفہ وقت کے حدودِ حکومت کے برابر تھے، تو اُن لوگوں نے وہ اُن کی تمام روایتیں کیوں نہیں روایت کیں۔ اور وہ احادیث اہلِ علم میں کیوں نہ مشہور ہوئیں اور پھیلیں۔ اور وہ تمام احادیث انھیں محدثین کی جو امام صاحب کے شیوخ بتائے جاتے ہیں، بروایت انھیں لوگوں کے جو امام صاحب کے شاگرد بتائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ بتوسط امام صاحب کے اور ہمعصر محدثین کے ان تمام کتب احادیث میں مذکور ہیں، اگر امام صاحب بھی اُن کے راوی تھے تو وہ امام صاحب کے بھی سلسلۂ سند سے کیوں نہیں مذکور ہوئیں۔

امام صاحبؒ اور تعدادِ احادیث ـــ تحلیل و تجزیہ!

اس سب کے علاوہ اگر امام صاحب کثیر الحدیث ہوتے تو ضرور سب سے پہلے ان کے بااخلاص شاگرد جو اُن کی اعلاءِ منزلت اور اظہارِ علو شان میں بڑی گرمجوشی کے ساتھ کوشاں تھے اس کا اعلان کرتے اور ان کی روایات کثیرہ کو پھیلاتے اور شہرت دیتے۔ حالانکہ اُن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ثابت ہے کہ جو امام صاحبؒ کی مسندیں کہی جاتی ہیں اور جو احادیث ان میں مذکور ہیں ان کا راوی (امام صاحب کو بنایا جاتا ہے۔ اس بات کا کوئی کافی ثبوت نہیں ....

....

.... اور نیز عقود الجواہر میں جو احادیث ذکر کرکے امام صاحب کو اُن کا راوی قرار دیا ہے گو وہ احادیث فی نفسہا ثابت ہیں اس لئے کہ وہ دوسرے محدثین کی روایت سے ثابت ہیں جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں ذکر کیا ہے مگر اس بات کی کوئی سند نہیں کہ امام صاحب بھی اُن کے راوی ہیں کیونکہ امام صاحبؒ کا اُن احادیث کو روایت کرنا صرف انہیں مسندوں کے اعتماد پر بتایا گیا ہے جیسا کہ خود عقود الجواہر کے اول میں اور نیز آخر میں ذکر کر دیا اور یہ مسندیں جن کے اعتماد پر امام صاحبؒ کو راوی ٹھہرایا وہ خود ہی رتبہ اعتماد و اعتبار کا عند التحقیق نہیں رکھتیں

[۱] دیکھو سیرۃ النعمان صفحہ ۵۶۔

[۲] یہ وہ دلیل ہے جس کو نعمانی صاحب نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ امام صاحب نے کسی صحابہ سے کوئی روایت نہیں لی، پیش کی ہے چنانچہ صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں "صاف بات یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے (باقی بر صفحہ آیندہ)

لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ انھوں نے جس قدر اوروں سے روایتیں کیں اُن سے نہ کیں اور جو اُن سے روایت کیں وہ کثرت کا مصداق نہیں بلکہ وہ بہت کم ہیں۔ چنانچہ وہی علماء جو امام صاحب کی بابت قلتِ حدیث کے بعض اقوال کی بڑے زور سے مخالفت کرتے ہیں وہ بھی امام صاحب کی کثرت احادیث کو ثابت کرنے کے لیے (گویا مبالغہ کے ساتھ) جب انھیں کتابوں کے پتہ سے جو اُن کی روایات کا مرکز اور مخزن ہیں اور جو اُن کے انھیں ارشد تلامذہ اور مخلص شاگردوں امام ابویوسف اور امام محمد کی تالیف ہیں۔ ذکر کرتے ہیں تو بس سَو دو سَو روایتیں یا اس سے کسی[1] قدر زائد بتاتے ہیں کچھ شبہ نہیں کہ ان کے خاص شاگردوں کا ان سے اس قلت کے ساتھ احادیث کا ذکر کرنا خصوصاً ایسی تالیفات میں جو حدیث کی کتابیں ہوں اس تقدیر پر کہ وہ کثیر الحدیث تھے بڑا ہی قابلِ تعجب امر ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس بات کے یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ امام صاحب کثیر الحدیث تھے۔ لیکن اس سے ان کی عظمت شان میں جب کہ ان میں دیگر علمی و

(بقیہ حاشیہ ص گذشتہ) لیکن قاضی ابویوسف۔ امام محمد۔ حافظ عبدالرزاق بن ہمام۔ عبداللہ بن مبارک۔ ابونعیم۔ مکی بن ابراہیم۔ ابوعاصم وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے ان کی ناموری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں" انتہیٰ یہ دلیل نعمانی صاحب کے سوا اور لوگ بھی بیان کرتے ہیں دیکھو ردالمحتار حاشیہ درمختار یہ دلیل اس مطلوب کے لئے دلیل ہو سکتی ہے تو وہ ہمارے مطلوب کے لئے یہی دلیل ہے۔

[1] چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں سترہ حدیث والے قول کے رد میں لکھتے ہیں لان من نظر تصانیف تلامذۃ الامام الذین اسندوا الروایات فیہا الی استاذھم واسندوھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باسنادھم کموطا الامام محمد وکتاب الحجج لہ وکتاب الاثار والسیر الکبیر لہ وکتاب الخراج للامام ابی یوسف وغیر ذلک وجد فیہا روایات الامام ازید من مایۃ بل مائتین فما معنی کون روایاتہ سبعۃ عشر فقط انتہیٰ ص۳۶ اور نعمانی صاحب لکھتے ہیں "ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ موطا امام محمد کتاب الآثار کتاب الحجج جو عام طور پر متداول ہیں ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں" انتہیٰ (ص۵۱)۔

عملی بے شمار فضائل جمع تھے نقصان نہیں آتا۔

علامہ ابن خلدون نے امام صاحب کی تعداد احادیث کی بابت ایک قول لکھا ہے کہ ان کی روایات سترہ حدیث تک تھیں۔ مولینا عبدالحی صاحب مرحوم نے جس موقع پر اس قول کا ردّ کیا ہے وہیں[1] امام صاحب کی تعداد روایات کی بابت پانچ قول نقل کیے ہیں۔ "ایک[2] یہ کہ اُن کی کل روایات پانسو ہیں۔ دوسرا قول سات سو ہیں۔ تیسرا قول ایک ہزار اور کئی حدیث ہیں۔ چوتھا ایک ہزار سات سو ہیں۔ پانچواں چھ سو چھیاسٹھ ہیں"۔ افسوس ہمارے پاس اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے ہم تحقیق کر سکیں کہ ان میں سے کونسا قول زیادہ قرینِ صواب ہے۔ تاہم دو معتبر شہادتیں ایک امام محمدؒ کی جس میں انھوں نے امام مالک سے جن کی تعداد احادیث قریب ایک ہزار ہے۔ امام صاحب کو حدیث میں کم بتایا ہے۔ دوسری وہ جس کو شاہ صاحب نے امام ابی داؤد سے نقل کیا، جس میں انھوں نے امام صاحب کے ہم عصر سفیانؒ و کیع کا (جن کا امام صاحب کی بہ نسبت کثیر الحدیث ہونا ایک ظاہر امر ہے) باوجود تمام تر کوشش کے ایک ہزار حدیث سے کم ہی پر دسترس پانا ذکر کیا ہے (جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) اس فیصلے پر مجبور کرتے ہیں کہ ہزار سے کم ہی والے قولوں میں سے کوئی قول صحیح ہے نہ ہزار سے زائد والا قول۔ اور ان دو شہادتوں کے سوا اور وجوہ و اسباب جو ہم ذکر کر چکے یا جو آگے کرنے والے ہیں وہ بھی اسی کے قرینہ ہیں[3]۔ پس بہ حسب ظن غالب محقق یہی ہے کہ امام اعظم صاحب کی کل احادیث کی تعداد جو ان کے علم درروایت میں تھیں، ایک ہزار سے کم ہے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زائد مقدار بتانے والا کوئی قول نہیں ملا۔

[2] عبارت یہ ہے۔ ذکر الزرقانی شارح المواھب اللدنیۃ وللموطا وغیرہ فی عدد روایۃ اقوالہ احدھا ان روایاتہ خمسمائۃ وثانیھا سبعمائۃ وثالثھا بضع والف ورابعھا سبعمائۃ و الف وخامسھا ست وستون وست مائۃ انتھی (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۳۵)

[3] اس سب کے علاوہ ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ انکے ہمعصر امام مالک کو تقریباً نو سو شیوخ میں ہزار حدیث پر دسترس ہوئی اور امام صاحب کے شیوخ تو تین سو بھی ثبوت کو نہیں پہنچے۔ نعمانی صاحب نے تمام کوشش صرف کرکے تقریباً اسی شمار کرائے ہیں (باقی بر صفحہ آئندہ)

اِس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ خود علماء حنفیہ لکھتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے تعلق احکام کا ہے ان کی مقدار تین[1] ہزار ہے۔ پس اس حساب سے بین طور پر ثابت ہؤا کہ حنفیہ ہی کی مقدار مسلمہ کے موافق امام سے احکام ہی کی احادیث میں سے دو تہائی سے زائد رہ گئی تھیں اور ایک تہائی سے کم ان کو ملی تھیں۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم تسلیم کر لیں کہ وہ کل احادیث جو امام صاحب کو ملیں احکام ہی کی تھیں۔ ان میں کوئی سیر، ترغیب و ترہیب، تفسیر کی حدیثوں میں سے نہ تھی۔ حالانکہ عقلِ سلیم کسی طرح باور نہیں کرتی کہ امام صاحبؒ کے سامنے جب کوئی استاذ پیغمبر صاحبؐ کے حالات کے متعلق ان کے غزوات، ان کے اسفار وغیرہ کی کیفیت کے بیان میں کوئی حدیث یا قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق، اُس کے شانِ نزول، اس کے معنے ومطلب کی بابت کوئی حدیث یا کسی اچھے کام کی فضیلت، کسی بُرے کام کی مذمت، ثواب وعقاب امور آخرت، دوزخ، جنت وغیرہ وغیرہ کی نسبت کوئی حدیث بیان کرتا ہو تو وہ اُس کو رَد کر دیتے ہوں اور اُس کو لینا نہ چاہتے ہوں، اور اس کو اپنے خزانہ معلومات میں جگہ دینا پسند نہ کرتے ہوں، یا اگر معلوم ہو تو اُس کو کسی کے سامنے بیان کرنے اور اُس کی تبلیغ کو ناجائز یا ناپسند رکھتے ہوں۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا ضرور ہے کہ جو تعداد احادیث کی مذکور ہوئی اس میں احکام کے سوا اس قسم کی بھی ضرور احادیث تھیں۔ پس احکام کی احادیث اور بھی گھٹ گئیں۔

ابھی ایک بات اور باقی ہے یہ معلوم نہیں کہ وہ تمام احادیث جو امام صاحبؒ کو پہنچی تھیں وہ کل کی کل بسند صحیح ومتصل تھیں، یا ان میں ضعیف، منقطع ومرسل بھی تھیں۔ ہم تو اُن شاگردوں[2] کی کتابوں میں جو امام صاحب کی احادیث دیکھتے ہیں تو بہت سی معلّق ومنقطع ومرسل بھی پاتے ہیں۔ اور نیز ایسی بھی پاتے ہیں جو ضعیف ومجروح راویوں سے امام صاحبؒ کو پہنچیں۔ ایک مشکل یہ ہوئی کہ امام صاحبؒ کے زمانے میں لوگ مرسل حدیث کو صحیح ومعتبر خیال کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس نسبت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب کی احادیث کا کیا مقدار ہونا چاہیئے۔

[1] چنانچہ ہم بحوالہ نور الانوار اوپر لکھ چکے ہیں۔

[2] دیکھو کتاب الآثار اور کتاب الحجج امام محمد صاحبؒ وغیرہما۔

چنانچہ امام صاحبؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ کا عمل درآمد بھی تھا کہ وہ مرسل حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اس وجہ سے امام صاحب نے بے دھڑک مرسل حدیثیں لے کر ان پر اعتماد کر لیا۔ لیکن بعد کے زمانے میں تجربہ سے ثابت ہوا کہ مرسل قابلِ اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ہم آگے انشاء اللہ العزیز مفصّل بیان کریں گے۔ پس کل وہ احادیث جو امام صاحب نے (معتبر سمجھ کر) مرسل کی تھیں خارج ہو گئیں۔ اور مرسل ہی کی طرح منقطع کے ساتھ بھی ہوا۔ چنانچہ آگے آتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان سب باتوں کے اعتبار کے بعد امام صاحب کے احکام کی صحیح صحیح احادیث قلّت کی کس حد تک پہنچیں گی اور وہ احادیث احکام کی کس کثرت سے نکلیں گی جو اُن کو نہیں پہنچیں۔

افسوسناک طرزِ عمل :

افسوس صد افسوس کہ اس پر بھی مقلّدین حنفیہ جب کبھی ان کے سامنے کوئی ایسی حدیث جس کو نہ پانے کے سبب سے ان کے امام نے اجتہاد کیا اور اتفاق سے اجتہاد خلاف پڑ گیا، پیش کی جاتی ہے تو وہ اُس کو کسی طرح ماننا نہیں چاہتے اور وہ یہ بھی خیال کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے امام نے بھی ضرور یہ حدیث دیکھی ہو گی اور اس میں کوئی نہ کوئی خلل پایا لہٰذا یہ حدیث عمل کے قابل نہیں، اور گویا اُن کو اس سے انکار ہے کہ امام صاحبؒ کو کوئی حدیث نہ پہنچی ہو۔ یا اُن کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو سکے۔ کاش یہ لوگ مذکورالصدر تحقیقات کو بگوشِ ہوش سُنتے۔

ہماری مجبوری :

لیکن بعض تو باوجود دعوئ تحقیق کے صریح اس سے انکار کرتے ہیں[1] اور وہ امام

امام صاحب کی قلت حدیث اور اقوال حنفیہ :

[1] چنانچہ نعمانی صاحب فرماتے ہیں "یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں کم مایہ تھے۔" (ص ۱۳۴) اور فرماتے ہیں "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں۔ لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے۔ انتہی (صفحہ ۲۶۲) ہم کو نعمانی صاحب کے باوجود دعویٰ اجتہاد و تاریخ دانی و تحقیق کے اس سخت تعصب پر سخت تعجب ہے ایک ایسی قطعی و صریح بات کا انکار کر دیا جس میں آجتک کسی مورخ یا محقق عالم نے شک نہیں کیا امام صاحب کا بسبب احادیث مدون نہ ہونے کے بہت سی احادیث کو نہ پانا ایک ایسی مسلم بات ہے جس کی برابر محقق و اکابر علماء تصریح کرتے چلے آئے ہیں مگر نعمانی صاحب کی غیرت تھی کہ انھوں نے ایسی صریح بات سے انکار کر دیا خود حنفیہ کو بھی اس سے انکار نہیں کہ امام صاحب کو کل حدیثیں نہیں پہنچیں چنانچہ فتح المبین کا قول جس پر اکثر مشاہیر حنفیہ کی مہریں ہیں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور امام صاحب کے قلت حدیث کی بابت تو ہم نے کتنے محققین کے اقوال اس رسالہ میں نقل کئے یہ سب لوگ اس بات کی گویا شہادت دیتے ہیں کہ امام صاحب سے بہت حدیثیں چھوٹ گئیں کیونکہ جب اقرار ہے کہ وہ قلیل الحدیث تھے تو ظاہر ہے کہ بڑا حصہ حدیث کا ان سے رہ گیا۔ ان کی قلت حدیث سے تو کسی دیدہ ور کو انکار نہیں یہی وجہ ہے کہ فقہاء برابر ان کے تذکرے میں ان کی حدیث میں دخل ثابت کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں لگاتے ہیں اور بالائی باتوں سے اس کے ثابت کرنے میں سعی کرتے ہیں کوئی شیوخ کے عدد کثیر بتا کر کہتے ہیں دیکھو جس کے اتنے شیوخ ہونگے اس کا حدیث میں کیا پایہ ہوگا کوئی کسی محدث کے تذکرہ محدثین میں ان کا ترجمہ ذکر کر دینے سے استدلال کرتا ہے۔ کوئی اُن کا مذہب محدثین میں رداً و قبولا مبحوث ہونے سے حجت لاتا ہے۔ کوئی مجتہد ہونے سے محدث ہونا ثابت کرتا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ دلائل فی نفسہا کیسے ہیں۔ اس قسم کے دلائل پیش کرنے سے خود ظاہر ہے کہ ان کا تبحر حدیث میں ایسا ظاہر باہر نہیں ہے جس کے لئے ایسے بالائی دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ دوسرے خود فقہاء امام صاحب کے قلت حدیث کی طرح طرح سے عذر پیش کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ فقہ کے شغل کی وجہ سے قلیل الروایت رہے۔ کوئی شروط میں تشدد کا عذر بیان کرتا ہے۔ کوئی انتشار احادیث کو سبب بتاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے درایت کے ساتھ تھوڑی ہی روایت ہوں تو بہتر ہیں کثرت روایت بلا درایت سے۔ ان اعذار سے ہم کو بحث نہیں لیکن ان تمام اعذار کے پیش کرنے سے ثابت ہے کہ سب کو مسلم ہے کہ وہ قلیل الحدیث اور قلیل الروایت تھے۔ مگر نعمانی صاحب کی حمیت نے ان باتوں کی ذرا پروا نہ کی۔

نعمانی صاحب کے دلائل اور ان کا مفصل جواب:

شبلی نعمانی اس کے بعد اپنے دعویٰ کا ثبوت جو پیش کرتے وہ یہ ہے کہ "امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں م

مرتب نہ ہوئیں۔ لیکن جب جمع ہو چکیں اس وقت بڑے بڑے محدثین اُن کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے وکیع بن الجراح جن کی روایتیں بخاری میں بکثرت موجود ہیں۔ وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں۔ اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ۔ امام طحاوی نے جو حافظ الحدیث تھے امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ ان سے مجھ کو توارد ہے طحاوی امام بخاری و مسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا متاخرین میں علامہ ماردینی حافظ زیلعی ابن الہمام قاسم بن قطلوبغا وغیرہ کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں ان کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد بن حنبل ہیں۔ امام احمد بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ سفیان ثوری کو محدثین نے امام المحدث تسلیم کیا ہے ان کے مسائل عموماً ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں" انتہیٰ ملخصاً۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ امام صاحب کے جملہ مسائل۔ اول سے آخر تک سب ہی حدیث کے خلاف ہیں اور کوئی اُن میں سے صحیح نہیں۔ بلکہ کچھ شک نہیں کہ ان کے بھی مسائل بکثرت صحیح ہیں۔ خواہ اس وجہ سے کہ امام صاحب نے اُن کو نص صریح سے فرمایا۔ یا یہ کہ قیاس و اجتہاد سے فرمایا تھا مگر وہ قیاس و استنباط صحیح تھا۔ اس کے خلاف میں کوئی حدیث رسول ثابت نہیں ہوئی تو اس قسم کے مسائل میں اگر کسی محدث نے ان کی موافقت کی یا ان کے قول پر فتویٰ دیا یا اُن کے قول کو لیا تو کوئی تعجب نہیں لیکن اس سے ان کے تمام مسائل کا حدیث کے مطابق ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ عام دستور رہا ہے کہ متاخر علماء متقدم مشاہیر علماء کے اقوال و مذاہب کو موقعوں موقعوں پر پیش کرتے اور بطور موید لانے کے ان سے سند پکڑتے رہے ہیں اور چونکہ امام صاحب اپنے وقت کے مشہور علماء میں سے تھے اور وکیع ابن الجراح اور یحییٰ بن سعید کے طبقہ سے متقدم تھے لہٰذا انہوں نے ان کے قول و مذہب کو لیا اور اس پر فتویٰ دیا خصوصاً جبکہ ان کو امام صاحب سے کچھ علاقہ تلمذ کا بھی تھا لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق تھا اور انہوں نے ان کا ایک ایک مسئلہ حدیث سے پرتالا تھا اور سب کو حدیث کے موافق پایا اور ان کو امام صاحب کے کسی مسئلہ سے خلاف نہ تھا سب سے بڑے امام صاحب کے مذہب کے حامی اور ان کے اقوال کے دلدادہ تو امام ابویوسف اور امام محمد تھے جب انہیں نے امام صاحب کا (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دو تہائی مذہب میں خلاف کیا تو بیچارے وکیع بن الجراح اور یحییٰ بن سعید کہاں تک امام صاحب کی موافقت کر سکتے تھے مگر چونکہ محدثین کا امام صاحب کے قول سے استنا ذکر نا باوجودیکہ امام صاحب ایک دوسرے فریق (اہل الرای) کے ساتھ شہرت رکھتے تھے تعجب خیز امر تھا اس لئے وہ خاص طور پر ذکر کیا گیا۔ اور یحییٰ بن سعید کے قول کا منشا بھی غالباً یہی ہے کہ گو وہ اہل الرای ہیں مگر یہ نہ سمجھو کہ ان کے کل اقوال غیر معتبر ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم نے ان کے اکثر اقوال لئے ہیں۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ صاحب کے مذہب و اقوال اور ان کے دلائل اور ان کے وجوہ استدلال کے ساتھ سب سے زیادہ واقف اور امام صاحب کے پورے ہمراز تھے۔ اگر امام صاحب کے تمام اقوال قرآن و حدیث کے موافق ہوتے اور ذرا بھی خلاف نہ ہوتے تو کبھی وہ امام صاحب کا خلاف نہ کرتے ان کا اس کثرت سے مخالفت کرنا صریح دلیل ہے کہ امام صاحب کے اقوال و مذہب کا بڑا حصہ وہ ہے جو صریح قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اگر کسی کی موافقت و مخالفت بھی کسی کے مذہب کے حق دریافت کرنے کا معیار ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ کتنے محدثین نے جو نہ صرف فن حدیث کے امام تھے بلکہ فقاہت و اجتہاد میں بھی نہایت رفیع پایہ رکھتے تھے امام صاحب کی موافقت کی اور کتنوں نے مخالفت کی اور کس قدر مسائل میں مخالفت کی۔ افسوس کہ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اگر مخالف فریق و مخالف حصہ کا ذکر کرنا چاہیں تو صرف نام ہی شمار کرانا مشکل ہوگا اور موافق فریق اگر نکلیں گے تو مشکل سے محدودے چند اشخاص مل سکیں گے۔ اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ وکیع یا کسی اور محدث نے امام صاحب کے تمام مذہب کی اجمالاً تصویب کردی لیکن وہ ایک ایک مسئلہ پر کوئی حدیث پیش کرکے نہیں دکھائی تو یہ بات اس شخص کے لئے جس کے سامنے امام صاحب کے کسی مسئلے کے خلاف کوئی صریح و صحیح حدیث رسول موجود ہو اور اس کا نسخ بھی نہ ثابت ہو کسی طرح قابل حجت نہیں ہو سکتی چنانچہ یہ ایک اصولی مسئلہ ہے جس کی شرح افسوس کے ساتھ ہم تنگی مقام کی وجہ سے چھوڑتے ہیں حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ وکیع و یحییٰ بن سعید نے امام صاحب کے تمام مسائل سے اتفاق رائے کیا۔ اور امام طحاوی نے بھی تمام مسائل میں امام صاحب کی موافقت نہیں کی۔ باوجودیکہ ان کے مزاج میں امام صاحب کے مذہب کی ایک خاص طرفداری و حمایت بھی تھی جیسا کہ خود حنفیہ لکھتے ہیں تاہم ان کو بہت جگہ امام صاحب کے خلاف کرنا پڑا چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی التعلیقات السنیہ میں فرماتے ہیں قد خالف صاحب المذهب فی کثیر من الاصول والفروع من طالع شرح معانی الآثار وغیرہ یجدہ یختار خلاف ما اختارہ صاحب المذهب کثیرا اذا کان ما یدل علیہ قویا انتہی یعنے طحاوی نے امام صاحب کے بارے میں (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہت سے اصول و فروع میں خلاف کیا جو شرح معانی الآثار وغیرہ دیکھے گا وہ پائے گا کہ وہ بکثرت امام صاحب کے خلاف اختیار کرتے ہیں جب خلاف کی دلیل قوی ہوتی ہے۔ اور فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں سلك مسلك الانصاف الافی بعض المواضع فعدل النظر فیها عن التحقیق وسلك مسلك الجدال والخلاف الغیر الانیق انتھی یعنے "امام طحاوی (امام صاحب کے مسائل کے متعلق فیصلے میں) طریقہ انصاف کا چلے مگر بعض مواضع میں (ایسا نہیں کیا بلکہ امام صاحب کے مسائل کی حمایت میں نا انصافی اختیار کی اور) نظر کو تحقیق سے علیحدہ رکھا اور طریقہ جدال اور نا مناسب خلاف کا چلے"۔ اس تمام بیان سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی کو امام صاحب کے مذہب کی حمایت مدنظر تھی تاہم انہوں نے مجبوراً بہت جگہ خلاف کیا۔ اس کے علاوہ امام طحاوی حدیث میں پوری بصیرت بھی نہ رکھتے تھے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ لیست عادته نقد الحدیث کنقد اهل العلم وانما رجح ما رجحه منها فی الغالب من جهة القیاس الذی راٰه حجة ویکون اکثره مجروحا من جهة الاسناد ولا یثبت فان لم یکن له معرفة بالاسناد کمعرفة اهل العلم به وان کان کثیر الحدیث فقیها عالما انتهی۔ (منہاج السنہ ص ۱۹۴ ج ۲) یعنی "ان کی عادت حدیث پرکھنے میں اہل العلم کی طرح نہ تھی بلکہ اکثر قیاس کی رو سے جس کو وہ حجت سمجھتے تھے ترجیح دیتے تھے حالانکہ اکثر اس میں کا اسناد کی رو سے مجروح و غیر ثابت ہوتا تھا کیونکہ اہل العلم کی طرح اسناد حدیث میں ان کو بصیرت نہ تھی گو وہ کثیر الحدیث اور فقیہ و عالم تھے"۔ مولانا عبد الحی صاحب فواید بہیہ میں اس قول کو نقل فرما کر گو کسی قدر اس میں مبالغہ بتلاتے ہیں تاہم اصل بات انہیں بھی تسلیم ہے امام بیہقی نے بھی امام طحاوی کے متعلق اسکے قریب قریب لکھا ہے۔ ابن الہمام اور زیلعی کی بابت جو لکھا تو انھوں نے بھی بکثرت امام صاحب (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا خلاف کیا جس کے متعلق ہم انشاء اللہ کچھ آگے بھی لکھیں گے۔ اور امام احمد صاحب وغیرہ کا جو امام صاحب سے کچھ مسائل میں موافقت کرنا بیان کیا تو امام صاحب کے کل مسائل کو خلاف حدیث کون کہتا ہے۔

نعمانی صاحب کی ایک اور غلطی:

پھر نعمانی صاحب اپنے فرط حمایت کی وجہ سے محققین کو کوتاہ نظر بتا کر امام مالک اور امام شافعی کے بھی مسائل کا خلاف حدیث ہونا لکھ کر (جن کو ہم بھی معصوم نہیں کہتے) لکھتے ہیں "لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور ان کی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو" انتہی۔ نعمانی صاحب خوب سمجھتے تھے کہ بغیر کسی اور بات کے پیدا کئے ہوئے اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس سے امام صاحب کے مذہب کی پوری حمایت اور ان سے رفع الزام (حالانکہ اصل میں امام صاحب کے ذمہ کوئی الزام نہیں جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں) ممکن نہیں اس وجہ سے یہ بات بنائی۔ حالانکہ یہ وہیں بن سکتا ہے کہ اس حدیث کی تصحیح و تضعیف میں اختلاف کا موقع ہو اور وہ حدیث ہر دو مجتہد کو پہنچی ہو۔ ورنہ ہر جگہ ایسا خیال کرنا سخت غلطی ہے جس کے غلط ثابت کرنے کے لئے ہماری یہ تمام مدلل تحقیقات جو ذکر کی کافی ہے اور خود ظاہر ہے کہ اگر ہر امام کو سب حدیثیں پہنچ گئیں ہوتیں اور ہر ایک کو وہی حدیث صحیح معلوم ہوتی جو اس کا مذہب ہے تو وہ یہ کیوں فرماتے کہ جب تم کو ہمارے خلاف صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرنا۔ اس کے بعد نعمانی صاحب نے اپنی خوش فہمی سے امام بخاری پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے جو اگر خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہم کبھی یقین نہ کرتے کہ نعمانی صاحب باوجود ایسے دعووں کے امام بخاری پر ایسے بے اصل اعتراض کریں گے جس کا جواب غالباً حسن البیان میں دیا گیا ہے اس وجہ سے ہم لکھنا ضروری نہیں سمجھتے ...... ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ نعمانی صاحب کو سیرۃ النعمان میں جس قدر سقطات پیش آئے ہیں ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے ان کیلئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے۔ اور حسن البیان میں جس قدر ان کی لغزشوں سے تعرض کیا گیا وہ بہت کم ہیں ان سے جن سے اغماض کیا گیا واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

صاحبؒ کے کثیر الحدیث ثابت کرنے میں ضعیف ضعیف باتوں کے ساتھ بڑی کوششیں کرتے ہیں تاکہ مذکورہ بالا خیال کو قوت دیں اور رسولؐ کی احادیث صحیحہ وصریحہ کو رد کریں۔ انُ کی انھیں باتوں[1] نے ہم کو مجبور کیا کہ ہم اس بحث کو کسی قدر شرح کے ساتھ لکھیں ورنہ ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہم خود بھی اس بحث کو بڑی کراہت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ کہاں امام اعظم صاحبؒ اور کہاں ہمارا منہ جو ہم ان کی حدیث دانی پر نکتہ چینی کی صورت پیدا کریں۔ تاہم بفضل اللہ تعالیٰ جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں کوئی بات نفس الامر کے خلاف نہیں لکھی۔ بایں ہمہ اگر ہم کو یہ مجبوری نہ ہوتی تو ہم کسی طرح پسند نہیں کرتے کہ ہم یا کوئی اور اس قسم کے تذکرے ان ائمۂ عظام[1]

---

[1] اور فتح مبین میں لکھتے ہیں " اور یہ باتیں کہ امام صاحب وغیرہ کو بہت سی حدیثیں نہیں پہنچیں متعصبین کی محض نفسانیت اور خانہ ساز ہیں کوئی حجت ان پر نہیں انتہیٰ صفحہ ۱۲۔ اور صفحہ ۴۴ میں لکھتے ہیں کوئی اس دعویٰ کو بھی نہیں ثابت کر سکتا کہ امام صاحب کو اسقدر حدیثیں نہیں پہنچیں جس قدر امام بخاری کو پہنچیں تھیں

مولوی رشید احمد صاحب کی امام بخاری کے بارے میں تلخ کلامی:

[2] جیسا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی امام المحدثین امام بخاری کو (جن کے منجملہ سینکڑوں مناقب کے ایک منقبت یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے اندر انہی کی کتاب کا مرتبہ ہے) متعصب بغرض تائید اپنے مذہب کے حدیثوں کی تصحیح وتضعیف کرنے والا۔ اور اپنے مطلب کے لئے ثابت حدیثوں سے انکار کر دینے والا لکھتے ہیں (دیکھو ہدایت المعتدی صفحہ ۴۲ و ۴۳) لفظ یہ ہیں" اسی واسطے باقتضا تعصب مذہبی امام بخاری کو ہر گاہ کہ اس فقرے میں گنجائش طعن نہ ملی تو جزء قراءت میں لکھتے ہیں معلوم نہیں اس فقرے کو سلیمان تیمی نے قتادہ سے سُنا یا نہیں سخت تعجب ہے کہ سلیمان تیمی نہ مدلس الخ پھر بھی امام بخاری بسبب معنعن ہونے کے سماع سلیمان میں شک فرماویں۔ معاذ اللہ اگر یہی شک ہے تو صحیح بخاری کی صدہا روایتوں کا آدمی انکار کر سکتا ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اور جیسا کہ امام بخاری اس زیادۃ سلیمان میں بسبب اپنی تائید مذہب کے عدم سماع سلیمان تیمی لکھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہے جو کہ زیادۃ معمر لفظ فصاعدا کی نسبت انکار کیا ہے۔ بس ایسے توہمات خلاف اپنے قواعد مسلمہ کے خلاف ائمہ حدیث کے کس طرح معتبر اور ملتفت الیہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کی بابت کیا کرے۔ اس واسطے کہ یہ کسی طرح لائق نہیں کہ ایک شخص جس میں سینکڑوں کمال ہوں اگر اس میں کسی ایک وصف کی خامی ہو تو ہم اُس کی اس خامی کے پیچھے پڑ جائیں اور اس کے تمام کمالات کا گویا خیال نہ رکھیں، نہیں بلکہ چاہیے تو یہ ہے کہ اس کے اور تمام کمالات کے لحاظ کی وجہ سے اس کی اس خامی سے چشم پوشی کر کے اس کو بہمہ صفات موصوفین میں شمار کرنے لگیں۔

تذکرۃ الحفاظ اور تذکرہ امام صاحبؒ:

یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبیؒ نے امام اعظم صاحبؒ کو تذکرۃ الحفاظ میں داخل کر لیا۔ لیکن افسوس کہ بعض لوگ اس نکتہ کو نہ سمجھے اور وہ یہ لے دوڑے کہ علامہ ذہبیؒ نے امام صاحب کو حفاظ حدیث سے شمار کیا اور اُن کے کثیر الحدیث ہونے کا اعتراف کیا۔ حالانکہ علامہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہو سکتے ہیں؟ انتہیٰ ہم کو اپنے ہمعصر پر بڑا افسوس ہے کہ ان کو ایسے عالی منزلت شخص کی بابت جن کا طبقہ صحابہ کے بعد دنیائے اسلام میں کوئی نظیر نہیں ایسے سخت الفاظ استعمال کرتے ذرا باک نہ ہوئی کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی عیب ہے کہ آدمی حدیث رسول کی تنقید کے وقت جس پر بنائے اسلام ہے خود غرضی کو کام میں لائے یہ بہت بڑا الزام ہے جو انہوں نے امام بخاری پر تھوپ دیا ہمارے ہمعصر کو اُس کا خیال نہ رہا جو پہلے محدثین مقبولین پر طعن و تشنیع کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج کر چکے ہیں۔ اس سے تم کو اس بات کی کسی قدر تصدیق ہو سکتی ہے جو ہم بار بار لکھ آئے کہ ان کی یہ چکنی چپڑی باتیں صرف حد قول تک محدود ہیں اور محض اس مجبوری کو جو ہم پہلے بتا چکے ہیں مثلاً ورنہ اگر ہم تھوڑی دیر کو تسلیم بھی کر لیں کہ امام بخاری صاحب سے اس تنقید میں غلطی ہو گئی تو کیا یہ بھی ضرور تھا کہ ہمارے ہمعصر ان کے حق میں اس دریدہ دہنی کو بھی کام فرمائیں مگر ہم نے جہاں تک اپنے ہم عصر کے رسائل دیکھے ہم کو ثابت ہوا کہ ان کو اپنی تقلید کے جوش تعصب میں اہلحدیث کے ساتھ زبان درازی کرنے کا خاص شیوہ ہے جن میں سے بعض الفاظ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں (دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۷) ان کے رواہتی اور عوام وخواص کی بھی اکثر یہی حالت ہے۔ اہلحدیث کو رافضیوں خارجیوں کی طرح اہلسنت سے خارج گمراہ۔ فاسق۔ ضال مضل۔ بے دین۔ ملحد۔ بے ایمان۔ وغیرہ کہنا تو کوئی بات ہی نہیں دیکھو رسالہ جامع الشواہد اور بعض تقریظات فتح مبین جواب ظفر مبین مشہور وغیرہ مشہور مولویوں نے کیسے کیسے ڈھونڈ ڈھونڈ کے دخیرہ تحقیق کئے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور پھر بھی آپ پاک کے پاک۔ اور اہلحدیث بیچاروں پر بدگوئی کا الزام۔ خیر۔۔۔۔ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم

ذہبیؒ نے جو کچھ امام صاحبؒ کے ترجمہ میں ذکر کیا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس میں اُن کے تمام مناقب و اوصاف بیان کیے، لیکن اُن کے کثیر الحدیث ہونے کا نام بھی نہ لیا۔ (بلکہ اُن کی قلتِ حدیث کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ علمی منقبتوں میں سے صرف افقہ ہونا ذکر کیا، اور حدیث میں سفیان کو اُن سے احفظ بتایا)۔ حالانکہ سب سے بڑی بات بیان کے لائق یہی تھی۔ خصوصاً جب کہ قدیمؔ سے اُن کی نسبت خیال قلّتِ حدیث کا پھیلا ہوا تھا اور عام طور پر اُن کی بابت قلیل الحدیث ہونے کا گمان کیا جاتا تھا۔ پس امام ذہبیؒ کے نزدیک اگر وہ کثیر الحدیث تھے تو صاف طور پر امام ذہبی کو اس عام بدظنی اور غلط خیالی کا رفع کرنا اور صراحت کے ساتھ اُس کا رد کرنا ضرور تھا۔ بہرحال امام صاحبؒ کو امام ذہبیؒ کے مجرد تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کرنے سے یا کسی اور قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے سے امام صاحب کے کثیر الحدیث ہونے پر استدلال صحیح نہیں کیا۔ جس قلیل الحدیث کو اُنھوں نے تذکرہ میں نہیں ذکر کیا اس میں اسی قدر اوصاف تھے جتنے امام صاحب میں تھے؟ اور کیا وہ اسی مرتبہ کا شخص تھا جس مرتبہ کے امام اعظم صاحب تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس قلیل الحدیث کو نہ ذکر کرنے اور امام صاحب کے ذکر کرنے سے امام صاحب کا کثیر الحدیث ثابت کرنا کیسا بیجا ہے۔

امام صاحبؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی چوتھی اور پانچویں وجہ:

چوتھی وجہ امام صاحبؒ کے قلیل الحدیث ہونے کی وہ وجہ ہے جو کہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں اور فقہائے حنفیہ وغیرہم کے کلام سے بھی اُس کی تصدیق و تسلیم ثابت

۱؎ چنانچہ امام محمد اور ابن مبارک اور ابن داود کا قول پہلے پڑھ چکے ہو۔ اور امام احمد صاحب کا مقولہ ہے هؤلاء اصحاب ابی حنیفۃ لیس لہم بصر بشیء من الحدیث ما هو الا الجرأۃ اخرجہ محمد بن نصر المروزی فی قیام اللیل یعنے (دیکھو) یہ ابو حنیفہ کے اصحاب ہیں ان کو حدیث میں ذرا بھی بصیرت نہیں بس جرأت ہی جرأت ہے انتہی اور دیکھو مسند خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ اور نعمانی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ یہ خیال پہلے سے چلا آتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں یہ (امام صاحب کی قلت روایت کا) خیال کچھ نیا نہیں ہے۔ اگلے زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہ رائے تھی انتہی صفحہ ۱۳۶۔

ہوتی ہے کہ "امام[1] ابوحنیفہؒ کی روایت اس وجہ سے کم ہوئی کہ انھوں نے حدیث کی روایت اور تحمل کے شروط سخت مقرر کیے اور وہ یقینی (و صحیح) حدیث کو ضعیف ٹھیرا دیتے تھے جبکہ ان کی شہادت نفس (قیاس) کے برخلاف ہوتی تھی۔ اس وجہ سے اُن کا روایت (حدیث کا شغل) کرنا کم ہوا (اور وسعت کے ساتھ وہ حدیث روایت نہ کر سکے)۔ پس ان کی حدیث کم رہیں نہ یہ کہ انھوں نے قصداً حدیث چھوڑ دی۔"

اس کلام میں علامہ موصوف نے امام صاحب کی قلتِ حدیث کی ایک وجہ نہیں بلکہ دو وجہیں بتائیں۔ ایک تشدد شروط دوسری اپنی درایت پر زیادہ اعتماد کرنا۔ حتی کہ روایات کی رُو سے گو حدیث یقینی ثابت ہو مگر وہ اپنی درایت کے سامنے اسے قبول[2] نہیں کرتے تھے۔ تو اگر اس کو دو وجہیں ٹھرایا جائے تو ہم جو پانچویں وجہ لکھنے کو تھے اس کو چھٹی وجہ کہنا چاہیے۔

چھٹی وجہ :

اور وہ یہ ہے کہ جناب امام صاحبؒ کی اصل توجہ فروعات و فقہی مسائل کی طرف تھی اور بیشتر وہ اسی میں مشغول رہے جن کا بیان مشرح ہم بضمن وجہ سوم کے کر چکے ہیں، اور عنقریب شاہ صاحب کے قول میں بھی آتا ہے اور اس بارے میں خطیب[3] بغدادی

---

[1] عبارت یہ ہے والامام ابو حنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ و التحمل وضعف روایۃ الحدیث الیقینی اذا عارضھا النقل النفسی و قلت من اجلھا روایتہ فقل حدیثہ لا انہ ترک روایۃ الحدیث متعمدا فحاشاہ من ذلک۔

[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث کو حدیث جان کر نہیں قبول کرتے تھے۔ نہیں۔ بلکہ ان کو اپنی شہادت نفس پر اس قدر وثوق ہوتا تھا کہ ان کو حدیث کو حدیث ہونے کا یقین نہیں آتا تھا واللہ اعلم۔

نعمانی صاحب کی ایک غلطی اور اس کا جواب :

[3] اس روایت سے نعمانی صاحب نے بلا کسی معقول وجہ کے انکار کر دیا ہے (جس پر حسن البیان میں بحث کی گئی اور نعمانی صاحب کے شکوک کے جواب بھی دیئے ہیں) تاہم یہ نعمانی لکھتے ہیں "ممکن ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

کی روایت بھی جو انھوں نے بہ سند امام صاحب سے روایت کی ہے اُس کی شاہد ہے جس میں امام صاحب نے اور علوم کو چھوڑ فقہ کا اپنے لیے شغل پسند کرنا فرمایا ہے۔ غرض اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحبؒ کا بڑا شغل فقہ تھا اور اسی طرف اُن کی مزید توجہ تھی۔ اس وجہ[1] سے وہ حدیث کا زیادہ حصہ نہ پا سکے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ تحصیل علوم کے بعد آپ نے خیال کیا ہوگا کہ کسی فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی" انتہی (صفحہ ۴۰) اور اس روایت کے غلط ہونے کے ثبوت میں جو نعمانی صاحب کہتے ہیں" کہ "اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ انتہی تو حدیث کی طرف توجہ و پایہ کا حال حسن البیان میں بھی لکھا ہے اور ہماری تحقیقات سے بھی ظاہر ہے باقی رہا علم کلام تو جیسا مناقب والے لکھتے ہیں کہ انھوں نے علم کلام کی طرف توجہ کی تھی اگر اس کا کوئی قوی ثبوت ہے تو ممکن ہے کہ علم کلام کی بابت ان کی رائے پلٹ گئی ہو جس کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے کہ انھوں نے اس طرف توجہ کی جس کا کافی ثبوت موجود ہے اور چونکہ حدیث کی بابت ایسا ثبوت نہیں لہٰذا اس کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ وہی رائے قائم رہی۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ مقولہ اس وقت کا ہو جبکہ علم کلام حاصل کرچکے تھے اور اس سے دل ہٹ کر کسی دوسرے علم کی طرف توجہ کا ارادہ تھا تو علم کلام میں مشغول رہنے سے بھی بے رغبتی مع اُس کی وجہ سے ظاہر فرمائی اور طلب حدیث کے شغل کو بھی بایں وجہ جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے "حدیث کے لئے اولاً تو ایک مدت درکار تھی اس کے علاوہ کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں" ناپسند فرمایا نعمانی صاحب کو اس پر بھی تعجب ہے کہ "یہ روایت کسی کتاب میں امام کا قول کرکے بیان کی گئی ہے اور کسی میں ہمکلام کا قول ہے اور امام صاحب کا اس کو تسلیم کرنا ذکر ہے" افسوس نعمانی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ عام دستور ہے کہ جب اہل شوریٰ باہم تخاطب کرکے ایک بات پر متفق الرائے ہوتے ہیں تو وہ بات ہر ایک کی طرف نسبت کی جاسکتی ہے کیا انھوں نے قرآن مجید میں یہ آیتیں نہیں پڑھیں قال الملأُ من قوم فرعون ان ھٰذا لساحر علیم الاٰیۃ اور قال للملاِ حولہ ان ھٰذا لساحر علیم الاٰیہ ایک ہی بات کو ایک واقعہ میں ایک جگہ فرعون کا کہنا بیان فرمایا دوسری جگہ بجائے اس کے حواشی فرعون کا کہنا فرمایا۔ تو کیا اس واقعہ میں بھی نعمانی صاحب کو شک ہے۔

[1] فقہ کی وجہ سے امام صاحب کا حدیث کی طرف (اچھی طرح) نہ متوجہ ہوسکنا نعمانی صاحب کو بھی (باقی بر صفحہ آئندہ)

ساتویں وجہ:

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحبؒ اہل الرائے[1] میں سے تھے۔ اور اہل الرائے[2] کا حال تم پہلے شاہ صاحب کے کلام سے معلوم کر چکے ہو کہ وہ روایتِ حدیث سے ڈرتے تھے، اور بخوفِ کلام رسولؐ میں غلطی ہو جانے کے نقل حدیث سے بچتے تھے، اِس وجہ سے اُن کے پاس احادیثِ رسولؐ کم تھیں اور وہ بجائے حدیث کے اپنے سے پہلوں کے کلام پر اعتماد کرتے تھے، اور بیشتر مسائل کی بنا انھیں کے اقوال پر رکھتے تھے۔ چنانچہ امام صاحبؒ کا بھی یہی دستور تھا۔ جیسا کہ شاہ صاحب حجۃ اللہ میں اُن کے حال میں لکھتے ہیں:

"امام[3] ابو حنیفہ سب میں زیادہ ابراہیم نخعی اور ان کے اقران کے مذہب کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ اس سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔ اِلّا ما شاء اللہ، (یعنی بہت کم)۔ اور ابراہیم نخعی کے مذہب (قواعد) پر مسائل نکالنے میں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قبول ہے چنانچہ صفحہ ۱۰۵ میں لکھتے ہیں "امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات و اغالیط مدرجات سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے جو صحیح حدیثوں کی انتخاب کی کوشش کرتے امام ابو حنیفہ کو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے الخ اور کچھ عبارتیں اوپر گذر چکیں۔

[1] چنانچہ اگلی عبارتوں سے تم کو معلوم ہو جائے گا اور نعمانی صفحہ ۱۴۲ میں لکھتے ہیں چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا (امام ابو حنیفہ رحمۃ کا) نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

[2] نعمانی صاحب کو جہاں ان کی حمیت نے اور خلاف واقع باتوں کو ملمع کاری کر کے دکھانے پر مجبور کیا تھا۔ اس بات پر بھی مجبور کیا کہ وہ اہل الرائے کے کوئی ایسے نئے معنے بنائیں جس سے اس مقصد کو جس کی حمایت میں وہ بڑے سرگرم ہیں جو نقصان پہنچتا تھا نہ پہنچے چنانچہ انہوں نے اہل الرائے کے ایک اپنے طبع زاد معنے ایجاد کئے (جس کے رد کے لئے مستند علماء کے وہ اقوال اہل الرائے کے معنے میں جو ہم نے ذکر کئے کافی ہیں) اور اہل حدیث کو وہ گروہ ٹھہرایا جن کو ناسخ و منسوخ سے بھی سروکار نہ تھا۔ والی اللہ المشتکے۔

[3] دیکھو صفحہ ۱۵۱ حاشی کے طول پکڑنے کی وجہ سے عبارت نقل نہیں کی اور یہ کتاب نادر الوجود بھی نہیں۔

شان (یعنی اس میں خوب دخل) رکھتے تھے۔ تخریج کے طریقوں میں باریک بین تھے۔ پوری توجہ فروعات (مسائل فقہیہ) پر رکھتے تھے۔ اگر تم کو ہمارے قول کی تحقیق منظور ہو تو ابراہیم (نخعی) اور اُن کے اقران کے اقوال آثار (امام) محمد اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ سے تلخیص کر کے امام صاحب کے مذہب کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو تو ان کے مذہب کو تم پاؤ گے کہ اس طریقے سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر بہت تھوڑی جگہ اور اُن تھوڑی جگہوں میں بھی فقہاء کوفہ کے اقوال سے باہر نہیں جاتا۔"

اور مصفی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

"باید دانست کہ سلف در استنباط مسائل و فتاوئ بر دو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع مے کردند و از انجا استنباط مے نمودند و ایں اصل رائے محدثین ست و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمعے از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا۔ پس ہر مسئلہ کہ وارد میشد جواب آں از ہماں قواعد طلب مے کردند و ایں اصل رائے فقہاء ست و اشارہ بہمیں معنی ست از آنکہ گفتہ اند کہ حماد بن ابی سلیمان اعلم ناس بود بمذہب ابراہیم لے بقواعد کلیہ کہ وے در فتاوئ تہذیب و تنقیح آں کردہ بود"۔

علامہ ابن خلدون[1] مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں:

"ان (متقدمین) میں فقہ دو طریقے پر منقسم ہو گئی۔ ایک طریقہ اہل الرائے والقیاس کا اور وہ عراق والے لوگ ہیں۔ اور ایک طریقہ اہلحدیث کا

---

[1] عبارت یہ ہے: انقسم الفقه فيهم الى طريقين طريقة اهل الرأى والقياس وهم اهل العراق وطريقة اهل الحديث وهم اهل الحجاز وكان الحديث قليلا فى اهل العراق لما قدمناه فاستكثروا من القياس ومهروا فيه فلذلك قيل اهل الرأى ومقدم جماعتهم الذى استقر المذهب فيه وفى اصحابه ابو حنيفة انتهى (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۸۹)

اور وہ حجاز (مکّہ و مدینہ) والے ہیں۔ اہلِ عراق میں حدیث کم تھی جس کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تو انھوں نے قیاس سے زیادہ کام لیا اور قیاس (رائے) میں وہ خوب ماہر ہوئے اُن کو اہل الرائے کہا گیا۔ اہل الرائے کی جماعت کے سرداروں میں اور جن کے شاگردوں میں یہ (طریقہ) مذہب قائم ہُوا (امام) ابوحنیفہ ہیں۔"

امام صاحبؒ کا طریقۂ اجتہاد:

الحاصل امام صاحب اہل الرائے میں سے تھے جو روایت سے ڈرتے اور بچتے تھے اس وجہ سے وہ قلیل الحدیث رہے اور اجتہاد و استنباط میں جو طریقہ اہل الرائے کا تھا بیشتر[1] وہی طریقہ اُن کا بھی تھا۔ اور اہل الرائے کے طریقے کے موافق خاص خاص لوگوں (یعنی ابراہیم نخعی اور ان کے اقران) کے اقوال پر زیادہ تر اُن کے مذہب کی بنا ہے اور وہ ابراہیم نخعی وغیرہ کے اقوال پر تخریج میں بڑے ماہر اور دقیق النظر تھے۔

تخریج کی وضاحت:

شاہ صاحب نے انہی اہل الرائے کے ذکر میں تخریج کی جو شرح ذکر کی ہے ہم پسند کرتے ہیں کہ اس موقع پر اس کو بھی ہدیۂ ناظرین کریں۔ شاہ صاحب اس بیان کے بعد کہ "اہل الرائے کے پاس احادیثِ رسولؐ اور آثارِ صحابہ اس قدر نہ تھے جن سے وہ استنباطِ مسائل اُس طور پر کر سکتے جس طور پر اہل حدیث کرتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدے پر مرتب کیا" جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لکھتے ہیں[2]:

"تخریج کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس عالم کے مجموعے کو کہ اساتذہ کے

---

[1] اس تخفیفات سے نعمانی صاحب اور ان کے ہم خیالوں کے اس دلیل کی بھی بے ثباتی ثابت ہوتی ہے جس میں وہ امام صاحب کے مجتہد ہونے سے کثیر الحدیث ہونا ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اجتہاد کے طریقے مختلف ہیں اس مطلوب کے متعلق نعمانی صاحب نے جو کچھ لکھا اب اس سب کا جواب تم ہماری اس تحریر میں یا احسن البیان میں ضرور پاؤ گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

[2] دیکھو حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۷۔

اقوال سے خوب واقف ہے اور ترجیح میں صحیح تر نظر رکھتا ہے اور وہ اساتذہ کی (گویا) زبان ہے یاد کر لے۔ پس یہ مسئلہ میں اس کے حکم کی وجہ[1] سوچے تو جب کبھی اس سے کسی مسئلہ کا سوال کیا گیا یا اُس کو خود کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اساتذہ کے صریح اقوال کو جو اُسے یاد تھے دیکھا اگر اُن میں اُس کا جواب نکل آیا تو خیر ورنہ (انھیں اقوال سے استنباط شروع کیا تو) اُن کے کلام کے عمومات کو دیکھا (اگر کسی عام کے تحت میں درج ہو سکا) تو اس عموم کو اس مسئلہ پر جاری کر دیا، یا کلام کے اشارے ضمنی کو غور کیا اور اس سے (ہی) استنباط کر لیا۔ کبھی کسی کلام سے کوئی اشارہ نکلتا ہے یا اُس سے کچھ لازم آتا ہے جو مقصود کو سمجھا دیتا ہے۔ کبھی جس مسئلہ کی تصریح ہوتی ہے اس کے دوسرا ہمشکل ہوتا ہے جو اُس پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کسی وجہ کے ساتھ اُن کے بتائے ہوئے مسئلہ میں علت پیدا کر کے اس علت پر مدارِ حکم رکھ کر غیر بتائے ہوئے مسئلوں میں وہ حکم جاری کر دیا۔ کبھی استاذ کے کلاموں کو ملا کر نتیجہ کے طور پر مسئلہ کا حکم نکال لیا۔ کبھی وہ چیز جس کے جامع مانع تعریف اساتذہ کے کلام میں نہیں تھی گو وہ چیز مثال سے یا تقسیم سے مفہوم ہوتی تھی، تکلفات کر کے اُس کی جامع مانع تعریف مرتب کر دی (اور پھر اس تعریف کے موافق اُس کے تمام افراد پر وہ احکام جاری کر دیے) کبھی اساتذہ کا کلام کئی احتمال رکھتا تھا۔ اس کے ایک معنے قائم کیے۔ کبھی ان مسائل کا دلائل سے لگاؤ جو خفی تھا اس کے وجوہ بیان کیے۔ بعض تخریج کرنے والوں نے اپنے ائمہ کے فعل سے یا ان کی کسی بات پر چپ رہنے وغیرہ سے بھی استدلال کیا۔ تخریج یہ ہے۔"

فقہاء کا عمل درآمد زیادہ تر اسی تخریج پر رہا، اور اسی کے ذریعہ سے بیشتر[2] فقہ کا دائرہ

---

[1] یعنے علت یا مسئلہ کی صورت۔

[2] چنانچہ آنے والی عبارتیں شاہ صاحب و شامی وغیرہ کی اس پر دال ہیں۔

وسیع ہوا۔ جس فقیہ کو جب کوئی مسئلہ پیش آیا، اپنے امام کے اقوال کو دیکھا۔ اُن سے صراحۃً اُس کا حکم معلوم ہو گیا تو خیر ورنہ ان کے اقوال سے انھیں طریقوں میں سے کسی طریقہ سے استنباط کر کے مسئلہ نکال لیا۔ ایسے فقہاء کا نام مجتہد فی المذہب ہے۔

مجتہد فی المذہب کا حدیث سے واقف ہونا ضروری نہیں؟

مجتہد فی المذہب کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ وہ اپنے امام کے اقوال میں خوب ماہر ہو۔ اس کے لیے حدیث کا جاننا ضروری نہیں۔ ایک حدیث بھی نہ جانتا ہو وہ بھی اس قسم کا مجتہد ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں:

"ان لوگوں کو مجتہد فی المذہب[1] کہتے ہیں اور ایسا ہی اجتہاد (اور) اسی طریقے پر مراد ہے اس شخص کی جس نے کہا کہ جس شخص نے مبسوط (فقہ کی ایک کتاب ہے) یاد کر لی وہ مجتہد ہو گیا اگرچہ اُس کو ذرا بھی روایت کا علم نہ ہو اور نہ ایک حدیث کا۔ تو ہر مذہب میں تخریج واقع ہوئی اور بکثرت ہوئی"

اور عقد الجید میں مجتہد فی المذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: "جب[2] ایسا حادثہ پیش آیا، جس میں امام کی تصریح نہ معلوم ہوئی تو اس حادثہ کے لیے امام کے مذہب پر اجتہاد کیا، اور امام کے اقوال اور انھیں کے طریقہ پر اس کی تخریج کر لی"۔

یہ طرزِ عمل فقہاء میں طبقۃً بعد طبقۃٍ[3] جاری رہا۔ ہر طبقہ کے فقہاء نے جو مسائل اپنی تخریج سے تیار کیے وہ پچھلوں کے مسلمات میں شامل ہوتے گئے اور ایک مستحکم دستاویز قرار پاتے گئے[4]

---

[1] عبارت یہ ہے ویقال ھٰؤلاء المجتہدون فی المذہب وعنی ھذہ الاجتہاد علی ھذا الاصول من قال من حفظ المبسوط کان مجتہدا وان لم یکن لہ علم بروایۃ اصلا ولا بحدیث واحد فوقع التخریج فی کل مذہب وکثر ص ۱۵۷۔

[2] دیکھو ص ۱ مطبوعہ صدیقی لاہور۔

[3] چنانچہ شامی کی عبارت میں ابھی آتا ہے۔

[4] چنانچہ کتب فقہ پر جس کی نظر ہے وہ اس کو بخوبی جانتا ہے یہ بڑے بڑے فتاویٰ جو زیادہ تخریج متاخرین سے بھرے ہیں۔ انہیں کی عبارتوں پر عموماً فتووں کا مدار ہے جب اُن سے کوئی جزئیہ صریح نہیں ملتا تو اشارات (باقی بر صفحہ آئندہ)

(الا ماشاء اللہ) حتیٰ کہ ان میں سے کسی قول کا اگر کوئی خلاف کرے تو گویا اُس نے ایک نص قطعی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ خود امام صاحب کا بھی قول نہیں ہے۔ اور یہ بھی ضرور نہیں کہ یہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی منشاء کو پہنچ ہی جائیں اور امام صاحب کے سامنے اگر وہی مسئلہ تخریج کیا ہوا پیش کیا جاتا تو امام صاحب بھی یہی فرماتے جو ان تخریج کرنے والوں نے اپنے فہم سے سمجھا۔ کیا کوئی حنفی تسلیم کرے گا کہ امام صاحب کے بعد کوئی فقیہ اس پایہ کا ہوا ہے کہ جو امام صاحب کے ہم پلّہ ہو۔ جبکہ امام صاحب فارغ التحصیل ہو کر استقلال کے ساتھ اپنی درس گاہ علیحدہ قائم فرمانا چاہتے تھے۔ خود امام صاحب نے اس زمانے میں جب امام حماد کے اقوال پر تخریج کی تو تم پڑھ چکے ہو کہ منجملہ ساٹھ کے کئی مسئلے ایسے ہیں کہ جن میں وہ حماد کے منشاء کو پہنچے تھے اور کئی وہ ہیں جن میں انھوں نے حماد کے خلاف مرضی تخریج کی جس کو حماد نے ناجائز رکھا۔

تخریجات کا تجزیہ و تحلیل :

پس ہم کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتے کہ امام صاحب کے اقوال پر تخریج کرنے والے امام صاحب کی اصلی منشاء کو ہر جگہ ضرور پہنچے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان اہلِ تخریج کے امام کے اصلی منشاء تک نہ پہنچنے کی ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ ان میں باہم بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک کی تخریج میں کچھ نکلتا ہے دوسرے کی تخریج اُس کے خلاف ہے۔ پس ظاہر ہے کہ امام کے نزدیک وہ دونوں صواب پر نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین لازم آجائے گا۔ صرف ایک ہی فقہ کو دیکھو، مثلاً حنفی فقہ کو کہ اُس میں ایک ایک مسئلہ میں کس کثرت سے مختلف اقوال ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے نکالا جاتا ہے اور تخریج در تخریج کے سلسلہ کو اور ترقی دی جاتی ہے عمل در آمد تو ہے ہی فقہانے اس کی بابت قاعدہ بھی مقرر کر دیا چنانچہ رد المحتار میں لکھتے ہیں واذا لم یوجد فی الحادثۃ عن واحد منہم جواب ظاہر وتکلم فیہ المشائخ المتاخرون قولاً واحداً یوخذ بہ فان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین وان لم یوجد منہم جواب البتۃ نصا ینظر المفتی فیہا نظر تامل وتدبر واجتہاد لیجد فیہا ما یقرب عن الخروج عن العہدۃ انتہی المختصر (جلد ۱ صفحہ ۵۲)

اس کی بڑی وجہ مخرجین کی آراء کا باہم خلاف ہے۔ اگرچہ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود امام صاحب سے ایک ایک مسئلہ میں کئی کئی قول بھی مروی ہیں، مگر زیادہ تر وجہ اس کی اختلاف فہم مخرجین ہے اور ایک وجہ مخرج کے اصل منشا امام تک پہنچنے کے نہ ضروری ہونے کی یہ بھی ہے کہ تخریج بھی تو ایک قسم کا اجتہاد ہے اور ہر اجتہاد محتمل خطاوصواب ہے۔ پس کچھ ضرور نہیں کہ ان تمام مسائل کو جو اپنے اجتہاد سے امام کا مذہب پیدا کر کے کہتے ہیں وہ اصل میں بھی ان کا مذہب ہو اور کسی قدر تفصیل آگے بھی آتی ہے۔

کیا فقہ کے تمام مسائل کو امام صاحب کا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے؟

پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر آج امام صاحب موجود ہوتے اور ان تمام مسائل کو جن سے فقہ کی کتابیں پُر ہیں ملاحظہ فرماتے تو وہ کتنے ان میں خارج کر دیتے۔ بہرحال ان تمام مسائل کو جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں امام صاحب کا مذہب خیال کرنا سخت نادانی ہے چنانچہ علامہ[1] شعرانی فرماتے ہیں:

> ”یہ جو ہم نے ذکر کیا اس غلطی میں بہت سے لوگ پڑ جاتے ہیں کہ جب اصحاب امام سے کوئی مسئلہ پاتے ہیں تو اس کو امام کا مذہب ٹھہرا دیتے ہیں۔ اور یہ بڑی جرأت ہے، کیونکہ امام صاحب کا مذہب حقیقتاً وہی ہے جو اُنھوں نے خود کہا۔ اور پھر اپنے آخر وقت تک اس سے رجوع بھی نہیں کیا نہ وہ کہ جو اُن کے اصحاب نے ان کے کلام سے سمجھا۔ کیونکہ کبھی امام اُس کو جو اُنھوں نے اُن کے کلام سے سمجھا نا پسند کرتے اور اُس کے قائل نہ ہوتے۔ اگر اُس کو یہ لوگ اُن پر پیش کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ جو شخص کل اُس چیز کو جو امام

---

[1] عبارت یہ ہے ھذا الذی ذکرنا یقع فیہ کثیر من الناس فاذا وجدوا عن اصحاب امام مسئلۃ جعلوھا مذھبا لذلک الامام وھو تھور فان مذھب الامام ابو حنیفۃ ھو ما قالہ ولم یرجع عنہ الی ان مات لا ما فھمہ اصحابہ من کلامہ فقد لا یرضی الامام ذلک الامر الذی فھموہ من کلامہ ولا یقول بہ لو عرضوہ علیہ فیعلم ان من عزی الی الامام کل ما فھم من کلامہ فھو جاھل بحقیقۃ المذاھب انتہی (میزان)

کے کلام سے سمجھا جائے امام کی طرف نسبت کر دے تو وہ حقیقت مذاہب سے ناواقف ہے۔"

اور شاہ صاحب[1] حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں :

"میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان بڑی بڑی شرحوں اور موٹے موٹے فتاووں میں جو کچھ مذکور ہے وہ سب (امام) ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول ہے اور وہ اُن کے اصلی قول اور قول مخرج کے درمیان فرق نہیں کرتے۔"

غرضکہ ان تخریجی مسائل کو (کہ فقہ کی مبسوط کتابوں مثل فتاوٰی عالمگیری و قاضی خاں و درمختار وغیرہ میں اس قسم کے مسائل کا ایک بڑا حصہ ہے اور صرف انھیں میں نہیں بلکہ[2] دیگر متون اور شروح کی متداول و درسی کتابوں میں بھی بلا امتیاز کے بکثرت مذکور ہیں۔ یقینی طور پر امام صاحب کی طرف نسبت کرنا اور ان کا مذہب قرار دینا سخت غلطی ہے۔ اور ان تخریجی مسائل کی خصوصیت نہیں۔ ان کے علاوہ بھی فقہ کے بہت سے مسائل ایسے ہیں[3] جو خاص امام صاحبؒ کا فرمودہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کی رائیں ہیں۔ یا یہ کہ وہ امام صاحب تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں پہنچے۔

---

[1] عبارت یہ ہے انی وجدت بعضھم یزعم ان جمیع ما یوجد فی ھذہ الشروح الطویلۃ وکتب الفتاوی الضخمۃ ھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ ولا یفرق بین القول المخرج و بین ما ھو قول فی الحقیقۃ۔ انتھٰی (ص ۱۶۵)

[2] چنانچہ رد المحتار کے قول میں آگے آتا ہے اور مولٰنا عبد الحی صاحبؒ مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرماتے ہیں "بہت مرتبہ اصحاب متون وہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں جو تخریجات مشایخ متقدمین سے برخلاف مسلک اصحاب مذہب کے ہوتا ہے" (صفحہ ۱۰)

[3] نعمانی صاحب لکھتے ہیں "حنفی فقہ جس میں امام ابو حنیفہ کے علاوہ ان کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں۔ زمانہ بعد میں گو علماء حنفیہ نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور جزئیات کی تخریج کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی الخ (صفحہ ۲۱۰ اور صفحہ ۲۳۰) وہیں لکھتے ہیں "یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنے امام ابو حنیفہ زفر قاضی ابو یوسف امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔"

مسائلِ حنفیہ کے طبقات :

چنانچہ ردالمحتار شرح درمختار میں لکھتے ہیں[1] :

"ہمارے اصحاب حنفیہ کے مسائل کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ مسائل اصول جن کو ظاہر روایت کہتے ہیں اور وہ مسائل وہ ہیں جو اصحاب مذہب سے مروی ہیں۔ جو کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور محمد ہیں، اور ان میں زفر اور حسن بن زیاد اور ان کے سوا بھی جنھوں نے امام صاحب کی شاگردی کی شامل ہیں۔ لیکن ظاہر روایت میں اکثر پہلے والے تین صاحبوں کا قول ہوتا ہے، اور ظاہر روایت کا ماخذ محمد کی چھ کتابیں ہیں۔

دوسرا طبقہ مسائل نوادر، اور وہ مسائل وہ ہیں جو مذکورہ بالا اصحاب سے مروی ہیں۔ لیکن ان چھ کتابوں میں نہیں بلکہ امام محمد کی دوسری کتابوں وغیرہ میں ہیں۔ اور ان کو غیر ظاہر روایت اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ کتابیں امام محمد سے صحیح و ثابت و ظاہر روایتوں کے ساتھ مروی نہیں ہوئیں پہلی کتابوں کی طرح۔

تیسرا طبقہ واقعات۔ وہ مسائل وہ ہیں جن کو پچھلے مجتہدوں (فی المذہب) نے جبکہ ان سے وقتاً فوقتاً سوال کیا گیا اور انھوں نے (اصحاب مذہب سے) اُس میں کوئی روایت نہ پائی۔ استنباط کیا۔ یہ لوگ (استنباط کرنے والے امام ابو یوسف اور (امام) محمد کے شاگرد ہیں اور پھر (ان کے بعد) ان کے شاگردوں کے شاگرد، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا گیا۔ اور ایسے لوگ بکثرت ہوئے ہیں۔"

فقہ کی اکثر متداول کتابوں میں یہ تمام مسائل مختلط بلا کسی امتیاز کے مذکور ہیں۔ جیسا کہ شامی نے بھی خود[2] اُس کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین خیال کرسکتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے علاوہ کس کثرت سے دوسرے لوگوں کی رائیں ان فقہی کتابوں میں درج ہو گئیں لیکن ان میں کسی

---

[1] دیکھو صفحہ ۵۱۔

[2] لفظ یہ ہے ثم ذکر المتاخرون ھذہ المسائل مختلطۃ غیر متمیزۃ انتہی اور بعض نے ممتاز بھی بیان کئے ہیں

مسئلہ سے کوئی علیحدگی کرے عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ امام صاحب سے منکر ہو گئے[1] اور ان کے مذہب سے انکار کر دیا۔ حالانکہ امام صاحب کا ان مسائل سے جو تعلق ہے اُس کی حقیقت تم معلوم کر چکے۔

مسائلِ فقہ کی چند مزید اقسام:

تخریج کے لحاظ سے فقہ کے مسائل کی چند قسمیں اور بھی نکلتی ہیں کہ جن کے منازل باہم ایک بین تفاوت رکھتے ہیں۔ اصحابِ مذہب کے اقوال (جن پر تخریج کی بنا رکھی ہے) یا نص صریح سے ثابت ہوں گے یا اجتہاد و استنباط سے نکالے گئے ہوں گے۔ پھر تخریج یا قسم اوّل کے اقوال پر ہو گی[2] یا قسم ثانی کے۔ لہٰذا مسائل کی یہ چار قسمیں نکلیں[3]۔

تخریج کا مبنیٰ، ظن و تخمین!

تخریج کی بابت تم پہلے معلوم کر چکے ہو کہ وہ بھی ایک قسم کا اجتہاد (یعنی اجتہاد فی المذہب) ہے۔ فرق اسی قدر ہے کہ اجتہاد مطلق میں بلاواسطہ خود نصوص شرعیہ سے استنباط کیا جاتا ہے اور تخریج میں ان علماء کے اقوال سے جن کے ساتھ اپنے آپ کو ایک خاص عقیدت ہے اور جن کو خصوصیت کے ساتھ اپنا پیشوا قرار دیا ہے استنباط کیا جاتا ہے، تو جیسے مجتہد قرآن و حدیث کو پیشِ نظر رکھ کر مسائل کا استنباط کرتا ہے ایسی ہی مخرجین اپنے علماء کے اقوال پیشِ نظر رکھ کر استنباط کرتے ہیں۔ لہٰذا جیسا کہ اجتہاد محتمل خطا و صواب ہے اسی طرح تخریج بھی محتمل خطا و صواب ہے۔ کیونکہ جس طرح مجتہد غیر منصوص واقعہ میں اور نصوص پر غور کر کے اپنے اندازہ اور تخمین سے شارع کا منشا معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی رائے شارع

---

[1] اہل تخریج کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک قول کو اختیار کرنے والا معترض نہیں کہلاتا کیونکہ وہ تو انہیں میں سے ایک قول کو ترجیح دیتا ہے معترض جب ہے کہ اتفاقی صورت کو نہ مانے یا اختلافی صورت میں کل اقوال سے بے پرواہی کرے۔

[2] ہمارے آگے کے بیان سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ مسئلہ جو مجموعہ چند اقوال سے مخرج ہو جن میں بعض صریحی ہوں بعض استنباطی وہ استنباطی والی قسم میں شامل ہونے کا زیادہ مستحق ہے ۱۲۔

[3] جو مسئلہ تخریجی مسئلہ پر مخرج ہو گا اس کو قسم چہارم میں شامل سمجھنا چاہیئے گو ابتدائے تخریج نصی مسئلہ پر ہو۔

کے منشاء کی بابت اپنے گمان کے موافق قائم کرتا ہے اور اس رائے میں کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں اسی طرح مخرج غیر مصرح مسئلہ میں اپنے انداز و تخمین سے اس عالم کا منشا جس کے قول پر تخریج کر رہا ہے۔ اس کے اور اقوال کے قرائن سے معلوم کرنا چاہتا ہے اور اپنی سمجھ کے موافق اپنے گمان سے اس کا عندیہ قائم کرتا ہے۔ پس ضرور نہیں کہ وہ ہر جگہ اس کے اصلی عندیہ کو پہنچ جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قول کی ہم کچھ علت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے نزدیک اس کی وہ علت نہیں ہوتی یا وہی ہوتی ہے مگر اُس کے لیے اُس کے نزدیک کچھ شرائط یا موانع بھی ہوتے ہیں کہ جن تک ہمارا خیال نہیں پہنچتا۔ اور ہم بلالحاظ اُن شرائط و موانع کے اُس کی رائے ایک امر کی بابت قائم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب وہی امر اُس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس رائے کے ساتھ متفق نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جو روزمرہ ہم اپنے معاملات و گفتگوؤں میں دیکھتے ہیں۔ الحاصل اجتہاد و تخریج دونوں میں احتمال خطا و صواب دونوں کا ہے۔ جب یہ ضمنی بات تم معلوم کر چکے تو اصل مدعا کو سُنو۔ فقہ کے مسائل کی چار قسمیں جو ہم نے بتائیں اس میں سے قسم اوّل تو بالکل احتمال خطا سے محفوظ ہے۔ قسم دوم و قسم سوم میں ایک مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ قسم دوم میں تو اجتہادی ہونے کی وجہ سے اجتہاد کے وقت پیدا ہوا اور قسم سوم میں تخریجی ہونے کی وجہ سے تخریج کے وقت گو اصل قول میں جس پر تخریج کی گئی نصی ہونے کی وجہ سے احتمال خطا کا نہ تھا مگر تخریج کے وقت پیدا ہو گیا۔ قسم چہارم میں دو مرتبہ احتمال خطا کا ہے۔ اوّل احتمال اصل کے اجتہادی ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اور دوسرا احتمال تخریج کے وقت پیدا ہوا۔ خطا کا احتمال جو اصل میں پیدا ہوا تھا وہ فرع کی طرف متعدی ہو گا۔ اس لیے کہ اگر اصل صحیح نہیں تو فرع جس کا مدار اسی اصل پر ہے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ گو وہ تفریع و تخریج صحیح ہو اور اصل کو صحیح مانا جائے تو فرع کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ تفریع کے وقت احتمال خطا کا پیدا ہے۔ پس اصل میں جو احتمالِ خطا ہے وہ فرع کی طرف متعدی ہو گا اور اصل کا احتمال صواب فرع کے لیے تسکین بخش اور اطمینان وہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جو مسئلہ اجتہادی مسئلہ پر مخرج ہو گا۔ اس میں منجملہ چار صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور تین صورتیں خطا کی نکلیں گی۔ صواب کی ایک صورت یہ کہ نہ اصل مسئلہ میں اجتہاد کے وقت خطا ہوئی اور نہ مخرج

مسئلہ میں تفریع کے وقت، اور تین صورتیں خطا کی یہ ہیں، اصل میں خطا نہ ہوئی تھی مگر تفریع میں ہو گئی۔ اصل میں خطا ہو گئی گو تفریع میں نہ ہوئی تھی۔ اصل میں خطا ہوئی تھی۔ اور تفریع میں بھی ہوئی۔ اور پھر اس تخریجی مسئلہ پر اگر تخریج کی گئی تو خطاء کے احتمال اور ترقی پکڑیں گے۔ چنانچہ اس درجہ میں منجملہ آٹھ صورتوں کے ایک صورت صواب کی اور سات صورتیں خطا کی نکلیں گی، اور جس قدر سلسلہ تخریج آگے کو چلے گا احتمالات خطا زیادہ ہوتے جائیں گے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ فقہ کے وہ مسائل جن میں تخریج در تخریج سے کام لیا گیا ہے۔ وہ صواب کی بہ نسبت خطا کے بہت زائد محتمل ہیں، لیکن وہ اس پر بھی مقلدین کے نزدیک حدیثِ رسولؐ سے (جو کہ ان احتمالات سے پاک اور خطا سے معصوم ہے) مقدم ہیں اور ایسے ہی اقوال پر چلنے والا راہِ صواب اور طریقہ حق پر ہے اور ان کو چھوڑ کر حدیثِ رسولؐ پر چلنے والا کسی طرح راستی پر نہیں۔

مسائل فقہ اور حدیث کا موازنہ:

کاش اس موقع پر ہم وہ مضمون ذکر کرتے جو علامہ بہاء الدین[1] مرجانی حنفی نے ناظورۃ الحق میں حدیثِ رسولؐ چھوڑ کر فقہاء کے اقوال کو لازم پکڑنے کی شناعت میں بیان کیا ہے۔ مگر طول کا خوف اس کے ذکر کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم اس کے بعض ٹکڑے ذکر کیے دیتے ہیں۔ فرماتے[2] ہیں:

---

[1] ہارون بن بہاء الدین بن شہاب الدین (النافع الکبیر ص ۹۰-۲،۶)

[2] عبارت یہ ہے والحدیث فی اصلہ کلام الرسول المعصوم الذی لا ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی وانما یتطرق الیہ ظنۃ تلک الشبھات من الوضع والنکارۃ والضعف بعد صحۃ سندہ وثبوت نقلہ اما برفع اسنادہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنقل الثقۃ عن الثقۃ سالما عن الشذوذ والعلۃ وتفتیش رجالہ والبحث عن احوال رواتہ واما بوجدانہ فی الاصول المعتبرۃ والجامیع المعتمدۃ وقول الفقہاء یحتمل الخطأ فی اصلہ وغالبہ خال عن الاسناد ورفعہ بطریق مقبول معتمد علیہ وکل احتمال ذکر فی الحدیث قائم فیہ فانہ یحتمل ان یکون موضوعا قد افتری (باقی بر صفحہ آئندہ)

حدیث فی ذاتہٖ رسول کا کلام ہے جو کہ (خطا سے) معصوم تھے (اور) اپنی خواہش سے نہیں بولتے تھے جو فرماتے وہ وحی (الٰہی) ہوتی تھی۔ اور حدیث میں جو (بالائی) شبہات کا احتمال (مثلاً) موضوع ہونے یا منکر ہونے یا ضعیف ہونے کا پیش آتا ہے۔ اُس کو اُس کی سند کا صحیح ہونا اور اس کا نقل (کی رو) سے ثابت ہونا رفع کر دیتا ہے۔ خواہ (یہ بات) اس حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک بنقل ایک ثقہ کے دوسرے ثقہ سے، شذوذ و علت سے پاک رہ کر پہنچ جانے اور اس کے راویوں کی تحقیق اور اُن کے حالات سے بحث کرنے سے (حاصل) ہو اور خواہ معتبر کتابوں اور معتمد مجموعوں میں اس حدیث کے ملنے سے ہو (جیسے صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ ہیں جن کی احادیث کو ان کے مصنفوں کے علاوہ اور تمام محدثین بھی پرکھ کر صحیح مان چکے ہیں۔ الحاصل حدیث میں باعتبار اس کی ذات و اصل کے تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں اور عارضی شُبہے یوں دُور ہو گئے)۔ اور فقہاء کا قول اپنی اصل (ذات) میں خفا کا محتمل ہے اور (پھر) اسناد کی رُو سے دیکھو تو) اکثر اقوال اسناد سے اور صاحب مذہب تک معتبر و مقبول سند کے ساتھ پہنچنے سے خالی ہیں۔ (کیونکہ جیسا کہ حدیث کے لیے اسناد وغیرہ کا بندوبست کیا گیا ان کے لیے نہیں کیا گیا) اور (پھر) جس قدر احتمال (سند کی رو سے) حدیث میں ذکر کیے وہ کل قول فقہاء میں (بھی) قائم ہیں۔ احتمال ہے کہ وہ موضوع ہو صاحبِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علیہ غیرہ الا تری دیکون منکرا لاتہامنا قلہ وضعیفا لاضطراب راویہ وامثال ذلک کثیرۃ عند تنزل الزمان وشیوع الکذب الھذیان ولو صح وثبت یحتمل ان یکون منسوخا قد رجع عنہ وافتی بخلافہ فان کلا من ابی حنیفۃ واصحابہ ومالک والشافعی واحمد وغیرھم قد رجعوا من اقوال الی اقوال بما ترجحت عندھم من شواھد دلائل ویحتمل ان یکون مؤولا ویکون مخصصا او مقیدا انتہی ملخصا ۱ھ الا ما شاء اللہ۔

مذہب کی طرف کسی نے غلط نسبت کر دیا ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے (اس کی چند مثالیں لکھیں کہ جن میں اصحاب مذہب کی طرف غلط نسبت کر دی گئی ہے) اور احتمال ہے کہ منکر ہو۔ اس کے راوی کے متہم ہونے کی وجہ سے یا ضعیف ہو اس کے ناقل کے اضطراب کی وجہ سے (اس کی بھی مثال میں چند روایات لکھ کر لکھتے ہیں)۔ مثالیں اس کی اور بہت ہیں۔ خصوصاً زمانہ کے تنزل اور جھوٹ وبیہودہ پھیل جانے کے وقت میں (پھر لکھتے ہیں) اگر (روایۃً) صحیح وثابت بھی ہو جائے تو (پھر اور احتمال باقی رہتے ہیں (چنانچہ) احتمال ہے کہ منسوخ ہو (یعنی یہ) کہ اس سے اس مجتہد نے رجوع کر کے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو۔ کیونکہ (امام) ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور مالک وشافعی واحمد میں سے ہر ایک نے اپنے (کتنے) قولوں سے رجوع کر کے دوسرے قول اختیار کیے ہیں۔ جو ان کو (بعد کو) دلائل سے راجح ثابت ہوئے اور احتمال ہے کہ اپنے ظاہر معنے کے سوا کوئی اور معنے رکھتا ہو۔ اس کی بھی مثال لکھ کر لکھتے ہیں: اور احتمال ہے کہ اس میں کوئی تخصیص ہو یا اس کے ساتھ کوئی قید (اور بھی) ہو۔"

خلاصہ یہ کہ جس قدر شبہے کوئی حدیثِ رسول ؐ کی نسبت پیدا کر سکتا ہے وہ سارے کے سارے قول فقیہ میں موجود ہیں۔ اور قول فقیہ کا اپنی ذات میں محتمل خطا ہونا ان سب پر مزید ہے۔

حدیث ترک کرنے کی کوئی وجہ نہیں:

پس کوئی وجہ نہیں کہ صحیح حدیثِ رسول ؐ کے سامنے قول مجتہد وفقیہ کو تو لیا جائے اور حدیثِ رسول ؐ کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ مجتہد وامام جن کے اقوال کی یا اُن کے اقوال پر مخرج اقوال کی پابندی کی جاتی ہو۔ انھوں نے بوجوہ چند در چند حدیث کا (جس پر اکثر مسائل کا مدار ہے حصہ کم پایا ہو) گو اس سے ان پر کوئی الزام نہیں۔ وہ اپنی نیک نیتی اور مجبوریوں کی وجہ سے ہر طرح پر معذور وماجور ہیں۔ مگر کچھ شک نہیں

کہ اس سے اُن کے اس مسئلہ کی بابت جو خلافِ حدیث ثابت ہو یہ ظن نہایت قوی ہو جاتا ہے کہ ان کو اس کی بابت حدیث نہ پہنچی تھی اور خود انھوں نے فرما بھی دیا کہ ہمارے قول کو حدیث کے سامنے چھوڑ دینا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چلے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امام ابو حنیفہ صاحب کو حدیث کے ساتھ وہ نسبت نہ تھی جیسا کہ اوپر محققین کے اقوال سے محقق ہو چکا بلکہ ان کا پایہ حدیث میں اس سے عالی تھا اور وہ دیگر محدثین کی طرح مثل امام مالک بلکہ امام شافعی کے منزلت رکھتے تھے، جانے دو بلکہ امام احمد صاحب کی طرح کثیر الحدیث تھے تو ان صاحبوں کے بھی تو جملہ مسائل مخالفت حدیث سے نہیں بچ سکے اور زمانہ مابعد کی فراہمی احادیث اور تحقیقات بالغہ نے ان کے بھی بہت سے مسائل ایسے نکالے جو حدیث کے خلاف[1] ہیں۔ پس امام صاحب کے جملہ مسائل کیسے بچ سکتے ہیں۔ ہم خود ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو بڑے زور سے امام صاحب کے مذہب کی تائید کرتے ہیں اور کبھی جوش میں آکر یہ بھی کہہ[2] دیتے ہیں کہ اُن کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں آخر کار وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُن کو تمام احادیث[3] نہ پہنچیں تھیں اور بعض انھیں وجوہ[4] کو جو ہم نے اُن کی قلت حدیث کی لکھیں، پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس وجہ سے اُن کو احادیث نہ پہنچ سکیں لہٰذا اُن کو کثرت سے قیاس کرنا پڑا۔ اور ضرور ایسے مسائل[5]

---

[1] چنانچہ علامہ ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی جس میں ائمہ اربعہ کے مسائل جو مخالف حدیث میں ہیں جمع کئے جیسا کہ علامہ فلانی نے ذکر کیا۔ (ایقاظ الھمم)

[2] الفتح المبین میں لکھتے ہیں آج تک کوئی ایسی حدیث پائی نہیں گئی کہ کوئی مسئلہ حنفیہ کا مخالف اس کے نکلے۔

[3] چنانچہ الفتح المبین کا قول امام صاحب کے جملہ احادیث نہ پانے کی بابت گزر چکا۔

[4] چنانچہ امام شعرانی اور نعمانی کے اقوال پہلے گذر چکے۔

[5] نعمانی صاحب لکھتے ہیں "لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم امام ابو حنیفہ کی نسبت عام یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں امام ابو حنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اس لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعوی کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے شاگردوں نے بہت سے مسائل ہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ایسے بھی ہیں جن میں اِن سے خطا اجتہادی ہوئی اور کم سے کم اس سے انکار کی تو ذرا بھی گنجائش نہیں کہ امام صاحب جملہ احادیث رسولؐ کو محیط نہ تھے ورنہ اس کا کوئی منصف سے متعصب دعویٰ کر سکتا ہے۔ پس تب بھی جو مسئلہ ان کا حدیث کے خلاف ثابت ہو احتمال ضرور ہے کہ اس کی بابت اُن کو حدیث نہ ملی ہو اور اُن کے خلاف میں حدیث کا موجود ہونا یقینی امر ہے۔ تاہم یہ لائق نہیں کہ اس یقینی حدیث کو چھوڑ کر ان کے قول کا التزام کر لیا جائے۔

امام صاحب سے خلاف حدیث ہو جانے کے چند دیگر وجوہ:

اس سب کے علاوہ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ اُن کو وہ حدیث پہنچی تھی۔ تو ممکن ہے کہ کسی ضعیف سند[1] سے پہنچی ہو۔

یا کوئی[2] اور علت قادحہ اُس میں اُن کو پیش آئی جس سے انھوں نے اس کو نہیں لیا۔ اب جب ہم اس میں کوئی موجب ترک کا نہیں پاتے تو پھر کس طرح اس کو ترک کر سکتے ہیں۔

یا یہ[3] کہ اسی سند سے ان کو بھی ملی تھی جس سند سے ہم کو ملی لیکن اس کے راویوں کو وہ ضعیف سمجھتے تھے۔ اور[2] ہم کو دوسری شہادتوں سے ثابت ہوا کہ وہ ضعیف نہیں۔

یا جس[4] کو وہ علت قادحہ خیال کرتے تھے۔ تحقیقات کے بعد ثابت ہوا کہ وہ قادح[3] نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضا قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی اور ایسے اور بھی مسائل ہیں انتہیٰ (صفحہ ۲۸۰)۔

[1] امام شافعی صاحب سے متعدد مسائل میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اس مسئلہ میں میرا قول یہ ہے لیکن اس بارے میں ایک حدیث ہے جس کا مدلول ان کے قول کے منافی تھا اور وہ ان کو بسند ضعیف پہنچی تھی تو فرما دیا کہ) اگر وہ صحیح ثابت ہو جائے تو پھر وہی میرا مذہب ہے۔ چنانچہ کتنی حدیثیں اسی قسم کی بعد کو صحیح ثابت ہوئیں منجملہ ان کے ایک مسئلہ اونٹ کے گوشت سے وضو ٹوٹنے کا ہے جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا۔

[2] اس واسطے کہ بعض رجال کی بابت اختلاف بھی ہے۔

[3] اس کی تفصیل فن اصول میں ہے اور کچھ تذکرہ شاہ صاحب کے کلام میں بھی آتا ہے۔

یا[۷] انھوں نے کسی حدیث کو تمام ان مذاہب کے جوان کے علم میں تھے مخالف پانے کی وجہ سے خلاف اجماع سمجھ کر قبول نہ کیا۔

یا[۸] قرآن کی کسی آیت کے خلاف خیال کر کے رد کر دیا۔ حالانکہ دوسروں کو وجہ تطبیق کی ظاہر ہوئی اور ثابت ہوا کہ وہ حدیث آیت قرآنی کے خلاف نہیں۔

یا[۹] یہ کچھ نہ تھا لیکن امام کو مسئلہ فرماتے وقت اس حدیث سے ذہول ہو گیا۔ اور بالکل اس کا خیال نہ رہا اور اپنے اجتہاد سے مسئلہ اُس کے خلاف بنا دیا، اور ایسا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بہت اکابر کو اس[۱] طرح پیش آیا ہے۔ حدیث تو درکنار آیات قرآنی سے ذہول ہو گیا۔ لبسا اوقات انسان کے علم میں ایک بات ہوتی ہے لیکن اس طرف خیال بھی نہیں جاتا۔ ایک مدت کے بعد خود ہی یا کسی کے ٹوکنے سے اس کا خیال ہوتا ہے۔

پس باوجود ان تمام احتمالات کے ایک امام کی ذاتی رائے کو پکڑے رہنا اور حدیث رسولؐ کو اس گمان پر کہ اگر قابل عمل ہوتی تو وہ ضرور اُس کو اختیار کرتے رد کر دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے سوا امام صاحبؒ کے زمانہ تک اصول وضوابط مرتب نہ ہوئے تھے اس واسطے نصوص پر عمل اور ان کے ترک کا مدار بیشتر ان کے ذاتی سلیقوں اور دلی شہادتوں پر تھا۔ لہذا بعض احادیث کا اخذ و ترک اس طرز پر وقوع میں آیا تھا جو زمانہ مابعد کی تحقیقات نے اس کے خلاف ثابت کیا۔ اسی طرح بعض اُن کے معمولات بابت احادیث کے قبول ورد کی بابت جو کہ بطور قواعد کے اُن میں جاری تھے۔ اس میں کے بھی بعض پچھلے

---

[۱] یہ ایک ایسی معمولی بات ہے کہ جس کو تجربہ ہے وہ کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ تاہم دیکھو حضرت عمرؓ سے آیت واتیتم احدٰھن قنطاراً سے ذہول ہو گیا کہ زیادت مہر سے ممانعت فرماتے تھے جب ایک عورت نے ان کو یہ آیت یاد دلائی تب منع کرنے سے توقف فرمایا اور اس کو تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کو آیت افان مات او قتل اور آیت انک میت الاٰیۃ سے ذہول ہو گیا تھا اور حضرت کو میت کہنے پر لڑنے کو تیار تھے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت یاد دلائی تب باز رہے۔ اور جنب کے تیمم والی حدیث کو تو وہ بالکل ہی بھول گئے تھے یہاں تک کہ عمارؓ نے ان کو یاد بھی دلایا۔ اور اپنے اور ان کے موجود ہونے کا قصہ بھی ذکر کیا تب بھی اُن کو یاد نہ آیا۔

اماموں کے تجربوں نے نامعتمد ثابت کیے جن کی بنا پر اس وقت جو احادیث مقبول یا غیر مقبول ٹھہرائی گئیں تھیں وہ بعد کو اس طرح قائم نہ رہ سکیں۔

امام شافعی کا تجدیدی کارنامہ:

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کو نقل کرتے ہیں جو انھوں نے امام شافعی کے مذہب کی بنیاد اور اُن کے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی مخالفت کرنے کی وجہ میں لکھا ہے اس سے تم کو ہماری ان باتوں کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے[1] ہیں:

"(امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ) دونوں (کے) مذہبوں کے ظہور اور اُن کے اصول وفروع کی ترتیب کے اوائل میں امام شافعی پیدا ہوئے تو اُنھوں نے پہلوں کے (طرز) عمل کو دیکھا تو ان میں ایسے امور پائے جن پر چلنے میں اُن کو توقف ہُوا۔ چنانچہ انھوں نے ان کو اپنی کتاب الاُمّ کے اوّل میں ذکر کیا ہے۔"

مرسل سے استدلال اور اس میں خلل:

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ (امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ) مرسل (منقطع حدیث) سے حجت پکڑتے ہیں اور (حالانکہ) اُن دنوں میں خلل ہے۔ کیونکہ طرق حدیث جمع کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سی مرسل میں کہ جن کی کوئی اصل نہیں (ملتی) اور کتنی مرسل ہیں کہ وہ مسند (حدیث) کے مخالف ہیں تو امام شافعی نے قرار دیا کہ مرسل کو بلا ان شروط کے جو کہ کتب اصول میں مذکور ہیں قبول نہ کریں گے۔ اور منجملہ ان کے ایک یہ کہ مختلف نصوص میں جمع کرنے کے قاعدے ان لوگوں کے پاس ضبط نہ تھے اس وجہ سے اُن کے مسائل اجتہادیہ میں خلل پہنچتا تھا۔ پس امام شافعی نے اس کے قاعدے بنائے اور ایک کتاب میں اُن کو جمع کیا اور یہ اُصول فقہ کی سب سے پہلی تدوین ہے۔

امام شافعی اور تدوین اصول فقہ:

اس کی مثال جو ہم کو پہنچی ہے یہ ہے کہ امامؒ[2] شافعی (ایک مرتبہ) امام محمد بن الحسن

---

[1] دیکھو حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲ عبارت طول کی وجہ سے نقل نہیں کی

[2] نعمانی صاحب نے فرط حمیت کی وجہ سے بلا کسی سند کے اس قصہ سے انکار کر دیا حالانکہ وہ اسناد (باقی بر صفحہ آئندہ)

(امام صاحب کے مشہور شاگرد) کے پاس آئے اور وہ مدینہ والوں پر (مسئلہ) قضا بالشاہد الواحد بالیمین کی بابت طعن کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ کتاب اللہ پر زیادت ہے تو شافعی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ خبرِ واحد سے زیادت کتاب اللہ پر نہیں جائز۔ انہوں نے کہا ہاں۔ شافعی صاحب بولے تو پھر آپ حدیث لا وصیۃ لوارث کی وجہ سے (جو خبر واحد ہے) وارث کے لیے عدم جواز وصیت کے کیوں قائل ہوئے۔ حالانکہ (قرآن میں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ الآیہ (جس میں عموماً وصیت کا حکم ہے)۔ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ پر اسی قسم کے اور کتنے اعتراض کیے۔ آخر محمد بن الحسنؒ بند ہو گئے" (اس سے ثابت ہوا کہ جمع نصوص کے ٹھیک قاعدے اُن کے پاس مقرر نہ تھے جن کی وہ ہر جگہ پابندی کرتے ہوں)۔

منجملہ ان کے ایک یہ کہ علماء تابعین میں سے جن پر فتویٰ کا اعتماد تھا اُن کو بعض احادیث صحیحہ نہ پہنچیں تھیں۔ پس انھوں نے (ان کے متعلق مسائل میں) اپنی رائے سے اجتہاد کیا تھا اور عمومات کے تابع ہو گئے تھے اور صحابہ میں سے جو پہلے ہو چکے تھے ان (کے اقوال) کی اقتداء کر لی تھی۔ اور اسی کے موافق فتوے دیے تھے۔ پھر وہ احادیث صحیحہ اس کے بعد طبقہ ثالثہ میں ظاہر ہوئیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا بعض احادیث کو خلاف اجماع سمجھ کر ان پر عمل نہ کرنا:

مگر (اس طبقہ کے) لوگوں نے جن میں کہ امام ابوحنیفہ و مالک ہیں عمل نہ کیا، اس خیال سے کہ وہ احادیث ان کے تمام ملک کے عمل و طریقہ کے جن کی بابت ان میں کچھ بھی اختلاف نہیں' خلاف ہیں (گویا اجماع کے مخالف ہیں۔ پس مزور اُن میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ قابلِ عمل نہیں) اور یہ بات (یعنی خلاف سب کے عمل کے ہونا) حدیث (کے ثبوت) میں قادح ہے۔ اور اس کے سقوط کا باعث یا وہ احادیث طبقہ ثالثہ میں (بھی) ظاہر نہ ہوئیں اور بعد میں جا کر ظاہر ہوئیں۔ جبکہ اہلحدیث نے طرق حدیث کے جمع کرنے میں کوششیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کے ساتھ مروی ہے جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے توالی التاسیس میں لکھا اور مستند لوگوں نے اسے تسلیم کیا نعمانی کے اس انکار کا رد حسن البیان میں بھی کیا گیا ہے۔

کیں اور زمین کے کناروں تک (طلب حدیث میں) سفر کیے اور علم والوں کی تلاش و تفتیش کی۔ تو بہت سی احادیث ایسی ملیں جن کو صحابہ میں سے صرف ایک دو شخص روایت کرتے تھے اور پھر اُن سے بھی ایک ہی یا دو شخص روایت کرتے تھے اور اسی طرح پر (کچی رواۃ کے ساتھ) سلسلہ چلا گیا تو (ایسی احادیث) فقہ والوں پر پوشیدہ رہیں اور حفاظ (حدیث) کے زمانہ میں جنھوں نے طرق حدیث کو جمع کیا، کثرت سے ظاہر ہوئیں۔ جو کہ مثلاً اُن کو صرف بصرہ والے روایت کرتے تھے اور تمام ملکوں کے لوگ ان سے بے خبر تھے۔

عدمِ استدلال موجب قدح نہیں :

تو شافعی صاحب نے بیان کیا کہ علماء صحابہ و تابعین کا ہمیشہ دستور رہا کہ وہ مسئلہ کے لیے حدیث تلاش کرتے تھے۔ جب نہیں ملتی تھی تو کسی دوسرے طریقہ سے استدلال کرتے تھے۔ پھر جب اُن کو حدیث ظاہر ہو جاتی تھی تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ اور جب یہ بات ہے تو اُن کا کسی حدیث سے نہ تمسک کرنا اس حدیث میں قدح (کی دلیل) نہیں (بلکہ یہ تمسک نہ کرنا حدیث نہ ملنے کی وجہ سے تھا)۔ ہاں اگر (صاف طور پر) علت قادحہ کو بیان کر دیں (تو بے شک ثابت ہو گا کہ اُن کے نزدیک وہ حدیث مقدوح ہے۔ لہٰذا ویسے طبقہ ثانیہ یا ثالثہ کا ان احادیث پر باوجود ملنے کے عمل نہ کرنا صحیح نہیں)۔

اس کی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور بہت سی سندوں سے مروی ہے جن میں کی اکثر ابو الولید بن کثیر کی طرف جو محمد بن جعفر سے اور وہ عبداللہؓ سے (جو کہ حضرت عمرؓ کے بیٹے ہیں) یا محمد بن عباد بن جعفر کی طرف جو عبیداللہ بن عبداللہ (بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں رجوع کرتی ہیں اور وہ (عبداللہ و عبیداللہ) دونوں حضرت ابن عمرؓ سے اس کو روایت کرتے ہیں اور پھر بعد کو اس کے بہت سے سلسلے پھیل گئے اور وہ دونوں اگرچہ ثقات میں سے ہیں۔ لیکن ان لوگوں میں سے نہ تھے جن پر فتوے کا تکیہ تھا اور لوگ عموماً اُن کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس وجہ سے یہ حدیث نہ سعید بن المسیب کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور نہ زہری کے زمانہ میں اور مالکیہ اور حنفیہ اہل فتویٰ کے عمل کے خلاف دیکھ کر اس پر نہ چلے اور اس کے موافق عمل نہ کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا (اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا)۔

اسی طرح حدیث خیار مجلس کی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح حدیث ہے (اور) بہت طرق سے مروی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کا اس پر عمل بھی ہے لیکن وہ فقہاء سبعہ اور ان کے معاصرین پر ظاہر نہ ہوئی۔ لہٰذا وہ اس کے قائل نہ تھے تو (امام) مالکؒ اور (امام) ابو حنیفہؒ نے اس بات کو اس حدیث کے لیے علت قادحہ (یعنی اس کا موجب ضعف) خیال کیا اور امام شافعی نے اس پر عمل کر لیا۔

اور منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ (امام) شافعی کے وقت میں اقوال صحابہ جمع کیے گئے تو وہ بکثرت فراہم ہوئے اور (انھوں نے دیکھا) تو وہ آپس میں مختلف اور متفرق تھے اور بہتوں کو حدیث صحیح کے مخالف پایا۔ کیونکہ ان صحابہ کو وہ حدیث نہ پہنچی تھی اور سلف کو دیکھا کہ وہ برابر ایسے موقعوں میں حدیث ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اقوال صحابہ سے حجت پکڑنے کو، جب تک کہ وہ متفق نہ ہوں، چھوڑ دیا۔ اور کہنے لگے ھم رجال و نحن رجال۔

استحسان کا حال:

اور منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ اُنھوں نے ایک گروہ فقہاء کو دیکھا کہ وہ اس رائے کو جس کی شرع نے اجازت نہیں دی، قیاس (شرعی) کے ساتھ، جس کو شرع نے ثابت کیا ہے، غلط (کر کے) اُس سے حجت پکڑتے اور اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے تمیز نہیں کرتے۔ اور کبھی اس رائے کا نام استحسان رکھ لیتے ہیں اور رائے سے میرا مطلب یہ ہے کہ حرج یا مصلحت کے خیال کو کسی حکم کی علت (قرار دے کر اس پر حکم کا مدار) ٹھہرانا (یعنی حرج یا مصلحت کے خیال کی بناء پر اپنی طرف سے جدید حکم دینا) اور قیاس (شرعی) یہ ہے کہ حکم منصوص سے علت نکال کر اس پر حکم کا مدار رکھا جائے (اور غیر منصوص میں اس کو جاری کیا جائے) تو امام شافعی نے اس قسم کی رائے کا پورے طور پر ابطال کیا، اور کہا جو استحسان کا طریقہ برتتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے انتہیٰ۔

شاہ صاحب کے اس بیان سے ثابت ہوا کہ حدیث نہ پہنچنے ہی پر موقوف نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو بعض اسباب ایسے پیش آئے کہ جن کی وجہ سے انھوں نے باوجود

حدیث پہنچنے کے بھی اس پر عمل نہ کیا اور ان کے اجتہاد و رائے نے ان کو یہی ثابت کیا (نہ یہ کہ عمداً انھوں نے حدیث رسول کو حدیث سمجھ کر چھوڑ دیا)۔ لیکن مابعد کی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ ان احادیث پر عمل نہ کیے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

واضح مفہوم تک پہنچنے کے لیے استحضار کی ضرورت :

یہ تو نفسِ حدیث کے ردّ و قبول کے لحاظ سے تھا۔ ابھی ایک بحث معنی کی باقی ہے۔ بعض نصوص کے صحیح معنی تک پہنچنا اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسری نصوص سے ملا کر اس کو دیکھا جائے۔ لہٰذا جب تک دیگر نصوص کو جن میں اس کی تفسیر ہے نہ دیکھا جائے صحیح مراد نہیں معلوم ہوتی۔ اور ایک ہی حدیث جو مختلف طریقوں سے مروی ہوتی ہے جب اس کے تمام طریقوں کو جمع کر کے اس کے تمام مختلف الفاظ کو ملایا جائے تو اس کا مفہوم پورے طور پر قائم ہوتا ہے۔ ورنہ بلا اس کے بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے اور صحیح مفہوم نہیں قائم ہوتا۔ زمانۂ مابعد والوں کو احادیث کے فراہم ہونے اور طرق احادیث کے جمع ہونے کی وجہ سے یہ بات بخوبی حاصل ہوئی اور ان کو تعداد حدیث کے علاوہ معنے حدیث کی واقفیت کا بھی زیادہ حصہ ملا۔ جیسا کہ شاہ صاحب کے کلام میں پہلے تم پڑھ چکے ہو۔ پس پہلے ائمہ کو باوجود حدیث پہنچنے کے اس کے صحیح مطلب تک نہ پہنچنے اور صحیح مراد پر عمل نہ ہونے میں ایک معذوری یہ بھی تھی۔ اور یہ اس سے علاوہ ہے جو معمولاً ایک بشر سے کسی نص کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ الحاصل ائمہ متقدمین میں سے کسی امام کا کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے کوئی وجہ نہیں کہ اس پر تعجب کیا جائے۔ بلکہ اور اس تعجب کرنے پر تعجب ہونا چاہیے۔ پس بڑا افسوس ہے کہ حدیث رسول کو جس کا وجود یقینی ہے آدمی چھوڑ دے اور محض احتمال پر ایک ایسے قول کو جس کا حدیث رسول کے مخالف ہونا صاف دیکھ رہا ہے پکڑے رہے۔

حدیث پر عمل سے گریز کے حیلے!

لیکن اس سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ کچھ عرصہ سے بعض لوگ اپنے مذہب کی حمایت کے لیے جبکہ ان سے اور کچھ نہیں بنتی تو یہی کرنا چاہتے ہیں کہ سرے سے حدیث ہی کو بیکار ٹھہرا دیں یا فن حدیث کو ایک بے اعتبار فن ثابت کریں۔ چنانچہ وہ حدیث کی فہم اور اس پر

عمل کی مزاحمت[1] میں اشکالات کا ایک طومار تیار کر کے لا کھڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث کی فہم اور اُس سے استدلال وغیرہ تو ائمہ اربعہ ہی کا حصہ تھا۔ اور حدیث، گو کیسے ہی صحیح ثابت ہو جائے، مگر اس میں بیسیوں رخنے نکلتے ہیں۔ لہٰذا اُس پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے۔ غرضکہ فن حدیث اب ایک بیکار شے ہے۔ کوئی حدیث کو بے اعتبار کرنے کے لیے اس میں بکثرت اختلاف[2] ہونا پیش کرتا ہے۔ کوئی سب میں زیادہ[3] جو احادیث کی مقبول و مسلم کتابیں صحیحین ہیں اُس کے راویوں کو مجروح[4] دکھانے کے لیے فہرست بنا کر شائع کرتا ہے۔ کوئی صحاح ستہ و صحیح بخاری کے ان راویوں کو جو امام صاحب سے زمانہ بعد میں ہوئے ہیں صاف صاف کاذب[5] و متعصب، اور حقانیت[6]

---

[1] دیکھو تقریظ مولوی محمد حسن سنبھلی بر الفتح المبین وغیرہ۔

[2] الفتح المبین میں لکھتے ہیں "پھر اخذ حدیث میں اس قدر اختلاف ہے کہ ایک شخص اس کو منسوخ جانتا ہے اور دوسرا معمول بہ سمجھتا ہے۔ ایک کے نزدیک بنا اس کی ایک امر پر ہے اور دوسرے کے نزدیک اور امر پر مبنی ہے اگر اس قسم کا اختلاف نہ ہوتا تو ہم ائمہ کی طرف ہرگز رجوع نہ کرتے ہم کو اختلاف رواۃ نے تقلید پر مجبور کر دیا ہے" انتہیٰ (صفحہ ۱۱-۱۲) فتح مبین کا جواب الکلام المبین میں دیکھو۔ اور مولوی رشید احمد صاحب سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں "احادیث میں اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔"

[3] چنانچہ ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ مقلدین نے شائع کی ہے۔

[4] حالانکہ عند التحقیق صحیحین کا کوئی راوی مجروح نہیں یا اس سے روایت متابعتہ ہے نہ استقلالاً اور اگر مجرد کسی کا جرح کرنا کافی ہے تو خود امام صاحب میں جو جرح کی گئی ہے؟۔

[5] دیکھو تقریظ فتح مبین منجانب بعض مدرسین ھوگلی اُن کے نامبارک الفاظ یہ ہیں فلا علک ان نیھار ای الصحاح) اقوال المعانہ بن المتعصبین والمنافقین قد دخلت اور لکھتے ہیں الرواۃ للبخاری قد کانو متعصبین و منکرین علی الامام الھمام ابی حنیفۃ والصلاۃ من الرواۃ النازلین من الامام بالتعصب بتداول الزمان قد نقلت فان الایۃ السابقون السابقون والاحادیث خیر القرون فی فقہ انہا سبقت بل علی کذب الرواۃ النازلین نہ شہدت فاین الاعتماد علی جمیع روایات الصحاح اور لکھتے ہیں من رواۃ الصحاح النازلین عنہ فی المرتبۃ للبعیدۃ التی قد شہدت بکذبہ الاحادیث المذکورۃ انتہیٰ۔

سچائی سے دُور رکھتا ہے اور صحاح ستہ میں اقوال معاندین و منافقین کے داخل بتاتا ہے تاکہ ان کا اعتبار اٹھا دے۔ کوئی فن رجال اور سلسلہ مروجہ اسناد و تحدیث کی جس پر حدیث کا مدار ہے، عیب چینی میں مبالغہ کر کے اُس کو ناقابلِ اطمینان ثابت کرتا ہے۔[1]

انکارِ حدیث کا چور دروازہ :

لیکن انھوں نے ایسا کر کے اہل حدیث کا ردّ نہیں کیا۔ بلکہ خود اسلام پر حملہ کیا اور اسلام کے ایک رکن رکین کی جڑ کھودنا چاہی اور اعداء اسلام کو موقع دیا کہ ان کے افتراؤں کے موافق، جو کہ اصل میں خود ہی بے اصل ہیں یا غلط فہمی پر مبنی ہیں، اسلام پر مواخذہ کریں اور اس کے ارکین کی بے ثباتی مسلمانوں کے تسلیم کردہ بیانوں کی رُو سے بیان کیا کریں۔ افسوس کہ اُن کے اپنے مذہب پر تعصب اور اُس کی حمایت نے کس حد تک اس کی نوبت پہنچا دی۔ لیکن انھیں کے مقتدا پہلے علماء حنفیہ[2] ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ انھیں کتابوں کو اور اُن کے مؤلفین کی روایات کو مدار کار سمجھتے تھے اور حق و باطل کی تمیز کا ذریعہ انھیں کو قرار دیتے تھے اور اُن کا معتبر و صحیح ہونا تسلیم کرتے تھے اور ہے بھی نفس الامر میں یہی بات۔ چنانچہ اہلِ تحقیق کو کسی زمانہ میں شک نہیں ہوا اور نہ اب ہے۔ اگر حدیث ہی (جس پر احکام اور شرع کے بڑے حصے کا مدار ہے) غیر قابلِ عمل اور نامفہوم المراد ہو جائے یا وہ عموماً بلا کسی تفصیل کے بے اعتبار یا فن رجال ناقابلِ اعتماد ٹھہر جائے تو پھر صحیح و غیر صحیح بات، اور راجح و مرجوح مذہب کے دریافت کا کیا ذریعہ رہے گا اور تمام متقدمین اور متاخرین برابر اس سے اپنے مطالب پر استدلال کیوں کرتے رہے۔ اور پھر جو شکوک اس میں پیدا کیے جاتے ہیں اتنے ہی یا اس سے زائد روایات فقہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ لیکن ان مقلدین کو اقوالِ فقہاء قبول ہیں وہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول کرنا نہیں چاہتے۔

---

[1] چنانچہ نعمانی صاحب نے سیر النعمان میں اخبار احاد کے ظنی ہونے کا ذکر چھیڑ کر اور اپنی طرف سے محدثین کو اس کا مخالف قرار دے کر اس بیان میں اس قدر طول دیا اور مبالغہ کیا کہ جس کا ظاہر نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حدیث کوئی قابل اعتماد فن نہیں لیکن اس کا مفصل جواب حسن البیان میں دے دیا گیا ہے۔

[2] چنانچہ طحطاوی کا قول پہلے گزر چکا (دیکھو حاشیہ ۳۹)

ایک زبردست مغالطہ:

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نئی روش یہ اختیار کی ہے کہ وہ کسی مسئلہ کی حدیث کے ساتھ موافقت یا مخالفت کی بحث میں بات بنانے کے لیے کہنے لگتے ہیں[1] کہ ہر امام کا ماخذ حدیث و قرآن ہے۔ اگر ایک امام مجتہد نے ایک حدیث سے اخذ کیا ہے تو دوسرے امام و مجتہد کا ماخذ دوسری حدیث ہے۔ غرض کوئی امام مخالف حدیث و قرآن کے نہیں کہتا۔ حالانکہ ... ہونے میں بحث نہیں ہے۔ ہر عالم نے اپنے ارادے سے تو قرآن و حدیث ہی کا قصد کیا مگر کوئی شبہ نہیں کہ سب کے سب ہر بات میں فی نفس الامر قرآن و حدیث کو نہیں پہنچے بلکہ کسی نہ کسی سے ضرور خطاء اجتہادی ہوئی۔ اور نہ ہر ایک کے قول کو واقع کے اعتبار سے مطابق قرآن و حدیث کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ اگر ہر ایک مطابق قرآن و حدیث کہا جائے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ قرآن و حدیث میں بکثرت اختلاف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اِس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اِس قسم کے مواقع میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کسی مجنون کی بڑ یا دیوانے کا کلام ہے کہ اُس نے ذرا دیر میں کچھ کہا اور ذرا دیر میں کچھ اور اس میں ہر قسم کے متضاد اقوال موجود ہیں۔ اور تمام مختلف الاقوال اِس کے مطابق و موافق ہیں۔ چنانچہ وہ اقوال مختلفہ کو حدیث[2] کے مطابق کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں[3] "لاریب جو مسئلہ خلاف

---

[1] دیکھو الفتح المبین صفحہ ۱۱ اور ۱۳ میں لکھتے ہیں "حنفیہ اس کے مدعی ہیں کہ کوئی بات فقہ کی قرآن و حدیث کے برخلاف نہیں اور ماخذ فقہ کا قرآن و حدیث ہے علی ہذا القیاس فقہ شافعی اور مالکی اور حنبلی بھی ہرگز مخالف قرآن و حدیث کے نہیں" انتہی فتح مبین کے ان اقوال کا اور نیز طعن کی بابت جو لکھا سب کا جواب الکلام المبین میں اچھی طرح دیا گیا ہے۔

[2] جیسا کہ الفتح مبین کے قول میں تم پڑھ چکے ہو۔ حالانکہ ترجیح و تحقیق کے موقع میں اس قسم کی باتیں کرنا محض ملمع سازی ہے چونکہ اپنے ان مسائل سے جن کی بابت بحث ہے مخالفت حدیث کا دھبہ تو کسی طرح دور کر نہیں سکتے۔ تو ضعیف ضعیف اور ساقط روایتوں سے جو غالباً دور دراز میں پیدا ہو گئیں یا بعید بعید استنباطات سے استدلال کر کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

حسب نصوص کے ہے وہ باطل ہے"۔ اور یہ بھی کہتے ہیں[1]: "اگر ایک نص کے مقابل اور دوسری نص کے موافق ہو تو مقابل نص کسی طرح اس کو نہیں کہہ سکتے"۔ تو گویا ان کے نزدیک ایک فعل کا کلام شارع کے ساتھ موافق و مخالف دونوں ہونا یا دو مختلف و متضاد اقوال کا موافق ہونا جائز ہے۔ حالانکہ کوئی قول ہو جب وہ قرآن و حدیث کی کسوٹی پر رکھا جائے تو وہ یا موافق ہی نکلے گا یا مخالف۔ اسی طرح جب کوئی قول موافق ہوگا تو اس کا ضد موافق نہیں ہو سکتا۔ اور گو کسی کو سرسری نظر سے کام لینے کی وجہ سے، نصوص میں تعارض معلوم[2] ہو مگر نظر تحقیق سے دیکھنے کے بعد کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اور ہر اختلاف کے موقع میں ایک جانب کو ایک صریح ترجیح ظاہر ہو جاتی ہے اور معدودے چند جو مواقع ایسے ہیں کہ جہاں صریح وجہ ترجیح نہیں ملی، یا جو استنباطی مسائل ہیں اور صریح نص ان میں نہیں اور فریقین کے وجوہ استنباط قریب برابر کے ہیں۔ ان کے خلاف میں اہل حدیث کو اصرار بھی نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو ....

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے مسائل جملہ نصوص کے خلاف تھوڑی ہیں ایک دو حدیث کے خلاف ہیں۔ تو ایک دو کے تو موافق ہیں یا کسی عموم سے یا دلالت النص یا اشارۃ النص وغیرہ سے تو مستنبط ہیں اور اختلاف نصوص کی وجہ سے مجتہدین نے جس کو چاہا ترجیح دیا یا جانے دو۔ سب ہی کے مسائل موافق ہیں کسی کے مخالف نہیں۔ مگر پھر اہل حدیث کے مسائل سے مخالفت کیوں کرتے ہو یا ان تمام فقہائے ائمہ ثلاثہ باقیہ کے مسائل کا رد اپنی اپنی کتابوں میں کر لیا کرنا چاہا اور ان کے غیر صحیح و مرجوح بتلانے میں کیوں اس قدر کوششیں کیں ۱۲۔

[3] دیکھو سبیل الرشاد صفحہ ۱۴ آگے عبارت یہ ہے "ایسا مسئلہ کہ جملہ نصوص کے مخالف ہو اور کسی نص کی عبارت یا دلالت یا اشارت سے ثابت نہ ہو اور کلیات دین کے خلاف ہو وہ باطل ہوتا ہے نہ یہ کہ کسی ایک دو حدیث کے مخالف جہلا اہل حدیث کو معلوم ہوتا ہو اور فی الواقع (حنفیہ کی رائے کے موافق) دوسری نص کے موافق اور مستنبط کلیہ دین سے ہو وہ بھی واجب الترک ہو" انتہی۔

---

[1] سبیل الرشاد صفحہ ۱۶

[2] سے مواقع جن میں سرسری ہی نظر سے تعارض معلوم ہو کچھ بہت نایاب نہیں ہیں۔

[3] یعنی یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔

مخالف[1] حدیث کہتے ہیں۔ اہلحدیث کو تو اس قسم کے مسائل میں خلاف ہے۔ جن کی مخالفت احادیث کے ساتھ ان وجوہ سے وقوع میں آئی جن کا ذکر تم اوپر[2] دیکھ چکے ہو جن کو ہم مجمل یا مفصل لکھ چکے، البتہ ایک وجہ جو ہم نے زمانہ متقدم کے ائمہ کا انتشار کی وجہ سے احادیث کا ایک حصہ نہ پا سکنا لکھی تھی اس کی بابت ہم کو ابھی اور کچھ لکھنا باقی ہے۔

ایک اور شبہ اور اس کا جواب:

اور وہ ایک شبہ کا دفعیہ ہے جو ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو اس کی نسبت پیش آئے وہ یہ کہ قولی احادیث اور وہ کہ جن سے خاص خاص اوقات میں کام پڑتا ہے تو تسلیم ہے کہ امام صاحب یا قریب کے زمانہ کے کسی دوسرے امام کو نہ پہنچی ہوں۔ مگر وہ امور کہ جن سے ہر وقت تعلق رہتا ہے اور وہ کہ روزمرہ برتے جاتے ہیں اور حضرتؐ کے وقت سے لے کر استمرار کے طور پر برابر مسلمانوں میں جاری رہے۔ مثل ہیئاتِ نماز اور طریقہ وضو یا الفاظ اذان وغیرہ جن کو صحابہ نے حضرتؐ کو کرتے دیکھا اور اُن سے سیکھا اور صحابہ کو دیکھ کر تابعین نے سیکھا اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ کو برابر دیکھتا چلا آیا اور ایسے امور میں سے کسی امر کی بابت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کسی سے بالخصوص اُن قریب کے زمانہ والوں سے مخفی رہا ہو۔ پس ان باتوں میں سے کسی بات کی نسبت یہ کہنا کہ فلاں امام کو اُس کی بابت حدیث نہ پہنچی ہو، کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم اس کے متعلق بھی ایک مختصر تحقیق ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ انھیں متقدم زمانوں، تابعین وغیرہم، کے وقت میں ان عملی و استمراری امور کی بابت بھی رواج مختلف تھا۔ کوئی کسی طرح پر عمل کرتا تھا، کوئی کسی طرح پر۔ اور اُس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ باستثناء ان امور کے جن میں شارع کی طرف سے تخییر و توسیع ہے۔ یعنی جس طرح پر چاہے کرے، دونوں جائز ہیں۔ صحیح عنداللہ ایک ہی رواج و عمل تھا۔ اور دوسرا غیر صحیح۔ پس بالضرور بعض اعمال غیر صحیح بھی کسی

---

[1] اور جو ایسا نہ کرے ہم اس کے ساتھ متفق الرای نہیں۔

[2] یا بعض آگے آتی ہیں۔

نہ کسی وجوہ سے رواج پا گئے تھے۔ تابعین کے اختلاف کی منجملہ اور وجوہ کے سب سے بڑی وجہ صحابہ کا اختلاف تھا۔ اور صحابہؓ کے اختلاف کی غالب وجہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ پس وہی وجہ اگر بغور پڑھی جائے تو اس شبہ کے بھی بہت حصوں کے رفع کے لیے کافی ہے تاہم خاص طور پر بھی ہم اس کی ایک وجہ اور لکھتے ہیں۔ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں بعض ایسے اعمال جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت تھے جن کو وہ لوگ واجب و فرض نہ جانتے تھے بلکہ سنت و مستحب خیال کرتے تھے چھوٹ گئے تھے اور عموماً مروج نہ رہے تھے۔ یہ چھوٹ جانا خواہ اس سے ہو کہ ان کو ان سے زائد اہم امور میں اشتغال کی وجہ سے اُن کی محافظت کی طرف توجہ نہ رہی تھی۔ یا بمقتضائے بشریت یا کسی خاص وجہ سے ایسا وقوع میں آیا یا اُنھوں نے قصداً اس اظہار کے لیے کہ اُن کو سنّت و مستحب کی ہی حد تک رکھا جائے فرض و واجب نہ سمجھ لیا جائے' اس پر استمرار کو ترک کر دیا۔

بہرحال کتنے ایسے اعمال بھی ہیں جن سے ہر وقت کام پڑتا ہے یا وہ استمراری اعمال کے متعلق ہیں گو وہ پیغمبر صاحبؐ سے ثابت ہیں، ان زمانوں میں متروک ہو گئے تھے اور وہ عام طور پر شائع نہ تھے کہ ہر کسی کا اُن سے واقف ہو جانا ضروری ہو۔ چنانچہ دیکھو نماز میں جو اُٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہا جاتا ہے جس کو تکبیر انتقال کہتے ہیں وہ ایک زمانہ میں عام طور پر متروک ہو گئی تھیں۔ عکرمہ[1] تابعی نے اتفاق سے کہیں ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی اور اُنھوں نے یہ تمام تکبیرات ادا کیں، اُن کو بہت تعجب ہوا اور ابن عباسؓ سے آکر کہنے لگے کہ یہ تو کوئی احمق ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، ارے یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت ہے۔ عمران[2] بن حصین نے جب بصرہ میں حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی، جنھوں نے ان تکبیرات کو ادا کیا تو کہنے لگے کہ ہم کو انھوں نے وہ نماز یاد دلادی جو ہم رسول اللہؐ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت[3] ابو موسیٰ نے بھی حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھ کر ایسا ہی کہا۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم لوگ اِس کو بھول گئے یا قصداً چھوڑ دیا۔ یہ تمام باتیں صاف کہہ رہی ہیں کہ ان تکبیرات کا رواج عموماً ترک ہو گیا تھا ورنہ یہ سب کچھ کاہے کو کہا جاتا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ [2] صحیح بخاری۔ [3] مسند امام احمد وغیرہ۔

اسی طرح بعض اور کیفیات میں بھی نماز کی حالت بدل گئی تھی۔ چنانچہ ابوہریرہؓ[1] ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھ کر کہتے ہیں۔ میں نے کسی کے پیچھے جو نماز میں حضرتؐ کے ساتھ مشابہ تر ہو، نماز نہیں پڑھی۔ معلوم ہوا کہ عموماً اس سے غیر نماز پڑھی جاتی تھی۔ زہریؒ[2] کہتے ہیں، میں دمشق میں حضرت انسؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا آپ کیوں روتے ہیں تو فرمایا کہ پیغمبر صاحبؐ کے زمانے کی کوئی[3] بات میں نہیں پاتا بجز نماز کے اور نماز بھی کھو دی گئی۔ ام درداءؓ کہتی ہیں[4]، ابوالدرداءؓ (صحابی) غصے میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا، غصے کیوں ہو تو فرمایا، میں ان لوگوں میں پیغمبر صاحبؐ کی باتوں میں سے کوئی بات نہیں پاتا۔ مگر صرف ایک یہ بات باقی رہی ہے کہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ان شہادتوں سے ثابت ہے۔ نماز کے نفس افعال میں تغیر پیدا ہو گیا تھا اور نفس افعال کے سوا بعض اقسام نماز سے بھی عموماً ان پر عمل نہ رہنے کی وجہ سے بے خبری ہو گئی تھی۔ مرثدؒ بن عبداللہ (تابعی نے) ابوتمیمؒ کو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا تو ان کو بڑا ہی تعجب ہوا، اور وہ عقبہؓ بن عامر صحابی کے پاس آ کر کہنے لگے، میں تم کو ایک تعجب کی بات سناؤں، ابوتمیمؒ نماز مغرب سے قبل دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ تو عقبہؓ نے کہا کہ حضرتؐ کے وقت میں ہم خود پڑھا کرتے تھے۔ میں نے کہا تو اب کون چیز تم کو پڑھنے سے روکتی ہے۔ کہا شغل۔

اس بحث کے متعلق روایتیں ہمارے علم میں اور بھی ہیں، مگر ایک سمجھدار کے لیے اسی قدر شہادتیں کافی ہیں۔ یہ شہادتیں اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ بہت سے اعمال پیغمبر صاحبؐ کے وقت کے زمانہ مابعد میں بوجوہ چھوٹ گئے جن سے عموماً لوگ بے خبر[6] ہو گئے تھے۔ پس کوئی

---

[1] مسند امام احمد و سنن نسائی۔ [2] صحیح بخاری۔

[3] یعنی باتیں بدل گئیں اور عموماً ان پر عمل نہیں کیا جاتا نہ یہ کہ بالکل دین اٹھ گیا کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا مسلمانوں نے اپنے دین کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور ایک جماعت ہر وقت میں اس کی محافظ قائم رہی۔

[4] صحیح بخاری وغیرہ۔ [5] صحیح بخاری۔

[6] کاش ہمارے زمانے کے وہ لوگ جو اپنے رواج کے خلاف جب کوئی بات پاتے ہیں تو اس کو بہت ہی بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے تمام رواجوں کو صحیح و درست خیال کرتے ہیں ذرا اس سے (باقی برصفحہ آئندہ)

تعجب نہیں کہ اس قسم کے اُمور میں سے بھی بسبب اس کے عام رواج نہ رہنے اور عموماً شائع نہ ہونے کے کوئی امر کسی امام سے پوشیدہ رہا ہو اور وہ زمانہ مابعد میں اس کے بر سلسلہ روایت محفوظ ہوجاتے اور کتب حدیث میں مندرج ہو جانے کی وجہ سے ظاہر ہو جاتے۔ الحاصل حدیث کی یہ چھ مشہور اور مستند کتابیں، جو صحاح ستّہ کہلاتی ہیں، جن پر زیادہ تر احادیث کا مدار ٹھہرا ہے اور جو بیشتر احادیث احکام کو حاوی ہیں، ائمہ اربعہ کے بعد تالیف ہوئیں اور صحاح ستہ کے سوا اور بھی حدیث کی بہت سی کتابیں جن سب نے مِل کر احادیث کو جو کہ منتشر تھیں جمع کر کے لوگوں کے لیے آسان کر دیا، ائمہ اربعہ کے بعد ہی مدوّن ہوئیں۔ لہٰذا ہر قسم کے احکام کے متعلق اور ہر بات میں حدیث کا تلاش کر لینا اور اس کا پا لینا پچھلوں کو بہت آسان ہو گیا۔ اور جو بات پہلوں کے افراد کو بہ مشکل معلوم ہو سکتی تھی یا معلوم نہ ہوئی اس کا علم پچھلوں کو بخوبی میسّر آ گیا۔ اب تو ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی قسم کا کوئی مسئلہ ہو ان ائمہ میں سے کسی امام سے اس کے پوشیدہ رہنے یا اُس کے حدیثِ رسولؐ کے خلاف ہو جانے میں تعجب کو ذرا بھی گنجائش نہیں، بلکہ خود ایسا ہونا نہایت قرینِ قیاس ہے۔

حدیث مدوّن ہونے کے بعد فقہاء کا طرزِ عمل؟

لیکن اس جگہ اب ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ان اماموں کی نسبت تو ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ اُن کو احادیث کے مدوّن نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑی یا بہت احادیث نہ پہنچی ہوں لیکن زمانہ مابعد میں جبکہ احادیث مدوّن ہو گئیں، اس کے بعد جو یہ تمام فقہاء گزرے ہیں جنہوں نے فقہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی نسبت احادیث کے پانے سے معذوری کا عذر تو کسی طرح نہیں خیال کیا جا سکتا تو مثلاً فقہاء حنفیہ جو اِن فقہی مسائل کو لکھتے پڑھتے اور انھیں پر عمل کرتے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عبرت پکڑتے جب اُن خیر و برکت کے زمانوں کے رواج کی یہ حالت ہے تو مابعد کے زمانوں کی کیا حالت ہو گی جیسا کہ علامہ ابن حجر مذکورہ بالا حدیث اُمّ درداء کی تحت میں لکھتے ہیں وکان ذلک صدر من ابی الدرداء فی اواخر عمرہ وکان ذلک فی اواخر خلافۃ عثمان فیالیت شعری اذ کان ذلک العصر الفاضل بالصفۃ المذکورۃ عند ابی الدرداء فکیف بمن جاء بعدھم من الطبقات الی ھذا الزمان انتہی (فتح الباری)

انھیں کے حامی رہے تو ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ اگر حدیث کے خلاف ہے تو کیا سب کے سب وہ ایسے بے دین تھے کہ اُن کو حدیثِ رسولؐ بمقابلہ قول امام کے چھوڑتے ہوئے ذرا اللہ کا ڈر نہ آیا یا سارے کے سارے ایسے کندفہم اور بے سمجھ تھے کہ اُن کو اس مسئلہ کا حدیث کے خلاف ہونا سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا۔ حالانکہ ان دونوں باتوں میں سے کسی بات کو عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ پھر ہم کیسے تسلیم کرسکتے ہیں کہ فقہ کا کوئی مسئلہ حدیث کے خلاف ہو۔ اس لیے کہ اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو فن حدیث کے مدوّن ہوجانے کے بعد کے جو فقہاء ہیں ضرور ان مسائل کو خارج کردیتے۔ اور کبھی مسلم نہ رکھتے۔ اور جب ایسا نہیں کیا تو معلوم ہُوا کہ وہ حدیث کے خلاف نہیں۔

جواب :

ہر چند کہ ایسی حالت میں فقہ کے کسی مسئلہ کو خلافِ حدیث کہنا ایک تعجب خیز امر معلوم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کچھ مسائل فقہ کے ضرور ایسے ہیں جن میں خطا اجتہادی[1] ہو گئی اور جن کے خلافِ حدیث ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں۔ پس اس قسم کے مسائل پر فقہاء کے قائم رہنے کی، اگر وہ[2] قائم رہے ہیں، چند وجوہ ہیں جن کو حق پسندی کے ساتھ دیکھنے کے بعد یہ سارے شبہے و تعجب انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی زائل ہوجائیں گے۔

وجہ اوّل، چند ایسے اسباب پیش آئے جن کی وجہ سے عموماً فقہاء فنِ حدیث میں دخل نہ پیدا کرسکے اور نہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوسکے۔ ایک سبب تو وہی ہے جو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اہل الرائے کے طرزِ عمل نے جس نے مذہبِ تقلید کی بناڈالی حدیث سے استدلال اور

---

[1] جیسا کہ پہلے بیانات و شہادت علماء کثیر سے ثابت ہوا اور آگے بھی آتا ہے۔

[2] اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ممکن ہے کہ اصحاب کتب نے جو کتابوں میں یہ فقہی مسائل ذکر کئے ہیں اس میں محض اصحاب مذاہب (امام صاحب وغیرہ) کے نقل مذہب کا ارادہ کیا ہو اور اسی کو ذکر کیا نہ ذاتی تحقیقات اور اپنے مذہب کا پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو ان تمام مسائل سے اتفاق ہر لئے تھا۔ ممکن ہے کہ بعض میں ان کو خلاف ہو چنانچہ بعض بعض فقہا کے خلاف کا پتہ بنتا بھی ہے۔

اُس کی طرف توجہ کے ترک کا عادی بنا دیا تھا، اور حدیث کا شغل کم کرنے اور اقوالِ علماء پر کاربند رہنے اور ان سے ہی سند پکڑنے کا طریقہ جاری کر دیا۔ جن لوگوں[1] میں اس طرزِ عمل نے اپنا رنگ جمایا اُن کے۔ یہ ایک شدنی امر تھا کہ اُن کا شغل حدیث کے ساتھ کچھ زائد نہ ہو۔

دوسرا سبب وہ ہے جو شاہ صاحب کے کلام میں تقلید کے جاری ہونے کے سبب میں گذر چکا کہ فقہاء کی باہم نزاع کا خاتمہ نہ ہوتا تھا۔ جب تک کہ وہ متقدمین سے کسی عالم کا قول نہ پیش کریں۔ اسی طرح اُن کی قضا و افتاء عالم ماسبق کے قول کے حوالے کے بغیر معتبر نہ ہوتی تھی؛ اور اس بات کی ان لوگوں میں اس حد تک کثرت ہوئی کہ طریقہ تقلید کا پورا رنگ ہی قائم ہو گیا۔ پس اُن کو اپنے فتاوے و فیصلوں اور استدلال و مناظرات میں جس بات کی ضرورت تھی وہ صرف اقوال علماء ہیں نہ قرآن و حدیث۔ اگر قرآن و حدیث کے ساتھ استدلال کا رنگ موجود و قائم ہوتا تو تقلید کا رنگ ہی کیوں جمنے پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں تقلید نے رواج پایا حدیث سے استدلال کا طریقہ اور اُس کا شغل ان میں جاری نہ رہ سکا۔

تیسرا سبب خود مسلک تقلید ہے۔ تقلید کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ایسا ہونا ایک لازمی اثر تھا۔ اس لیے کہ جس نے جس امام کی تقلید کی اس کا فرض منصبی تھا کہ وہ ہر وقت و ہر موقع میں اسی امام کے عندیہ و قول کو دریافت کرے اور اسی کا طالب ہو اور اسی سے اس کی غرض متعلق رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور وہ اسی پر عامل ہوا اور اُسی کو اپنے لیے کافی و وافی سمجھتا رہا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوتا تھا اور ہوا کہ حدیث کے شغل اور اُس سے استنباط احکام کی طرف اُن کی توجہ نہ ہو سکی اور نہ وہ اُس کو اُس کی اصلی غایت و موضوع لہٗ میں استعمال کر سکے۔

چوتھا سبب انھیں فقہی مسائل کا منظورِ نظر سلاطین ہونا اور عوام و خواص کا انھیں کی طرف توجہ کرنا اور انھیں میں تبحر و کمال سے ملکی عہدوں و معزز خدمتوں پر ممتاز ہونا ہے۔ اس وجہ سے انھیں کی زائد ضرورت ہوئی اور انھیں کی بڑی قدر ہوئی۔ اس سبب سے انھیں کے حاصل کرنے میں سرگرمی کی وجہ سے تحصیلِ حدیث کی طرف عموماً لوگ متوجہ نہ ہو سکے اور اس سے بیشتر بے خبر رہے۔

---

[1] جو کہ اہلِ تقلید ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

امام غزالیؒ فاتحۃ العلم میں تحریر فرماتے ہیں:

"اقسام علوم کی طرف مخلوق کی توجہ کی بابت زمانوں کی حالت مختلف

لہ عبارت یہ ہے اعلم ان الاعصار قد اختلف فی اقبال الخلق علی انواع العلوم فالخلافۃ بعد رسول الله صلی الله علیہ وسلم تولاھا الخلفاء الراشدون وھم ائمۃ یستقلون بالفتوی کانوا لا یستعینون بالفقہاء الا فی وقائع نادرۃ وکان الاسلام فی زمانہم علی طراوتہ فلم یکن لہم رغبۃ فی العلم الا للہ تعالی فلاجرم کان اشتغالہم بمہمات الدین ومراقبۃ القلب فی ملازمۃ التقوی وطلب علم الحدیث والقرآن للعمل والھدایۃ لا للروایۃ فلما انقضی عصرھم تولی الخلافۃ اقوام لا استقلال لہم بعلم الفتاوی واتسعت الولایۃ فاحتاجوا الی القضاۃ والفقہاء المستقلین بالفتاوی والاقضیۃ وکان قد بقی من علماء التابعین من ھو علی الصفۃ الاولی فی ملازمۃ صفو الدین فکانوا اذا طلبوا ھربوا فاضطر الخلفاء الی اکرامہم والالحاح فی طلبہم فرای اھل تلک الاعصار العلماء واقبال الخلفاء والولاۃ علیہم مع اعراضہم عنہم فاکبوا علی طلب علم الفتاوی توصلا الی اھل العز والجاہ وکثرت الرغبۃ فی علم المذاھب اتسع ھذا العلم واکب الناس علیہ ثم عرضوا انفسہم علی الولاۃ وتعرفوا الیہم وطلبوا الولایات منہم فمنہم من حرم ومن ھم من انجح الامن وفقہ الله تعالی فلم یخل عصر من الاعصار من العلماء باللہ معرضین عن السلاطین لکن کان اکثر الاقبال فی ذلک العصر علی علم الفتاوی والاقضیۃ وھو سمیتہ الآن علم المذھب ثم بلغت بالغۃ المتکلمین من المعتزلۃ وغیرھم وظہر من الصدور والخلفاء من مال الی البحث عن العقائد والی التعصب فیہ واقبلوا علی من اشتغل بذلک العلم فاکب الناس علی علم الکلام فاکثروا فیہ التصانیف ورتبوا فیہ طرق المجادلات والمناقضات وزعموا ان غرضنا الذب عن الله والنضال عن السنۃ کما زعم من قبلہم ان غرضنا الاشتغال بالفتاوی لتمیز الحلال من الحرام ثم ظہر بعد ذلک من الصدور من لم یستصوب الخوض فی اصول العقائد لما فیہ من الفتنۃ فاعرض عن المتکلمین واقبل علی المتعصب للمذاھب الفروع واقبل علی من یناظر فی الفقہ وبیان الاولی من مذاھب (ہاتی برصفحہ آئندہ)

رہی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے متولی خلفائے راشدون ہوئے۔ وہ خود بڑے بڑے عالم تھے جو بذاتہ علم فتوے پر قادر تھے، اور جو سوائے نادر مسائل کے کسی دوسرے عالم سے مسائل میں مدد نہ لیتے تھے اور اسلام اُن کے وقت میں اپنی تازگی پر تھا۔ اس زمانے کے لوگوں کی رغبت علم کی طرف اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے تھی۔ اُن کا علم حدیث وقرآن کو طلب کرنا خاص عمل وہدایت کے لیے تھا نہ صرف روایت کے لیے۔ جب ان کا زمانہ گزر گیا تو خلافت کی ایسی قومیں مالک ہوئیں جو بذاتہ علم فتویٰ کا نہ رکھتی تھیں اور سلطنت بھی وسیع ہو گئی۔ لہٰذا ان کو علماء وقضاۃ کی ضرورت پڑی جو علمِ فتویٰ وقضایا رکھتے ہوں۔ علماء تابعین میں سے کچھ لوگ اس وقت تک باقی تھے، جو پہلے طریقہ کے موافق خالص دین کو پکڑے ہوئے تھے تو جب اُن سے درخواست ملکی خدمات قبول کرنے کی کی جاتی تھی تو وہ دُور دُور بھاگتے تھے۔ پس سلاطین ان کا اکرام کرنے اور خوش آمد کے ساتھ قبول کرانے پر مجبور ہوئے۔ اب جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الشافعی وابی حنیفۃ خاصۃ وزعموا انہم انما یفعلون ذلک للہ تعالیٰ وغرضہم استنباط دقائق الشرع وبیان ماخذ الاحکام واکثروا فیہ التصانیف والاستنباط ورتبوا طرق المجادلات واعرضوا عن الخلاف عن مالک واحمد بن حنبل وسفیان مع انہم انما یخالفون من جہۃ الاحادیث والبحث عن معانی الاحادیث ومایصح منہا ومالا یصح لہم فی ماخذ الاحکام ولکن کانت رغبتہم بحسب میل الولاۃ والصدور اذ کان بہم التوسل الی الادرار والصلات والولایات فلم یشتغلوا الا بمایروج عندہم ولومالت نفوس ارباب الولایات الی الخلاف مع احمد او مع مالک لاشتغلوا بالبحث عن مذاہبہم ومناقضاتہم ولم یسکتوا عن دعواہم انا انما نطلب ماخذ الدین للہ وفی اللہ فہکذا کان ترتیب الاعصار الی الآن ولاندری ماقدرہ اللہ تعالیٰ فیما بعد من الاعصار انتہی (نیز دیکھئے احیاء العلوم ص۳۲ جلد اول باب رابع۔ ح۶)۔

اس زمانے کے لوگوں نے علماء کی یہ قدر دیکھی تو وہ علم فتویٰ کی تحصیل کی طرف عزت وجاہ حاصل کرنے کے لیے جھک پڑے ۔ اور علم مذہب فقہ کی طرف توجہ بہت زائد ہوئی اور یہ علم خوب نامذ و وسیع ہو گیا۔ اور لوگ اس پر جھک پڑے۔ پھر اپنے آپ کو سلاطین کے سامنے پیش کیا، اور شناسائی پیدا کی اور حکومتیں حاصل کرنا چاہیں، سو کوئی مراد کو پہنچا اور کوئی محروم رہا۔ مگر کوئی زمانہ ایسے حقانی علماء سے بھی خالی نہیں رہا جو سلاطین سے اعراض کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں زیادہ تو توجہ علمِ فتویٰ و قضایا مسائل فرعیہ کی طرف رہی جس کا نام میں نے ابھی علمِ مذہب لیا ہے۔

پھر ایک جماعت متکلمین معتزلہ وغیرہ کی آ پہنچی اور امراء و سلاطین میں سے وہ لوگ ظاہر ہوئے جن کی رغبت ہوئی کہ عقاید میں بحث کی جائے اور اس میں تعصب برتا جائے۔ پس لوگ علمِ کلام کی طرف جھک پڑے اور اس میں کثرت سے کتابیں تصنیف کیں اور اس میں مجادلوں اور مناقضات کے طریقے مرتب کر دیے اور خیال کیا کہ ہم اللہ کے دین کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور سنت کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ پہلے والوں نے خیال کیا کہ ہماری غرض علمِ فتویٰ میں مشغول ہونے سے یہ ہے کہ حلال و حرام میں تمیز ہو جائے۔ پھر بعض وہ امراء ظاہر ہوئے جنھوں نے عقاید میں بحث کو فتنہ کے خیال سے ٹھیک نہ جانا پس انھوں نے متکلمین سے بے توجہی کی اور اس شخص کی طرف توجہ مبذول کی جو ان فرعی مسائل کے مذاہب میں تعصب برتتے اور مسائل فقہ میں اور خاص کر مذہب امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے باہم ترجیح[1] میں بحث و مناظرے کرے اور خیال یہ کیا کہ یہ صرف اللہ ہی کے واسطے کرتے ہیں، اور غرض اس سے نکات[2] شریعت کا استنباط اور احکام کی اصل

---

[1] یعنی حنفی بمقابلہ شافعی کے اپنے مذہب کی ترجیح اور اپنے مذہب کے مسائل کی خوبیاں بیان کرے اور شافعی اپنے مذہب کے لئے بمقابلہ حنفی کے ایسا ہی کرے۔

[2] یعنی یہ مباحث بیشتر عقلی دلائل اور وجوہات پر مبنی تھے جیسا کہ اگلی عبارت بھی شاہد ہے۔

کا بیان کرنا ہے۔ آخرانھوں نے اس میں کثرت سے تصانیف کیں اور استنباط کیے اور مجادلے کے طریق (جیساکہ کتبِ اصول اور بعض کتبِ فقہ میں مثل ہدایہ وغیرہ کے مذکور ہیں[1]) مرتب کر ڈالے اور اُن لوگوں نے مالک اور احمد بن حنبل اور سفیان کے خلاف سے (اور ان کے مسائل کے ساتھ مقابلہ سے) تعرض نہ کیا۔ حالانکہ وہ لوگ احادیث کی رُو سے خلاف کرتے تھے اور ماخذ احکام کی بحث میں احادیث کے معانی کی رُو سے بحث کرنا اور یہ کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی نہیں صحیح زیادہ ضروری تھا[2]۔ لیکن اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ ماخذ احکام کے بیان میں دوسرے طریق پر چلے۔ اس واسطے کہ اُن کی رغبت تو اُمراء و سرداروں کی توجہ کے موافق تھی تو وہ اسی میں مشغول ہوئے اور جو اُمراء کے پاس رواج پا سکے۔ اور اگر اربابِ حکومت احمد یا مالک کے ساتھ خلاف کی بحث کی طرف مائل ہوتے (یا فنونِ حدیث کی طرف رغبت کرتے) تو وہ لوگ انھیں کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ (لیکن چونکہ امراء اس طرف مائل نہ ہوئے لہٰذا وہ بھی اُس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ پس یہ ہے زمانوں کی ترتیب ہمارے وقت تک اور ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا مقدر کر رکھا ہے۔"

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

"مناظرہ[3] سے غرض ماخذ شرع کا معلوم کرنا ہوتا ہے تاکہ آدمی رتبۂ اجتہاد

---

[1] جیساکہ شاہ صاحب کے قول سے گزر چکا، دیکھو حاشیہ ص ۱۰۹

[2] اس سے ثابت ہوا کہ فقہا کی بحث و مناظرے احادیث کی رو سے نہ تھے بلکہ وہ اور ہی طریق پر تھے۔

[3] عبارت یہ ہے فان غرض المناظرة طلب ماخذ الشرع لینال رتبة الاجتهاد وهذا من فروض الکفایة فان رای فرض کفایة معطلة لاقائم بها فلایشتغل بها تام جماعة دعلم الاحادیث فی هذا العصر من فرائض الکفایات ولاقائم به وقد اغرف علی الاندراس هو اصل الدین انتهی۔

کو پہنچ جائے اور وہ فرض کفایہ سے ہے۔ تو اگر کسی فرض کفایہ کو دیکھے کہ وہ متروک ہو رہا ہے۔ کوئی اس کا قائم کرنے والا نہیں تو اُس کو چھوڑ کر ایسے فرض میں مشغول نہ ہو جس کو ایک جماعت قائم کر رہی ہے اور علم حدیث اس زمانے میں فرض کفایہ سے ہے کوئی اُس کا قائم کرنے والا نہیں اور وہ معدوم ہو جانے کے قریب ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہی اصل دین ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً لوگوں کی انواع علوم کی طرف رغبتیں، امراء و سلاطین کی توجہ کے تابع رہیں اور امراء و سلاطین کی بیشتر توجہ فقہی مسائل اور بالخصوص خلافیات امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی ہی کی طرف رہی اور ان خلافیات میں بھی وجوہ ترجیح کی طرف جو توجہ تھی تو وہ حدیث کی تحقیق کی رُو سے نہ تھی بلکہ دوسرے ہی طریقوں سے تھی۔ اسی وجہ سے حدیث کا چرچا ان زمانوں میں بہت کم رہا۔

حتٰی کہ امام غزالیؒ کے زمانے میں فنِ حدیث معدوم ہو جانے کے قریب ہو گیا تھا۔ امام غزالی کے زمانہ کی تخصیص نہیں۔ یہی حالت علم حدیث کی قریب قریب اور زمانوں میں بھی رہی امام غزالی ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

امام ابو شامہ کا قول جو ۵۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۶۵ھ میں وفات پائی، تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ امام ذہبی جو ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۴۸ھ میں وفات پائی وہ اپنے زمانہ کا حال لکھتے ہیں[1]:

"اصحابِ حدیث کم ہو گئے اور گم ہو گئے اور اکثر علماء زمانہ فروعات میں

---

[1] عبارت یہ ہے فلقد تفانی اصحاب الحدیث وتلاشوا وصار علماء العصر فی الغالب عاکفین علی التقلید فی الفروع من غیر تحریر لہا ومکبین علی عقلیات من حکمۃ الاوائل وآراء المتکلمین نعم البلاء واستحکمت الاھواء ولاحت مبادی رفع العلم وقبضہ من الناس فرحم اللہ امرأ اقبل علی شانہ وقصر من لسانہ واقبل علی تلاوۃ قرآنہ وبکی علی زمانہ وامعن النظر فی الصحیحین وعبد اللہ قبل ان یبغتہ الاجل اللہم وفق وارحم واجعلنا منہم انتہی ملخصاً دیکھو تذکرۃ الحفاظ۔

تقلید[1] کے مجاور ہو گئے کچھ بھی مسائل کی تحقیق نہیں کرتے اور عقلیات یعنی علوم حکمت اور آراء متکلمین پر جھک پڑے۔ پس کیسی بلا پھیل گئی اور بدعات قوی ہو گئیں اور علم کے اٹھ جانے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ سو اللہ بھلا کرے اس شخص کا جو اپنے حال پر توجہ کرے اور اپنی زبان کو روکے اور قرآن مجید کی تلاوت کیا کرے اور اپنے زمانہ کی حالت پر روئے اور بغور صحیحین (بخاری و مسلم) کو دیکھے اور موت کے آنے سے پہلے اللہ کی ٹھیک ٹھیک طریقہ پر عبادت کرے۔ اے اللہ تو توفیق دے اور ہمارے حال پر رحم کر اور ہم کو انھیں لوگوں میں داخل کر دے (جن کے یہ نصیب ہیں)"۔

اور علامہ تاج الدین سبکی جو ۷۲۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۷۷۱ھ میں وفات پائی اپنے زمانہ کی حالت لکھتے ہیں:

"منتہائے[2] نظر ہمارے زمانے کے لوگوں کا علم حدیث میں مشارق الانوار[3]

---

[1] مسائل کو حدیث سے ملا کر انہیں دیکھتے اور ان کی تحقیق نہیں کرتے کہ جانیں ان میں سے کون سا حدیث کے موافق ہے اور کونسا نہیں ہے بلکہ تقلید پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے ہے۔

[2] عبارت یہ ہے واعلم ان قصاری نظر ابناء زماننا فی علم الحدیث النظر الی مشارق الانوار فان ترفعت الی مصابیح البغوی ظنت انها تصل الی درجۃ المحدثین وما ذلک الا لجهلهم بالحدیث وانما الذی یعدہ اهل الزمان بالغا الی النهایۃ ویناد ونہ محدث المحدثین وبخاری العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثیر مع حفظ علوم الحدیث لابن الصلاح وتقریب النواوی انتهی۔

[3] مشارق الانوار میں صرف صحیحین کی قولی حدیثیں مذکور ہیں صاحب مشارق الانوار نے بھی اپنے زمانے کے لوگوں کی حدیث سے بے علم ہونے کی شکایت کی ہے اور لکھا ہے کہ کم علم نافہم جن کو صحیح و ضعیف حدیث کی تمیز نہیں عالم اور پیشوا مشہور ہو گئے انتہی صاحب مشارق الانوار نے جیسا کہ اپنے زمانے کی یا دیگر اصحاب نے اپنے اپنے ملکوں اور اپنے اپنے زمانوں کی کمی علم حدیث کی بابت (باقی بر صفحہ آئندہ)

تک ہے اور اگر کبھی مصابیح تک نظر پہنچ گئی تو خیال ہو گیا کہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے۔ اور یہ صرف ان لوگوں کے حدیث سے جاہل ہونے کی وجہ سے ہے اور جس کو زمانہ کے لوگ اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا سمجھتے ہیں اور اس کو محدث المحدثین اور بخاری العصر کہہ کر پکارتے ہیں۔ وہ وہ شخص ہے جو جامع الاصول کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوا اور اس نے ابن الصلاح کی علوم الحدیث اور تقریب نووی کو یاد کر لیا ہو۔"

ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ ان زمانوں میں فن حدیث کس کمی کے ساتھ مروج رہا اسی پر زمانہ مابعد کی حالت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ گو فنِ حدیث مدون و مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن کچھ شک نہیں کہ بجز خاص خاص افراد کے جن کے ذریعہ سے اللہ جل شانہٗ کو اس فن کا قائم و باقی رکھنا منظور تھا۔ عموماً علماء و فقہاء ان تمام زمانوں کے جب سے تقلید مذاہب نے اپنا قدم جمایا اس سے بے خبر رہے یا اس میں معتد بہ دخل نہ پیدا کر سکے۔

حدیث میں فقہاء غیر معتبر ہیں:

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے جو کہیں کہیں اپنی تالیفات میں احادیث ذکر کیں اور ان سے تمسک کرنا چاہا تو اس میں قابلِ افسوس غلطیاں کھائیں اور اسی وجہ سے فقہاء کی احادیث کا جو وہ اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں اعتبار نہیں رہا۔ ملا علی قاریؒ کی موضوعات میں من قضی صلوٰۃ من الفرائض الخ کے تحت میں لکھتے ہیں:

"یہ روایت[2] باطل ہے یقیناً اور کچھ اعتبار نہیں[3]۔ صاحب نہایہ شرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شکایت کی اس سبب سے بدتر حالت اس بارے میں ہندوستان کی رہی ہے اور افغانستان اور بعض دیگر ممالک میں اب تک یہی حال ہے چنانچہ کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔

[1] جیسا کہ ہندوستان میں مشکوۃ المصابیح۔

[2] عبارت یہ ہے باطل قطعا ثم لاعبرۃ بنقل صاحب النہایۃ ولا بقیۃ شراح الھدایۃ فانہم لیسوا من المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین انتہی

[3] یعنی موضوع

ہدایہ یا دوسرے شارحین ہدایہ کے اُس کو ذکر کرنے کا جو کہ اُنھوں نے اس کو شرح ہدایہ میں ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ محدثین[1] میں سے نہیں ہیں اور نہ انھوں نے کسی محدث کا حوالہ دیا۔"

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں:

"ملا علی[2] قاری کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ کتب فقہیہ گو فی نفسہا فروعات مسائل کے نقل میں معتبر ہیں اور ان کے مصنفین معتبر لوگوں اور فقہائے کاملین میں سے تھے۔ مگر ان کی احادیث پر اعتماد نہ کر لیا جائے اور نہ ان میں واقع ہونے سے ان احادیث کے ثابت ہونے اور وارد ہونے کا یقین کر لیا جائے۔ کیونکہ بہت سی احادیث فقہ کی معتبر کتابوں میں ذکر کی گئیں حالانکہ وہ موضوع اور بناوٹی ہوتی ہیں جو پیغمبر صاحبؐ پر جھوٹ جوڑ دی گئیں۔

اور مولٰنا موصوف اجوبہ فاضلہ میں[3] لکھتے ہیں:

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ یہ تمام شراح ہدایہ جو بڑے بڑے معتمد عالموں میں شمار ہیں محدث نہ تھے اسی طرح اگلی عبارتیں جو فقہاء کے بارے میں آتی ہیں بتا رہی ہیں کہ یہ تمام بڑے بڑے فقہاء اصحاب تالیف و تصنیف جن پر مسائل فقیہ کا مدار ہے اور ان کی ترجیح و فتوٰی پر اعتماد کیا جاتا ہے محدث نہ تھے کہ جن کے علم سے فن حدیث کی بابت کوئی نتیجہ مرتب ہو سکے۔

[2] عبارت یہ ہے وھذا الکلام من القاری: فاد فائدۃ حسنۃ وھی ان الکتب الفقھیۃ وان کانت معتبرۃ فی انفسھا بحسب المسائل الفرعیۃ وکان مصنفوھا ایضا من المعتبرین الفقھاء الکاملین لا یعتمد علی الاحادیث المنقولۃ فیھا اعتمادا کلیا ولا یجزم بورودھا وثبوتھا قطعا بمجرد وقوعھا فیھا فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرۃ وھی موضوعۃ مختلقۃ انتھٰی۔

[3] عبارت یہ ہے من ھھنا نصوا علی انہ لا عبرۃ للاحادیث المنقولۃ فی الکتب المبسوطۃ ما لم یظھر سندھا او یعلم اعتماد ارباب الحدیث علیھا وان کان مصنفھا فقیھا جلیلا یعتمد علیہ فی نقل الاحکام وحکم الحلال والحرام الا تری الی صاحب الھدایۃ من اجلۃ الحنفیۃ والرافعی ربانی بر صفحہ آیندہ)

"اسی وجہ سے علماء نے صاف لکھ دیا کہ کچھ اعتبار نہیں ان احادیث کا جو فقہ کی بڑی بڑی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں۔ جبتک کہ اُن کی سند ظاہر نہ ہو یا اہلحدیث کا ان احادیث پر اعتماد کرنا معلوم نہ ہو۔ گو ان کتابوں کے مصنفین بڑے پایہ کے فقیہ کیوں نہ ہوں جن پر نقل احکام و حکم حلال و حرام میں اعتماد کیا جاتا ہو۔ کیا تم صاحب ہدایہ کو نہیں دیکھتے جو جلیل القدر حنفیوں میں سے ہیں اور رافعی شارح وجیز کو جو جلیل القدر شافعیوں میں سے ہیں باوجودیکہ وہ دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عظمتِ شان کی طرف اشارے کیے جاتے ہیں اور ان پر بزرگانِ قوم اور عالی پایہ لوگ بھروسا کرتے ہیں۔ پھر بھی ان دونوں نے اپنی کتابوں میں ایسی روایتیں درج کیں جن کا کوئی نشان حدیث جاننے والوں کے نزدیک نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ جس نے تخریج ہدایہ زیلعی اور تخریج شرح رافعی ابن حجر عسقلانی کو دیکھا اس پر پوشیدہ نہیں۔ اور جب حال ان بڑوں کا ایسا ہے تو اور فقہاء کو تم کیا خیال کرتے ہو۔ جو احادیث کے لانے میں بے پرواہی برتتے ہیں اور اُن کی سندوں میں غور نہیں کرتے۔"

اور نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں[1]:

"ائمہ حدیث ضعیف راویوں سے کوئی حدیث روایت کر کے تنہا اُسکے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شارح الوجیز من اجلۃ الشافعیۃ مع کونہما ممن یشار الیہما بالانامل ویعتمد علیہ الاماجد والاماثل قد ذکرا فی تصانیفہما مالم یوجد لہ اثر عند خبیر بالحدیث کما لایخفی علی من طالع تخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی وتخریج احادیث شرح الرافعی لابن حجر العسقلانی واذا کان حال ہؤلاء الاجلۃ ہذا فما بالک بغیرہم من الفقہاء الذین یتساہلون فی ایراد الاخبار ولا یتعمقون فی سند الآثار

[1] عبارت یہ ہے فان الائمۃ لایروون من الضعفاء شیئاً یحتجون بہ علی انفرادہ فی الاحکام ہذا شیء لایفعلہ امام من ائمۃ المحدثین ولا محقق من غیرہم من العلماء واما فعل کثیر من الفقہاء او اکثرہم ذلک واعتمادہم علیہ فلیس بصواب بل قبیح جداً انتہیٰ۔

ساقط احکام میں حجت نہیں پکڑتے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کو محدثین میں کا کوئی امام یا ان کے سوا کوئی اور محقق عالم نہیں کرنے کا۔ بہت سے فقہاء یا اکثر فقہاء کا ایسا کرنا اور ضعیف ضعیف روایتوں پر اعتماد کرنا جیسا کہ وہ کرتے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ سخت بُرا ہے۔"

یہ صرف فقہاء کے فنِ حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

عموماً فقہاء نے جو فقہی مسائل لکھے اور فقہ کی کتابیں تصنیف کیں تو اول تو سرے سے دلائل لکھے ہی نہیں اور جو کہیں کہیں اور کسی کسی نے لکھے اور احادیث سے استدلال کیا تو بیشتر کا حال یہ ہے کہ اگر اُن کو بہ نظرِ تحقیق دیکھا جائے اور اُن کی تفتیش کی جائے تو مشکل سے اُن کا بہت قلیل حصہ ایسا نکلے گا جو اسی طور پر ثابت ہو جیسا کہ اُنھوں نے ذکر کیا، ورنہ اکثر ساقط یا ضعیف ہیں یا قول کسی صحابی کا یا اور کسی نیچے والے کا ہے کہ اُس کو قولِ رسول ﷺ کہہ دیا۔ یا حدیث کس کی ہے اور کسی اور کی طرف اُس کو نسبت کر دی یا ہے کیونکر اور بیان کر دی کس طور سے۔ غرضکہ بہت کم روایتیں ایسی نکل سکیں گی جو خطا یا صریح غلطی سے پاک ہوں۔ حالانکہ ایک مقتدا و معتبر و صاحب تصنیف عالم کے لیے اس قدر صریح غلطیاں کرنا سخت قابلِ افسوس ہے۔

حدیث سے بے اعتنائی اور اس کے کرشمے:

مگر اصلی بات وہی ہے فن حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنا اور کتب حدیث کی جانب رجوع نہ کرنا۔ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"کہ صاحب[1] نہایہ اور جو ان کے متبع شراح ہدایہ ہیں روایت ابن عباسؓ کو معارضہ سے بچی ہوئی جو بتاتے ہیں تو وہ کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ سرے سے صحیح ہی نہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور یہ ساری غلطیاں تقلید

---

[1] عبارت یہ ہے وکیف یقول صاحب النہایۃ ومن تبعہ من الشراح ان روایۃ ابن عباس اسلم من المعارضۃ والحال انہ لم یصح کما ذکرنا وھذا کلہ من آفۃ التقلید وعدم رجوعہم الی مدارک الحدیث انتہی۔

کی آفت سے ہیں اور اُن لوگوں کی کتبِ حدیث کی طرف رجوع نہ کرنے سے۔"
اور عینی[1] صاحب ہدایہ کے اس قول کے تحت میں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابودجانہ کو قبر میں رکھا لکھتے ہیں :

"یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ابودجانہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعہ یمامہ میں شہید ہوئے اور سبب اس غلطی کا تقلید ہے۔ کیونکہ شیخ[2] الاسلام نے مبسوط میں اسی طرح ذکر کیا اور اسی طرح صاحب بدائع نے بھی ذکر کیا۔"

اسی طرح صاحب نورالانوار نے اَلْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا وَالْخِنْزِيرُ لَهُمْ كَالشَّاةِ لَنَا کو حدیث کر کے لکھ دیا۔ حالانکہ وہ صاحبِ ہدایہ کا قول اور ہدایہ کی ایک عبارت ہے۔ مگر غالباً بات یہ ہوئی کہ وہ اصل فن سے بوجہ توجہ نہ کرنے کے ناواقفیت تھی اور صاحب ہدایہ کا قول ان کو یاد ہو گیا تھا۔ بے پرواہی سے اس کو حدیث سمجھ کر حدیث کہہ دیا۔ اسی طرح نورالانوار میں اور بھی کتنی بے اصل حدیثیں ہیں جن کو یقینی طور سے حدیث کر کے بیان کر دیا۔ فن اصول میں ضرورتاً حدیث کی بحث آتی ہے وہ ان اصول کی کتابوں میں جس عنوان اور جن مثالوں کے ساتھ ذکر کی ہے، فنِ حدیث سے واقف کار کے نزدیک بالخصوص ان عالی پایہ مصنفین سے ایک شرمناک بحث ہے۔ جس کی وجہ بس یہی ہے کہ ان لوگوں نے فنِ حدیث میں دخل نہ پیدا کیا۔ وہ جو لوگوں میں ایک مشہور حدیث ہے : یکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ صاحبِ تلویح نے اس حدیث کا صحیح بخاری[3] میں ہونا ذکر کیا۔ اور یہ بھی اقرار ہے

---

[1] عبارت یہ ہے ھذا وھم فاحش فان اباد جانۃ قتل یوم الیمامۃ کما اسندہ الطبرانی فی معجمہ عن محمد بن اسحٰق وسبب ھذا الوھم التقلید فان شیخ الاسلام ذکر فی المبسوط ایضاً ھکذا وکذا ذکرہ صاحب البدائع انتہٰی۔

[2] ان سب صاحبوں نے سخت غلطی کھائی اور کتب حدیث کو کھول کر نہ دیکھا۔

[3] اصول کی کتاب جو کشف ہے اس کے مصنف نے بھی اس حدیث کو صحیح بخاری میں بتایا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

کہ وہ منقطع ہے اور اُس کا راوی غیر معروف ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس حدیث کا کہیں پتہ بھی نہیں۔

دوسرے جو لوگ فنِ حدیث سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں اُن پر ظاہر ہے کہ یہ حدیث اس[1] درجہ سے بہت دُور ہے کہ صحیح بخاری میں آسکے۔

تیسرے منقطع یا غیر معروف راوی کی حدیث کو بخاری کی شرط کے خلاف نہ سمجھنا بھی تعجب ہے۔

اسی کے قریب قریب وہ قصہ[2] بھی ہے جو علامہ ابن البغدادی سے وقوع میں آیا چھٹی صدی کا ذکر ہے کہ "شاہی دربار میں فقہاء لوگ جمع تھے۔ ایک اہل حدیث نے ان کے خلاف کسی مسئلہ پر صحیحین کی ایک حدیث سے استدلال کیا۔ علامہ ابن البغدادی حنفی اس کے جواب میں بولے۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ اس حدیث کو تو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے اور اُن صحیحین کی احادیث کی بابت مسلم ہے کہ کوئی ضعیف نہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن البغدادی نے فرمایا، بخاری اور مسلم میں تو امام ابوحنیفہ صاحب نے جرح کی ہے"۔ یہ کیسا تعجب خیز قصہ ہے۔

اوّل تو بلا تحقیق حدیث کو اپنے مخالف دیکھ کر غیر صحیح کہہ دیا۔

دوسرے بخاری و مسلم کو جن کی ثقاہت اور جلالت شان پر اجماع امت ہے مبتلا مجروح کہہ دیا۔

تیسرے امام صاحب کا بخاری و مسلم میں جرح کرنا کیسی عجیب بات ہے۔ امام صاحب پہلے وفات پاچکے۔ بخاری و مسلم اِن سے مدّت بعد پیدا ہوئے۔ پھر امام صاحب نے ان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اول غلطی غالباً انہیں نے کھائی انہیں کی تقلیداً تفتازانی نے بھی لکھ دیا اور خود بخاری کو کھول کر نہ دیکھا اور نہ ادر باتوں پر غور کیا جس کی وجہ تحقیقات حدیثیہ کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

[1] کتنے محدثین نے اس کو موضوع بنایا ہے۔

[2] التاج المکلل صفحہ ۱۳۱۔

پہلے سے کیسی جرح کررکھی۔

اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ فقیہ ابن البغدادی حنفی کو فن حدیث میں دخل نہ تھا، اس وجہ سے ایسا اُن سے وقوع میں آیا۔

علامہ[1] محمد بن علا حنفی بڑے متبحر عالم تھے۔ یہ ہندوستان میں بھی آئے اور ہند میں انھوں نے علم پھیلایا۔ بہت متورع عالم تھے۔ مگر علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ معرفت سنن و آثار سے دور ہونے کی وجہ سے کچھ خلاف اُمور کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور حدیث اور اہل حدیث سے انحراف رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ نووی کے بھی کلام کو دیکھنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ظاہری تھے۔

علامہ[2] احمد بن سلیمان حنفی ممالک روم میں ایک بہت مشہور عالم گزرے ہیں، جن کی تصانیف تین سو سے بھی زیادہ ہیں، دارالسلطنت میں برابر مفتی رہے۔ بایں ہمہ فن حدیث میں مہارت نہ رکھتے تھے، حدیث میں بہت[3] کم مایہ تھے۔

اسی طرح قاضی القضاۃ محمد بن عبداللہ حنفی مقدسی تمام علوم میں ماہر تھے اور تحصیل علوم میں انھوں نے بہت کچھ کوششیں کیں، لیکن حدیث میں دخل[4] نہ رکھتے تھے۔ جیسا کہ خود انھیں کے قول سے ثابت ہے۔

غرض ان تمام بیانوں سے بخوبی واضح ہے کہ اس وسطی زمانہ میں جو یہ تمام علماء و فقہاء و اصحاب تصنیف و تالیف گزرے ہیں اُن میں سے کسی کے بڑے بڑے القاب کے ساتھ ملقب ہونے یا معزز عہدوں پر ممتاز ہونے یا عرفی بڑے فقیہ مشہور ہونے یا صاحب تالیف و تصنیف ہونے یا امام و مجتہد فی المذہب یا بڑے عالم کہلانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ علم حدیث میں بھی ماہر یا اس سے واقف تھا۔ بلکہ کچھ شک نہیں کہ اس دوران کے اکثر علماء و فقہاء حدیث

---

[1] التاج المکلل صفحہ ۳۲۲ یہ آٹھویں صدی کے اخیر میں ہوئے ہیں۔

[2] ۹۴۰ھ میں وفات پائی فقہا کا ان پر بھی بہت اعتماد ہے دیکھو درمختار و شامی وغیرہ۔

[3] دیکھو الفوائد البہیہ للعلامۃ اللکھنوی۔

[4] دیکھو الفوائد البہیہ۔ انھوں نے ۸۲۷ھ میں وفات پائی۔

سے ناواقف رہے اور وہ اسباب مذکورہ کی وجہ سے علم حدیث میں دخل نہ پیدا کر سکے۔ بالخصوص فقہاء حنفیہ کا حدیث کے ساتھ اشتغال ہمیشہ ہی سے اور بھی کم رہا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف[1] میں تحریر فرمایا ہے۔

فقہاء[2] کا شغل احادیث سے علیحدہ رہنا اور احادیث کا تتبع نہ کرنا شاہ صاحب کے وصیت[3] نامہ سے بھی ظاہر ہے۔ پس اس صورت میں کوئی تعجب نہیں اگر فقہاء کسی ایسے مسئلہ کے قائل رہے جو دراصل حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان سے ایسا ان کے حدیث کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کرنے اور اس سے بے خبر رہنے کی وجہ سے وقوع میں آیا۔ لہٰذا ان بزرگوں پر نہ الزام عمداً ترک حدیث کا ہے اور نہ دھبہ بے فہمی کا۔

معرفتِ حدیث کے بعد تقلید سے علیحدگی:

اور جن لوگوں نے فن حدیث کی طرف توجہ کی اور اس کو حاصل کیا اور اس میں نظرِ تحقیق سے کام لیا تو اُن کی کسی طرح وہ حالت نہ رہی جیسے دوسرے مقلدین فقہاء کی ہے بلکہ جس نے جس قدر امام کے مذہب کی طرف داری کو علیحدہ رکھ کر انصاف و تحقیق سے کام لیا۔ بحسب اپنے انداز طبع اور انتقال ذہن کے اتنا ہی اُس کو اپنے امام کے ان مسائل سے جو بوجوہ مذکورہ حدیث کے خلاف ان سے وقوع میں آئے جن میں اہل حدیث کو کلام ہے علیحدہ ہونا پڑا۔ ہم اس بات کو اگر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ثابت کرنا چاہیں تو اس کے لیے ایک مستقل ضخیم کتاب چاہیے تاہم اس جگہ دو چار صاحبوں اور چند مسائل کو بطور مثال کے ذکر کیے دیتے ہیں۔

علامہ[4] منصور بن محمد متوفی ۵۸۹ھ حنفی المذہب تھے۔ اور حنفی مذہب کی تائید

---

[1] یہ عبارت حاشیہ صفحہ ۸۷ میں گزری۔

[2] یعنی فقہاء حنفیہ (ع، م)

[3] یہ عبارت عنقریب آتی ہے۔

[4] الفوائد البہیہ ترجمہ محمد بن الفضل۔

میں تیس۳۰ برس تک فریق مقابل سے مناظرے کرتے رہے۔ اتفاق کی بات ان کو حدیث کا شوق ہوا۔ کتب حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے اس سے ان کو حنفی مذہب سے بیدلی پیدا ہوئی۔ اسی عرصہ میں سفرِ حج کی نوبت آئی وہاں غالباً اہلِ حرمین یا دیگر ممالک کے علماء محدثین سے نوبت استفادہ کی پہنچی۔ اس سے ان کے خیالات وجدید معلومات کی اور تائید ہوئی۔ آخر انھوں نے ۲۶۸ھ میں اعلان کے ساتھ حنفی مذہب کو ترک کر دیا اور شافعی مذہب کے ساتھ جو نسبۃً حدیث کے ساتھ زائد موافق ہے اپنے آپ کو نامزد کیا۔ اور گو ان کے اس انتقال سے اُن کو سخت سخت مصائب کا سامنا ہوا اور اُن کے وطن کے عوام وخواص اُن کے دشمن ہو گئے۔ اور امیر بلخ سے اُن کی بابت تشدید کے احکام پہنچے۔ آخر وہ وہاں سے نکل گئے۔ مگر پھر بھی وہ اپنی تحقیقات سے ہٹے نہیں۔ اور اسی پر قائم رہے جو اُن کو ثابت ہوا تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے بسبب علوم حدیث میں دخل پیدا کیا اور مذاہب کو دلائل سے پڑتالا تو اُن کو محدثین ہی کا طریقہ پسند ہوا اور اس طرز عمل پر قائم رہے جو عموماً مقلدین کا ہے۔ چنانچہ وہ خود[1] تحریر فرماتے ہیں:

"وبعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ واصول فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشان ست قرارداد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد۔"

اور اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ وحدیث کردن ودر آنجا تفریعات فقہیہ برکتاب وسنت عرض نمودن وآنچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوندادن امت را ہیچ وقت ز عرض مجتہدات برکتاب وسنت استغناء حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء را کہ قول علمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن وبآں التفات نہ کردن وقرب خدا جستن بدوری ایناں۔"

---

[1] شاہ صاحب نے خود ہی اپنے ترجمہ میں ایک مختصر رسالہ لکھا ہے اُسی کی یہ عبارت ہے۔ (یعنی الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ص ۶)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور برصغیر ہند و پاک میں اشاعتِ حدیث:

شاہ صاحب کے اہل خاندان مثل شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب وغیرہم کا بھی تقریباً یہی رنگ تھا۔ اسی خاندان کے فیض و برکت سے ہندوستان میں بیشتر علمِ حدیث پھیلا۔ فنِ حدیث کے مسلسل شیوع اور اس کے اس چرچے کی اسی بابرکت خاندان سے ابتدا ہے۔ اس سے قبل ہندوستان میں علمِ حدیث کا رواج نہ تھا اور نہ عموماً ہند کے علماء حدیث میں دخل رکھتے تھے بلکہ ہندوستان میں ہمیشہ سے فقہ حنفی کا چرچا رہا اور اسی کی حکومت رہی اور اس میں تبحر کے اعتبار سے منقولی علم کے علماء نامدار ہوتے رہے۔ بمشکل سے متفرق وقتوں میں معدودے[1] چند افراد ایسے نکلتے ہیں جن[2] کے حدیث میں دخل کا پتہ ملتا ہے۔

---

[1] مثل علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ کہ انہوں نے سفر حرمین شریفین میں علم حدیث وہاں کے مشائخ مثل شیخ ابی عبیداللہ زبیدی اور سید عبداللہ عدنی اور شیخ جاراللہ مکی اور شیخ ابن حجر مکی اور شیخ علی مدنی وغیرہم سے حاصل کیا تھا۔ اور مثل شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ یہ بھی حرمین محترمین میں مدتوں رہے اور وہیں علم حدیث کی تکمیل کی۔ دیکھو مآثر الکرام وغیرہ ان کے فرزند علامہ نورالحق بھی مشہور علماء سے تھے۔

[2] یہ افراد بھی غالباً وہی ہیں جو دوسرے ممالک مثل حرمین شریفین وغیرہما کے سفروں میں وہاں کے محدثین سے علم حاصل کر کے ہندوستان میں آئے جیسا کہ تم ابھی پڑھ چکے ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی علم حدیث سفر حج میں مشائخ حرمین سے حاصل کیا جیسا کہ خود انہوں نے تحریر فرمایا ہے ان لوگوں کا عرب میں پہنچ کر یہ دولت حاصل کرنا اور علماء ہند سے اس کا نہ پا سکنا اور نیز ان پہلے کے بزرگوں سے پھر آگے کو علم حدیث کا سلسلہ نہ چلتا رہنا صاف دلیل ہے کہ ہندوستان کے اہل علم میں حدیث کا رواج نہ تھا اور نہ عموماً لوگوں کو اس کی طرف توجہ تھی علامہ محمد طاہر پٹنی نے بھی اپنی تالیفات میں اس کی طرف کئی جگہ اشارہ کیا ہے چنانچہ مجمع البحار میں ایک جگہ لکھتے ہیں ان ھم اھل البلاد انہ فاترۃ یعنے حدیث کی طرف ان بلاد کے لوگوں کے قصد سست ہیں اور لکھتے ہیں فمقتضی احوالہم ان یکون الکلام مقتصرا علی حل الغلق محلا دفاعنہ مالا یحظی الا من تبحر فی ھذا الفن وتاھل لتلک الزوائد یعنی ان لوگوں کے حال کے مناسب یہ ہے کہ نادر لفظوں کا مطلب کھول دیا جائے وہ زاید باتیں نہ لکھی جائیں جو اس (باقی برصفحہ آیندہ)

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حدیث کا عام رواج نہ تھا اور نہ مسلسل اُس کا سلسلہ قائم تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فن کے ماہریں کو سزا دیتے ہیں اور ان کو جو ان کے اہل ہیں (بر خلاف ہندوستان کے لوگوں کے) انتہی اور لکھتے ہیں لفقدمن ادا جعہ من الائمۃ الاعلام فی ھذہ البلدان انتہی یعنی ان بلاد میں (اس فن حدیث کا جاننے والا) کوئی بڑا عالم نہیں ہے جس کو میں یہ کتاب دکھا کر اصلاح لیتا انتہی علامہ موصوف کا وہ زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں اسلامی شوکت نہایت قوی تھی۔ اور شاہ اکبر اہل کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔ شاہ اکبر نے علامہ موصوف کا بھی بہت اعزاز کیا تھا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ دیکھو کتب تاریخ۔ اور علامہ موصوف مغنی میں لکھتے ہیں۔ بل لا نجد عزما تہم عن طلب نفس الحدیث الاجر باوالله المستعان علی ھذہ المصیبۃ القطعیۃ یعنے اس ملک کے لوگوں کے ارادے نفس حدیث کی طلب سے خالی ہیں (پھر اور زاید تحقیقات کا تو کیا ذکر) اس سخت بری مصیبت کے لئے اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے انتہی ان بیانات سے ہندوستان والوں کی حدیث کی طرف سے بے توجہی اور ان کا حدیث سے غیر ماہر رہنا ظاہر ہے۔ ملا جیون صاحب مؤلف نور الانوار کے جو کہ شاہ عالمگیر کے استاد بھی تھے حدیث میں دخل کا اندازہ تم پہلے کر چکے ہو۔ یہ باوجودیکہ عرب کو بھی گئے اور وہاں رہے جب بھی اس کی تحصیل کی طرف توجہ نہ کی جو بزرگ سلاطین کی استادی کے لئے منتخب تھے ان کی حدیث میں مہارت کا یہ حال تھا تو اور دن کا حال اسی پر اندازہ ہو سکتا ہے غرض۔۔ کوئی مبصر پہلے زمانے کے دور کو آنکھ کھول کر دیکھنے کے بعد اس میں شک نہیں کر سکتا کہ ہندوستان کے اندر گذشتہ زمانے میں ہمارے زمانہ کی طرح علم حدیث کے درس و.. تدریس کا رواج نہ تھا اور نہ یہ فن اس طرح عام و شائع تھا اسی وجہ سے پہلے زمانے کے لوگ ان مسائل سے جو اب فن حدیث کے شائع ہونے سے ظاہر ہوئے۔ عموماً ناواقف رہے پس ان لوگوں کے ان مسائل پر کاربند نہ ہونے یا اُن کے ان مسائل کے قائل نہ ہونے یا ان کے خلاف کے قائل ہونے پر کوئی تعجب نہیں لیکن جو لوگ واقعات پر غور نہیں کرتے ان کو تعجب ہے کہ ہندوستان میں اتنی مدت سے سلطنت اسلامی رہی اور ہندوستان میں بڑے بڑے عالم گزرے یہ نئی باتیں پہلے کبھی سننے (باقی بر صفحہ آئندہ)

جیسا کہ فنِ تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قوی شہادت یہ بھی موجود ہے کہ اگر ہندوستان میں لگاتار حدیث کا رواج رہا ہوتا تو آج ہم تحصیل و تکمیل علم حدیث کی بکثرت ایسی سندیں پاتے جو علماء ہندوستان کے سلسلہ سے ہم تک پہنچتیں۔ برخلاف اس کے ہم تو دیکھتے ہیں کہ دو ایک ناموں کے بعد عموماً سندوں میں عرب کو رجوع کر جاتا ہے اور آگے علماء ہندوستان کا نام نہیں آتا۔ حالانکہ اسلام اور اسلامی سلطنت کو ہندوستان میں آئے صدہا برس گزر گئے اور مدت سے ہندوستان علوم کا گھر اور علماء کا مرکز بنا رہا۔ لیکن ہم اور علوم کی طرح ہندوستان کے آثار باقیہ میں سے علمِ حدیث کا اثر و نشان نہیں پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہندوستان میں علمِ حدیث کا رواج ہی نہ تھا اور نہ عام طور پر لوگ اس میں دخل پیدا کرتے تھے اور یہ تو ابھی تھوڑے دنوں کی باتیں ہیں کہ بیشتر فنِ حدیث کے درس و تدریس کا مدار جہاں تک ہم جانتے ہیں مشکوٰۃ[1] شریف پر تھا۔ اور وہ بھی بطور تبرک کے اس کے پڑھنے پڑھانے والا محدث کہلاتا تھا۔ علمِ حدیث کے درس و تدریس کا اس کثرت سے رواج تھوڑے ہی عرصہ سے ہوا ہے۔

معمّر لوگوں کا مذہب اہلحدیث پر تعجّب کرنے کی وجہ:

اور چونکہ یہ رواج قریب زمانے سے ہے اس وجہ سے ہندوستان کے لوگ مسائل حدیثیہ اور مذہب اہل حدیث سے بالکل اجنبی ہیں، لہٰذا وہ مسائلِ حدیث سن کر بہت تعجّب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ بالخصوص معمّر لوگ کہ وہ بالکل ہی نظرِ انکار رکھتے ہیں، اور کسی طرح ان کو ماننا نہیں چاہتے۔ ان کو بڑا تعجّب یہ ہے کہ ہم نے بڑے بڑے عالم دیکھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں نہیں آئیں اگر یہ لوگ ان تمام واقعات و تحقیقات کو جو ہم نے لکھیں نظر غور و انصاف سے پڑھیں تو ان کے یہ سارے شبہے و تعجب انشاء اللہ رفع ہو جائیں۔

[1] شاہ صاحب نے جہاں اپنے تحصیل علوم کا حال لکھا ہے اور لکھا ہے کہ فنون متعارفہ سے بحسب رسم اہل دیار کے فراغت حاصل کی تو صرف مشکوٰۃ شریف اور بخاری تا کتاب الطہارت پڑھنا بتایا ہے اور اس سے بہت مدت کے بعد حرمین کے سفر کی نوبت آئی۔

ان سے ہم نے کبھی یہ باتیں نہیں سُنیں۔ حالانکہ وہ عالم ایسی حالت میں گزر گئے کہ اُن کو اُس علم میں جس کی بدولت ان تحقیقات پر دسترس ہوتی ہے۔ اس وقت تک اس کے شیوع عدم نہ ہونے کی وجہ سے دخل نہ ہُوا تھا۔ یا انھوں نے اس کو ایسی جدت کے زمانہ میں دیکھا کہ تعجب واجنبیت نے اُن کو آگے قدم نہ رکھنے دیا۔ یا ان وجوہ میں سے کوئی وجہ پیش آئی جو ہم آگے لکھنے والے ہیں۔

ہندوستان میں شیوع حدیث کے بعد ایک عظیم انقلاب :

بہر حال علمِ حدیث نے جب سے ہندوستان میں رواج پایا اور اس کا درس و تدریس جاری ہُوا اکثر اہلِ علم کے مسلک و تحقیق میں ایک عظیم انقلاب واقع ہو گیا اور اُن کی وہ حالت نہ رہی جو پہلے کے فقہاء مقلدین کی تھی۔ اور جوں جوں وہ حدیث کے اثر سے متاثر ہوتے جاتے ہیں محدثین کے مسلک کو اختیار کرتے جاتے ہیں اور اپنے امام کے ان مسائل کو جن میں محدثین اُن سے جُدا ہیں چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ تمام افراد اسی کی مثال ہیں جس کی مثالیں ہم یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں۔[1]

---

[1] کیونکہ ہندوستان کے جسقدر علماء اہل حدیث ہوئے۔ یا ہیں وہ سب پہلے حنفی ہی تھے یا حنفی گھرانے کے۔ علم حدیث کے درس و تدریس اور اس کے اثر نے ان کو ایسا بنا دیا۔ ہمارے شہر کے افضل مشائخ صوفیہ (نیا احسب) حضرت شاہ مولوی عبد الواجد خاں صاحب نقشبندی مجددی ادام اللہ فیوضہم جو ہمارے ہاں کے مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ کے رئیس بھی ہیں کیا خوب فرمایا کرتے ہیں جو حدیث پڑھے پڑھائے گا وہ کہانتک وہابی نہ ہوگا۔ حقیقت میں حدیث کا یہی اثر ہے اور بعض طبائع میں باوجودیکہ وہ حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں جو یہ اثر نہیں پیدا ہوتا تو ظاہر ہے کہ مجرد فاعل کے وجود سے اثر کا تحقق ضرر نہیں جب تک کہ قابل میں قابلیت اور وجود شرایط و دفع موانع نہ ہو۔ بلیت باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ؛ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ؛ ان شرائط و موانع کی شرح متفرق طور پر ہماری اس تحریر میں بھی بغور پڑھنے سے مل سکتی ہے با ایں ہمہ گو وہ اہل حدیث کی مخالفت کرتے ہیں تاہم اہلحدیث کے ساتھ اس سختی کا برتاؤ نہیں برت سکتے جیسا کہ بالکل ناواقف برتتے ہیں۔ ہم بعض علماء دیوبند (باقی برصفحہ آئندہ)

اور اسی مبحث کی ایک مثال مولانا عبدالحی صاحب مرحوم لکھنوی ہیں۔ جب اُنھوں نے علمِ حدیث میں مہارت حاصل کی تو اُن کو مسلک محدثین کے ساتھ موافقت اور اپنے امام سے بہت سے مسائل میں مخالفت کرنا پڑی۔ جیسا کہ اُن کی مصنفات شاہد ہیں بعض نظیریں ہم بھی آگے ذکر کریں گے اور وہ خود صاف طور سے لکھ رہے ہیں[1]:

"جو شخص نظر انصاف سے کام لے گا اور فقہ و اصول کے دریاؤں میں طرف داری سے علیحدہ ہو کر غوطے لگائے گا وہ یقیناً جان لے گا کہ اکثر مسائل فرعیہ فقہیہ اور اصلیہ جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے تو محدثین ہی کا مذہب ان مسائل میں اُن کے غیر سے قوی تر ہے اور میں جب اختلاف کی گھاٹیوں میں سیر کرتا ہوں تو محدثین کا قول اختلافی بات میں انصاف سے قریب پاتا ہوں۔ پس اللہ ہی کے لیے ہے خوبی اُن کی اور اسی کے ذمہ ہے قدردانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وغیرہم کو جانتے ہیں کہ گو وہ ایک حد تک اہل حدیث سے علیحدہ ہیں مگر وہ اہلحدیث کے ساتھ اس طرح نہیں پیش آتے جیسے اور لوگ پیش آتے ہیں۔ بلکہ وہ اہلحدیث کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی انکار نہیں رکھتے یہ ان کے علم و انصاف کا اثر ہے۔ کاش مسلمانوں کی خوش قسمتی سے عموماً مسلمانوں میں مسائل فرعیہ کے اختلافات کے موقعوں میں ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ وہ اس قسم کے اختلافوں کو ویسا ہی سمجھیں جیسا کہ سلف کے بزرگوں میں تھا کہ باوجود باہم بکثرت اختلاف آرا کے الفت و محبت آپس میں ویسی ہی رکھتے تھے جیسے مسلمانوں کو باہم رکھنا چاہیئے اگر ایسا ہو جائے تو کاہے کو یہ روز کے فتنے جھگڑے ہوں۔

[1] دیکھو امام الکلام کی عبارت یہ ہے من نظر بنظر الانصاف وغاص فی بحار الفقہ والاصول متجنبا عن الاعتساف یعلم علما یقینا ان اکثر المسائل الفرعیۃ والاصلیۃ التی اختلف العلماء فیہا فمذہب المحدثین فیہا اقوی من مذاہب غیرہم وانی کلما اسیر فی شعب الاختلاف اجد قول المحدثین فیہ قریبا من الانصاف فللہ درہم وعلیہ شکرہم کیف لا وہم ورثۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقا ونواب شرعہ صدقا حشرنا اللہ فی زمرتہم واماتنا علی حبہم وسیرتہم انتہی۔

اُن کی۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ وہی لوگ حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں اور اس کی شریعت کے سچے نواب ہیں۔ اللہ میرا حشر اُن کے ہی زمرہ میں کرے اور مجھ کو اُن کی محبت اور اُن کے طریقے پر دُنیا سے اُٹھائے۔"

چونکہ مولانا مرحوم صاحب نے حدیث سے واقفیت پیدا کی اور نظر اعتدال سے کام لیا۔ اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ اہل حدیث ہی کا مذہب ان کے فریقِ مقابل کے مقابلہ میں صحیح تر ہے۔ اسی طرح اور محققین کا یہی حال ہے۔ غرض کہ ان مسائل میں جن میں اہل حدیث کو خلاف ہے واقفیت حاصل کرنے والوں کو بحسب موافقت اسباب ضرور اپنے امام کے قول سے علیحدہ[1] ہونا پڑا۔ نظیر کے طور پر انھیں مسائل کو جن میں آج کل بہت کچھ جھگڑا کیا جاتا ہے اور اُن پر عمل کرنے والوں کو سخت بُری بُری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے دیکھو:

رفع الیدین وغیرہ اختلافی مسائل میں مذہبِ حق کا اعتراف:

۱۔ رفع الیدین:

حنفی مذہب ہے کہ سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین نہ کیا جائے۔ لیکن عصام[2] بن یوسف بلخی جو طبقات حنفیہ میں شمار ہیں، رفع الیدین کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ حدیث سے واقف تھے۔ ان کو اُس کا ثبوت ہو گیا تھا۔ اور شیخ عبد[3] الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: "مارا ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم"۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں[4]: "حق میرے نزدیک اس قسم کے مواقع میں یہ ہے کہ سب طریقے سنت ہیں۔ اس کی مثال وتر جیسے

---

[1] امام طحاوی کا مذہب حنفی کی بکثرت مخالفت کرنا تم پہلے پڑھ چکے ہو۔

[2] دیکھو الفوائد البہیہ از طبقات قاری عبارت یہ ہے دکان صاحب حدیث یرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الراس منہ انتہی یعنے رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

[3] دیکھو شرح سفر السعادت۔

[4] حجۃ اللہ کی عبارت یہ ہے والحق عندی فی مثل ذلک ان الکل سنۃ ونظیرہ الوتر برکعۃ واحدۃ و بثلاث والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر و اثبت انتہی ص۲۰۶۔

ایک رکعت کے ساتھ اور تین رکعت کے ساتھ، سب طرح درست ہے۔ اور جو شخص رفع الیدین کرتا ہے وہ مجھ کو زیادہ محبوب ہے اُس شخص سے جو نہیں کرتا۔ کیونکہ رفع الیدین کے ثبوت کی حدیثیں شمار میں اور قوت میں، دونوں باتوں میں بڑھ کر ہیں۔" اور جناب مولوی عبدالحی صاحب مرحوم لکھتے ہیں[۱]:

"جس قدر اس بارے میں تحقیق سے ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رفع الیدین کا ثبوت اور ترک دونوں ثابت ہیں مگر رفع الیدین کے ثبوت کے روایت کرنے والے صحابہ ایک جماعت کثیر ہیں اور ترک کے روایت کرنے والے جماعت قلیل۔ اور باوجود اس قلت کے بجز ابن مسعودؓ کی روایت کے اور کی روایتوں کی سندیں بھی صحیح نہیں اور خود ابن مسعودؓ اور اُن کے شاگردوں سے بھی ترک معتبر سندوں سے ثابت نہیں۔ پس ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ رفع الیدین سنت تو ہے لیکن سنت مؤکدہ نہیں کہ جس کے ترک کرنے والے کو ملامت کی جائے۔ مگر پیغمبر صاحبؐ سے رفع الیدین کا ثبوت زیادہ[۲] تر اور راجح تر ہے۔"

---

[۱] دیکھو التعلیق الممجد عبارت یہ ہے والقدر المتحقق فی ھذا الباب ھو ثبوت الرفع وترکہ کلیھما عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا ان رواۃ الرفع من الصحابۃ جم غفیر ورواۃ الترک جماعۃ قلیلۃ مع عدم صحۃ الطرق عنھم الا عن ابن مسعود وکذالک ثبت الترک عن ابن مسعود واصحابہ فاذا نختار ان الرفع لیس بسنۃ مؤکدۃ یلام تارکھا الا ان ثبوتہ عن النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر وارجح ۱۲ انتھی۔

[۲] علامہ مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس سفر سعادت میں لکھتے ہیں کہ رفع الیدین کے ثبوت میں۔ بہم دا حتیں صحیح ثابت ہوئی ہیں انتہی اور جلال الدین سیوطی نے رفع الیدین کی حدیث کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا۔ رفع الیدین کی روایت تمام عشرہ مبشرہ سے ثابت ہے ایسی دوسری کوئی روایت بہت کم ہوسکتی ہے اور بیہقی کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ رفع الیدین پیغمبر صاحبؐ نے اپنی وفات تک کیا لہذا منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں رہا اس کے علاوہ مجرد دعویٰ نسخ سے نسخ ثابت نہیں ہوسکتا۔

۲۔آمین بالجہر:

حنفی مذہب ہے کہ زور سے آمین نہ کہی جائے بلکہ چپکے کہی جائے۔ لیکن ابن الہمام حنفی فتح القدیر[1] شرح ہدایہ میں اس کی بحث لکھنے کے بعد جو اپنی تحقیق ورائے بتاتے ہیں وہ آمین بالجہر ہے۔ اور امیر ابن الحاج حلیہ شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں[2]: "ہمارے مشائخ حنفیہ نے جو اپنے مذہب آمین بالخفا کی دلیل کی ترجیح بیان کی وہ غور کرنے والے کے سامنے نقصان سے خالی نہیں۔ اس کے بعد ابن الہمام کی ترجیح آمین بالجہر والے قول کو نقل کیا۔ علامہ زیلعی[3] نے بھی آمین بالخفا کی حدیث کی تضعیف کی اور آمین بالجہر کی حدیث کی تصحیح۔ اور شاہ عبدالحق دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں[4]۔ "ظاہر یہ ہے کہ دونوں طور پر سمجھا جائے۔ کبھی یہ کبھی وہ"۔ اور اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں: "حدیث در جانب جہر بلبشتر وصحیح تر آمدہ"۔ اور علامہ لکھنوی مرحوم لکھتے ہیں[5]: "انصاف یہ ہے کہ دلیل کی رُو سے زور سے آمین کہنا قوی ہے"۔

۳۔فاتحہ خلف الامام:

حنفی مذہب ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنا منع ہے خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ لیکن عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں[6]: "ہمارے بعض مشائخ اُس کو پیچھے امام کے سورہ فاتحہ پڑھ لینے کو احتیاطاً پسند کرتے ہیں سب نمازوں میں اور بعض مشائخ صرف سری نماز میں۔ فقہاء حجاز و شام اسی پر ہیں"۔

---

[1] دیکھو جلد اول صہ ۱۲۱ مطبوعہ مطبع نولکشور۔

[2] عبارت یہ ہے وترجیح مشائخنا ما للمذہب بما لا یعری عن شئ لتا ملہ انتہی۔

[3] دیکھو تخریج ہدایہ۔

[4] عبارت یہ ہے والظاہر الحمل علی کلا العملین تارۃ فتارۃ انتہی۔

[5] التعلیق الممجد۔ عبارت یہ ہے والانصاف ان الجہر اقوی من حیث الدلیل انتہی۔

[6] عبارت یہ ہے وبعض مشائخنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوۃ وبعضہم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام۔ انتہی۔

اور ملا جیون تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں[1]: "اگر تم گروہ صوفیہ اور مشائخ حنفیہ کو دیکھو تو پاؤ گے کہ وہ مقتدی کے لیے فاتحہ کا پڑھنا مستحسن رکھتے ہیں، جیسا کہ امام محمد نے اس کو مستحسن رکھا ہے احتیاطاً"۔ شاہ ولی اللہ صاحب بھی[2] مقتدی کے لیے جواز قراءۃ فاتحہ کے قائل تھے خواہ نماز سری ہو یا جہری لیکن جہری میں سکتات امام کے وقت پڑھے۔ یہی[3] مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے بھی اختیار فرمایا۔ حضرت[4] مرزا مظہر جانِ جاناں صاحب بھی سریہ میں قراءۃ کو افضل فرماتے تھے۔

۴۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا:

وضع الایدی علی الصدر۔ حنفی مذہب ہے کہ نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھے جاویں، لیکن حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔ چنانچہ معمولات مظہریہ میں ہے: "و دست برابر سینہ می بستند و مے فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف"۔ مولنا عبدالحی صاحب مرحوم[5] نے پیغمبر صاحبؐ کے ناف کے اوپر سینہ کے پاس ہاتھ باندھنے کے ثبوت کا اقرار کیا ہے[6]۔ یہ چار مسئلے ہم نے صرف بطور مثال کے لکھے۔ ورنہ مسائل اس قسم کے ہزاروں ہیں جن میں واقفیت حاصل کرنے والوں نے اپنے امام کے مذہب کے خلاف کی حقانیت کا اقرار کیا اور اس کو اختیار کیا ہے۔

---

[1] عبارت یہ ہے فان رایت الطائفۃ الصوفیۃ والمشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمد ایضا احتیاطا انتھی۔

[2] حجۃ اللہ صفحہ ۲۰۷ صدیقی مطبع۔

[3] دیکھو التعلیق الممجد وغیرہ ۱۲۔

[4] دیکھو معمولات مظہریہ۔

[5] عمدۃ الرعایہ۔

[6] مولوی رشید احمد صاحب نے جو ان چاروں مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کے صحت و ثبوت کا اقرار کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے اگر وہ اسی طرح ہے جیسا کہ ایک عالم بمقتضائے تحقیق (باقی بر صفحہ آئندہ)

فقہ کے خلافِ حدیث مسائل اور فقہاء کا طرزِ عمل :

لیکن افسوس ہے کہ اس سے اصل مذہب کو فائدہ نہ پہنچا۔ اگر اس قسم کے فقہائے کے اقوال اس مذہب میں شامل کر لیے جاتے اور فقہ کی ان کتابوں میں جن پر مدارِ عمل ہے داخل ہو جاتے اور وہ مسائل جو خلافِ حدیث ثابت ہوئے تھے خارج کر دیے جاتے تو ان مذاہب کی بہت کچھ اصلاح ہو گئی ہوتی۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔ انھیں مسائل کو دیکھو جن کو ہم نے نظیر کے طور پر پیش کیا ہے۔ باوجودیکہ کیسے کیسے بزرگانِ قوم اور عالی پایہ فقہاء نے اُن کی صحت کا اقرار کیا لیکن عموماً مقلّدین کا ان پر عمل کرنے سے جو انکار ہے اور اُن پر عمل کرنے والوں سے جو نفرت ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے۔

فقہ حنفی سے تخاطب کی وجہ :

یہ مسئلہ ہم نے بالتخصیص حنفی مذہب کے متعلق اس وجہ سے بیان کیں کہ بیشتر ہمارا روئے سخن حنفیہ کی طرف ہے۔ کیونکہ عموماً وہی ہمارے ہم ملک ہیں جن کے ساتھ ہم کو تخاطب ہے اور یہی وجہ دیگر مباحث میں بھی انھیں کے متعلق زیادہ کلام کرنے کی ہے۔ ورنہ مثالیں ہمارے سامنے دوسرے مذاہب کی بھی موجود ہیں۔ جن میں ان کے واقف کار علماء نے دلائل حدیثیہ کی وجہ سے اپنے مذہب سے علیحدگی کی ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس قسم کے علماء بقدر حصہ رسدی بہ نسبت مقلد کہے جانے کے زیادہ مستحق ہیں کہ اُن کو اہل حدیث کہا جائے۔ الحاصل فن حدیث کے مدوّن ہو جانے کے بعد فقہاء مقلّدین کا ان مسائل پر قائم رہنا جو تحقیق سے حدیث کے خلاف ثابت ہوتے ہیں محل تعجب نہیں، اس لیے کہ عموماً فقہاء[1] بوجوہ چند در چند

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اقرار کرتا ہے (نہ اس وجہ سے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جس کے ثبوت میں ہمارے پاس کئی دلیلیں موجود ہیں) تو وہ بھی اس موقع پر ذکر کئے جانے کی ایک حد تک مناسبت رکھتا ہے اور اس صورت میں ہم اپنی مذکورہ بالا وجہ کو گو ہمارے پاس اس کا ثبوت بھی معذرت کے ساتھ واپس لیں گے۔

ایک اسلامی برکت :

[1] اسلامی برکتوں میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس میں بغرض حفظ دین و احقاق حق اصلی (باقی بر صفحہ آیندہ)

حدیث میں دخل نہ پیدا کرسکے۔ لہٰذا ان کے حق میں اُس کا مدوّن ہونا نہ ہونا یکساں ہے اور جنھوں نے محدّثین کی طرح حدیث میں دخل پیدا کیا تو وہ لوگ ان مسائل پر دیگر مقلّدین کی طرح قائم نہ رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) واقعات کے اظہار میں حرج نہیں سمجھا گیا اسی وجہ سے ہمیشہ بھلی بات ہو یا بری خواہ کسی بڑے کے متعلق ہو یا چھوٹے کے علماء اسلام صاف صاف ظاہر کرتے رہے فن رجال میں جس پر حدیث کا مدار ہے یہی بحث ہے۔ یہی وہ صفائی ہے جس نے باوجود بعد زمانہ اور طرح طرح کے انقلابات کے اہل دین کو محفوظ رکھا۔ ہم نے جو حضرت امام صاحب یا فقہا کی بابت حدیث کے متعلق بحث لکھی وہ بھی اسی غرض سے اور اسی طور پر ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہماری فقہاء رحمہم اللہ سے نہ کوئی عداوت ہے اور نہ کوئی اور ایسا تعلق ہے جس سے ہم ان کی عیب گیری کے درپے ہوں بلکہ علاوہ اس کے کہ وہ بزرگان کرام ہمارے پیشوا اور معزز گروہ اہل علم میں سے ہمارے پیشرو ہیں۔ ہم ان کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہوسکتے ہم ان کے علم اور ان کی تصانیف سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اور حقیقت میں کبھی متاخر طبقہ متقدم طبقہ کے احسانات کو فراموش نہیں کرسکتا کیونکہ انہیں کے توسط سے اس نے دین پایا ہے اور انہیں کا طفیلی ہے۔ پھر کس مُنہ سے ان کی توہین کرسکتا ہے اور بڑا بد نصیب ہے جو علماء سلف کے ساتھ بے ادبی کرے۔ لہٰذا ہر مومن کو لازم ہے کہ تمام علماء کا ادب ملحوظ رکھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ بے ادب ہونے۔ اور علماء سابقین کی تعظیم ملحوظ نہ رکھنے والے اور ان کی بدگوئی کرنے والے کا نور ایمان جاتا رہتا ہے اور فرضاً اگر ان میں سے کسی میں کوئی ایسی بات ہو بھی جو نہ ہونا چاہیئے تھی تو ہم کو اس میں پڑنے کی کیا ضرورت۔ ان کا معاملہ ان کے اپنے ربّ کے ساتھ ہے فانہم قد افضوا الی ما قدموا اس کے علاوہ اگر غور کیا جائے تو ان سے صدہا درجہ زاید ہم میں عیب ہیں بہرحال حرام اور قطعاً ناجائز ہے کہ کوئی شخص کسی عالم کی نسبت بلا اس خاص ضرورت و نیت کے جو ہم پہلے ذکر کر چکے کوئی بات منہ سے نکالے گو وہ بات واقعی ہو۔ اور اس خاص ضرورت میں بھی لائق نہیں کہ عیب گیری کے عنوان میں بیان کرے۔ الا ہمارا اس پر بھی اس بحث کے لکھنے سے دل متنفر تھا اور اللہ تعالیٰ شاہد ہے ہم نے بعض اس کے متعلق بیانات جان کر چھوڑ دیئے۔ پھر بھی ہم ڈرتے ہیں کہ کوئی ناحق پسند (باقی بر صفحہ آئندہ)

فقہ پر اصرار کے مختلف وجوہ :

ایک بات اور ہے ۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ افراد انسانی طبائع کی وضع و انداز میں مختلف واقع ہوئے ہیں ۔ بعض طبیعتیں توسط، سلامت روی، انصاف پسندی کا حصہ وافر رکھتی ہیں اور بعض اس وصف وشان کی نہیں ہوتیں ۔ اسی طرح بعض مزاجوں میں ایک قسم کی سختی ۔ جس مذہب میں پیدا ہوئے ہیں یا جس کی طرف منسوب ہیں اس کا پاس اور اس کی طرفداری مرکوز ہوتی ہے اور وہ اس کے درست ثابت کرنے میں ایک حد تک ساعی رہتے ہیں اور بعض ایسے نہیں ہوتے بلکہ وہ تحقیق کے سامنے ذرا بھی ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے ۔ اس وجہ سے بہت ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ کے جس قدر دلائل ہوتے ہیں وہ سب فراہم وموجود ہوتے ہیں لیکن نتیجہ ان سے مختلف اخذ کیا جاتا ہے اور مختلف الطبائع اہل علم اس میں باہم مختلف رہتے ہیں ۔ حالانکہ فریقین اس کے تمام دلائل ووجوہات کو دیکھ رہے ہیں ۔ زمانہ مابعد میں آپس میں خلاف قائم رہنے کی ایک یہ بھی وجہ ہے ۔ ہم نہیں کہتے کہ ان فریقین میں سے کوئی فریق جان بوجھ کر حق سے انکار کرتا ہے یا عمداً صحیح بات کا رد کرتا ہے ۔ بلکہ ان کی طبیعت کا انداز ہے کہ اُن کو وہی صحیح بتاتا ہے جس پر وہ قائم ہیں ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ نفس الامر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس محققانہ بحث کو پڑھ کر کہیں جوش تعصب میں ہمارا بدلہ پورا کرنے کے لئے محدثین کی عیب چینی کرکے اپنے آپ کو گنہگار نہ بنائے مگر یاد رہے اگر وہ کسی محدث کی عیب چینی ان کی درایت میں کرے تو ہم کب محدثین کو درایت میں معصوم قرار دیتے ہیں ۔ اور اگر روایت کی رو سے ان کی عیب چینی کرکے ان کو روایۃً بے لغیا ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ ہم کو نہیں ستائے گا بلکہ وہ اسلام کو ڈھانے کا قصد کرتا ہے اور اگر کسی کو ہمارا ہی دل دکھانا منظور ہے تو ہم خود اس کو گر بتائے دیتے ہیں ۔ محدثین ہوں یا فقہاء جس کسی کی نسبت خواہ مدح کی ہو یا ذم کی وہ بات کہی جائے جو واقعی ہے اس سے کبھی ہمارا دل نہیں دکھنے کا اور ان میں سے کسی صاحب کی بابت وہ بات کہی جائے جو واقعی نہیں اس سے ضرور ہمارا دل دکھے گا ۔ لہٰذا اگر ان کو ہمارا ہی دل دکھانا منظور ہے بس خلاف واقع باتیں لکھیں ۔ اور ہم قسمیہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان بیانات سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ہم ناحق کسی کا دل دکھائیں ۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو خود گنہگار ہیں ۔

میں حق پر ایک ہی ہوتا ہے ۔ اور بعض دوسرے فریق پر تشدد برتنے یا متعصب ہونے وغیرہ کا اطلاق ہوتا ہے ۔ چنانچہ مثالاً ہم بعض اصحاب کے نام یہاں پر بتاتے ہیں ۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فوائد بہیہ[1] میں لکھتے ہیں[2] : کہ "ملک عیسیٰ بن سیف الدین حنفی المذہب تھے ۔ اپنے مذہب میں متعصب تھے ۔ طبقات ملا علی قاری حنفی میں ہے ۔ مذہب ابی حنیفہ کے اندر تعصب میں بڑے غالی تھے ۔" محمد بن شجاع حنفی، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں[3] : "علم کے دریاؤں میں سے تھے ۔ ان کی تصنیف تصحیح الآثار، کتاب النوادر وغیرہ ہے ۔ زکریا بن محمد ساجی کہتے ہیں، محمد بن شجاع بڑے جھوٹے تھے ۔ امام ابو حنیفہ کے مذہب کی نصرت کے لیے حدیث رسول کے ابطال میں حیلے بناتے تھے ۔" شیخ الاسلام احمد بن محمد حنفی فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں[4] : "ذہبی نے سمعانی سے نقل کیا کہ آخر میں اُن کو مذہبی تعصب بہت ہو گیا تھا ۔ یہاں تک اس کا نتیجہ پہنچا کہ علماء کو وحشت میں ڈال دیا اور قوموں میں عداوت پھیلا دی ۔ حتیٰ کہ منبروں پر بیٹھ کر لعنت کی نوبت پہنچی ۔"

---

[1] اس موقع پر ہم نے فواید بہیہ سے نقل کرنا اس وجہ سے زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم کی تالیف ہے جو خود اپنے آپ کو حنفی لکھتے تھے اور اصل میں تھے بھی حنفی ۔ انہوں نے حنفی مذہب سے جہاں جہاں تجاوز کیا تو جبھی کیا ہے کہ ان کی تحقیقات اور ان کا علم اس پر قائم رہنے کی ذرا بھی ان کو گنجایش نہ دیتا تھا ۔ اور کچھ شک نہیں کہ حنفیہ کے لئے ان کا وجود قابل فخر ہے ۔

[2] عبارت یہ ہے کان حنفی المذھب متعصبا لمذھبہ فی طبقات للقاری کان متغالیا فی التعصب لمذھب ابی حنیفۃ انتھیٰ ۔

[3] عبارت یہ ہے من بحور العلم لہ کتاب تصحیح الآثار وکتاب النوادر وغیرہ قال زکریا ابن محمد الساجی فاما محمد بن شجاع کان کذابا احتال فی ابطال حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصرۃ لابی حنیفۃ ۔ انتھیٰ ملخصاً ۔

[4] عبارت یہ ہے قال الذھبی عن ابن السمعانی تعصب باخرہ فی المذھب حتی ادی الی ایحاش العلماء واغراء الطوائف حتی لعنوا علی المنابر انتھیٰ ۔

امیر کاتب عمید، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں[1]: "حنفیوں کے اندر سردار تھے۔ لغت و فقہ میں پیش پیش تھے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا جانتے تھے۔ مخالفین کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کے الفاظ جو ان کی تصانیف مثل شرح منتخب حسامی اور شرح ہدایہ میں واقع ہیں وہ اس پر دلالت کرتے ہیں، اپنے مخالف کے ساتھ زبان درازی کرنے والے تھے۔ شافعیہ کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔ اس میں انھوں نے بڑی کوشش کی، رفع الیدین کرنے سے نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم لگا دیا تھا۔ آخر سبکی نے ان کا رد کیا، تب انھوں نے اس مسئلہ سے رجوع کیا۔" محمود ابن احمد عینی حنفی، فوائد بہیہ میں لکھتے ہیں[2]: "اگر دین میں تعصب مذہبی کی بو نہ ہوتی تو یہ بہت اچھے آدمی تھے۔" ملا علی قاری، مقدمہ التعلیق الممجد علی مؤطا محمد میں ملا علی قاری کی تصانیف کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں[3]: "ان کی بعض تصانیف میں جو مذہبی تعصب کی بو ہے اگر وہ نہ ہوتی تو بہت اچھی ہوتیں۔" اسی قسم کے الفاظ امام[4] طحاوی اور ابن الہمام کی نسبت بھی کہے گئے ہیں۔

اس قسم اور اس وضع و انداز کے لوگوں میں سے اگر کسی نے اپنے مذہب کے خلاف کسی مسئلہ کا اقرار کیا تو وہ تو بہت ہی قابلِ قدر ہے۔ لیکن جن مسائل میں جن میں فریقِ مقابل کے پاس قوی دلائل موجود ہیں، انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایک منصف مزاج کے نزدیک ان کا ایسا نہ کرنا گو وہ لوگ حدیث میں دخل رکھتے ہوں۔ کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ان کی باوجود حدیث دانی کے اگر وہ حدیث دان تھے حدیث کے خلاف کہتے رہنے پر کوئی تعجب ہے۔

---

[1] کان راسا فی الحنفیۃ بارعا فی الفقہ واللغۃ کثیر الاعجاب بنفسہ شدید التعصب علی من خالفہ یدل علیہ کلماتہ الواقعۃ فی تصانیفہ کشرح المنتخب الحسامی وشرح الھدایۃ بسیط اللسان علی من خالفہ معادیا الشافعیۃ واجتھد فی ذلک حکم ببطلان الصلوۃ برفع الیدین فرد علیہ السبکی فرجع انتہی۔

[2] ولو لم یکن فیہ رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجود واجود انتہی۔

[3] ولولا ما فی بعضہا من رائحۃ التعصب المذھبی لکان اجود واجود انتہی۔

[4] چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا دیکھو حاشیہ ص ۲۳۱، ۲۳۲

کیونکہ یہ اُن کی طبیعت کے خاص انداز کا اثر ہے۔ پس نہ ہم اُن کو مخالفتِ حدیث کا الزام دے سکتے ہیں اور نہ قابلِ تعجب کج فہمی یا بے فہمی کے عمل میں لانے کا۔

اس خاص وضع و انداز کے سوا ایک بات اور بھی ہے۔ بعض اوقات آدمی کسی مسئلہ کی بابت دلائل سُنتا اور دیکھتا ہے۔ اور وجہ استدلال بھی اُس کو معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن ان دلائل سے اس نتیجہ کی طرف کہ دوسرا اس کو صاف دیکھ رہا ہے۔ اُس کا ذہن منتقل نہیں ہوتا، اور نہ وہ مسئلہ اس طور پر اُس کے ذہن میں سماتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ اپنے فریق مقابل کے دلائل کا کوئی کافی جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اُس کے مقابلہ میں کوئی قوی دلیل لا سکتا ہے۔ لیکن اس کی بات کو اُس کی طبیعت قبول نہیں کرتی اور نہ اُس کی عقل میں آتی ہے لہٰذا وہ اُس کو نہیں مانتا۔ بلکہ اس کے خلاف پر قائم رہتا ہے۔

صحابہ[1] میں بھی ایسا پیش آیا ہے کہ باہم مناظرہ ہوا اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل و وجوہ بیان کیے۔ پھر بھی ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا۔ حالانکہ ان کے پاکیزہ نفوس تعصب و سخن پروری و انکار حق وغیرہ ہر قسم کے عیب سے پاک تھے، پھر کیوں نہ انھوں نے باہم فیصلہ کر لیا اور اختلاف کو اُٹھا دیا۔

خود امام[2] ابو حنیفہ صاحبؒ کو دیکھو کہ وہ اور ان کے شاگرد ایک وقت میں موجود

---

[1] دیکھو مسئلہ تیمم جنب وغیرہ۔

[2] نعمانی امام صاحب کے بشرکت اپنے شاگردوں کے تدوین فقہ کی بابت لکھتے ہیں۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا۔ اگر اس کے جواب میں سب متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب غور و تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے۔ اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے انتہیٰ (ص۲۰)

چونکہ محققین کی تصریح سے ثابت ہے کہ صاحبین کا امام صاحب سے دو تہائی مذہب میں خلاف ہے اس سے ظاہر ہے کہ اختلاف والی اور اپنی اپنی رائے پر قائم رہنے والی صورت بکثرت واقع ہوئی۔

تھے اور ہر ایک نے دوسرے کے دلائل جو ان کے پاس تھے دیکھے اور سُنے۔ تاہم بکثرت ایسے مسائل ہیں جن میں ہر ایک اپنی اپنی رائے پر قائم رہا اور ایک نے دوسرے کی نہ مانی۔ حالانکہ ان حضرات کی نسبت نہ انکارِ حق کا عمداً اور نہ پاسِ سخن کا، اور نہ تعصبِ مذہبی کا اور نہ نافہمی کا۔ اور نہ اس قسم کی اور کسی بات کا گمان کیا جا سکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں اتفاق رائے نہ ہو گیا۔ اگر کسی اصولی مسئلہ پر بناءِ خلاف تھی تو اس اصولی مسئلہ کا تصفیہ کیوں طے کر لیا۔ اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ہر ایک کے انتقالِ ذہنی اور طبیعت کی خاص وضع کا اثر ہے جو ہر ایک کو وہی صحیح اور درست دکھاتا تھا جو ان کے ذہن میں تھا۔ اور دوسرے کی بات کو اُن کی عقل قبول نہ کرتی تھی۔ گو نفس الامر میں وہی حق ہو اور گو اُس کے سارے دلائل بھی سُن لیے ہوں، پس کچھ ضرور نہیں کہ فنِ حدیث مدوّن ہو جانے اور دلائل حدیثیہ دیکھ لینے کے بعد بھی کسی شخص کا باعتبار نفس الامر کے کسی مسئلہ کے خلاف رہنا ناممکن ہو۔ لہٰذا فقہاء کے ایسے مسائل پر قائم رہنے میں جن کو اہلِ حدیث دلائل کے ساتھ مخالف حدیث ثابت کرتے ہیں کوئی تعجب[1] یا استبعاد نہیں۔

---

[1] ممکن ہے کہ اس بات کو کوئی شخص اہلِ حدیث کی بابت پیش کر کے ہم پر اعتراض کرے لیکن اُس جگہ ہم اس کی تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں پاتے ہم کو تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ فنِ حدیث مدوّن ہو جانے کے بعد فقہا کا گو ہم تسلیم کر لیں کہ وہ ان دلائل سے جو آج اہلِ حدیث پیش کرتے ہیں واقف ہو گئے تھے ان دلائل کے خلاف اپنے مذہب پر قائم رہنا اور اسی کا ان کے ذہن میں سمانا نہ مخالف بات کا مستبعد نہیں پس حدیث مدوّن ہو جانے کے بعد فقہاء کے ایک مسئلہ پر قائم رہنے سے اس کے خلاف کے صحیح ہونے کو ناممکن یا تعجب خیز امر سمجھنا غیر صحیح ہے رہی یہ بات کہ اہلِ حدیث کا بھی اسی طرح کسی مسئلہ میں باوجود احادیث جاننے کے نفس الامر کے اعتبار سے غلطی پر قائم ہونا ممکن ہے تو ہم کو اس امکان سے کب انکار ہے ہم تو کہتے ہیں جو تم قرآن و حدیث سے ثابت کردو ہم تسلیم کرنے کو موجود ہیں ہم کبھی یہ نہ کہیں گے کہ یہ مسئلہ اگر یوں صحیح نہ ہوتا تو فلاں صاحب کیسے اس کے قائل ہوتے باقی اس کی بابت اور بھی ہمیں کچھ کہنا ہے۔ جس کو تنگی مقام لکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔

۲۔ عقیدت و حسنِ ظن میں افراط:

وجہ[1] دوم، چونکہ تقلید کی بنا حسنِ ظن پر ہے۔ مقلدین جس کی تقلید کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ کمال عقیدت رکھتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے امام بتاتے ہیں وہ بالکل صحیح و درست اور وہی اللہ و رسول کا حکم ہے اور گو امکانی طور پر کہا جاتا ہے کہ مجتہد سے اجتہاد میں احتمال خطا ہے۔ مگر وقوعی طور پر اور دل میں امام کے ساتھ کمال حسن عقیدت اور اُن کی وقت نظر اور بلاغ علمی اور وسعت معلومات اور عظمتِ شان پر نظر کر کے یہ کبھی خیال نہیں جاتا کہ کوئی مسئلہ اُن کا خلاف قرآن و حدیث ہوگا۔ بلکہ جو کچھ انھوں نے ارشاد فرمایا ضروری العمل اور واجب[2] التسلیم ہے۔ اسی واسطے کبھی اس بات کا قصد نہ کیا گیا کہ اُن کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر حدیث سے مطابق کریں جو موافق ہو اُس کو قائم رکھیں اور جو مخالف ہو اُس کو چھوڑ دیں[3]

---

[1] وجہ اول میں جو تحقیقات ہم نے ذکر کی۔ اس کو اگر بغور پڑھا جائے تو وہ ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب ہیں۔

[2] نہ یہ کہ ان کے اقوال کو پرکھ کر پہلے دیکھا جائے جو قول موافق ہو وہ لیا جائے اور جو مخالف یا بلا دلیل ہو اُس کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ اگر ایسا کرتے تو مقلد ہی کیوں بنتے۔

فقہائے حنفیہ کی بعض مجبوریاں:۔

[3] فقہائے حنفیہ نے جن کا حنفی مذہب میں دخل و اعتبار ہے جو کتنے مسائل میں امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین وغیرہم کے اقوال پر فتویٰ دیتے ہیں تو عموماً اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ان مسائل کو حدیث سے پرکھ کر ان کو خلاف حدیث پا کر چھوڑ دیا بلکہ بیشتر اس کی وجہیں اور ہی ہیں مثلاً دفع حرج و رفع ضرورت مفقود کے مسئلہ میں اور ممتدۃ الطہر کے مسئلے میں امام مالک کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا دیکھو ردالمختار وغیرہ دفع حرج اور رفع ضرورت کے لئے مرجوح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینا بھی جائز رکھا گیا۔ دیکھو ردالمختار دریافت میں سہولت ہونا دہ دردہ کے مسئلہ پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا دیکھو عمدۃ الرعایہ و در مختار وغیرہ حالانکہ وہ امام اعظم صاحب کا قول نہیں ہے مفتی و مستفتی کے لئے آسان ہونا مسائل حیض میں امام ابویوسف کے قول پر و نیز مشایخ بخارا کے نزدیک مسائل ذوی الارحام میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ اسی واسطے دیا گیا دیکھو شرح وقایہ و شریفیہ وغیرہ اس قسم کے مسائل اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

بلکہ اگر کبھی کوئی حدیث اپنے مذہب کے مخالف نظر سے گزری بھی تو یہ خیال میں نہ جما کہ فی الواقع یہ حدیث ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ بلکہ یہی خیال ہوا کہ دراصل اس حدیث کے کوئی ایسے معنے ہیں جس سے ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا اور گو سرِ دست[1] ہماری سمجھ میں اُس کا کوئی جواب یا وہ معنے نہ آئیں مگر کوئی ضرور ایسی بات ہے، جس سے ہمارے مذہب کو کوئی گزند نہیں آتا، بلکہ بالا طبقہ کے لوگ معتقدین کے لیے کوئی نہ کوئی معنے یا جواب ایسا بتا دیتے تھے جس سے اُن کو تسکین ہو جاتی اور پھر اُن کو کوئی شبہ باقی نہ رہتا۔

ہم نہیں کہتے کہ ان کا ایسا کرنا ازراہِ نفسانیت بغرضِ ردِ حدیث تھا۔ بلکہ غالباً وہ اسی طرح پر حق الامر اور واقعی بات خیال کرتے تھے۔ جس کی اصل وجہ وہی کمال عقیدت اور اپنے امام کی بے انتہا عظمت کا دل میں سمایا ہونا ہے جس کے باعث سے مخالف پہلو خیال میں جگہ ہی نہیں پاتا تھا، اور صرف اِسی قدر نہیں بلکہ یہ بھی خیال تھا کہ ہم کو نہ اُن کی سی[2] وقت نظر نصیب ہے اور نہ اس قدر علم ہے اور نہ ویسی فہم اور نہ اُن سے خلاف کرنے کا منصب ہے، بلکہ بعض کا تو یہاں تک خیال ہوا کہ قرآن وحدیث سمجھنا اور اُس سے احکام کا استنباط کرنا انھیں معدودے چند افراد پر ختم ہو گیا[3]۔ اور ہم لوگ موافق و مخالف کو سمجھ ہی نہیں سکتے بجز اس کے کہ انھیں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بہت ہیں۔ کسی کا صاحب تجربہ ہونا مسائل قضا و شہادت ہی قاضی ابو یوسف کے قول پر اسی واسطے فتویٰ دیا گیا کہ وہ صاحب تجربہ تھے اور خود قاضی رہے تھے دیکھو ردالمختار وغیرہ۔ غرض حنفیہ نے جہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑا ہے تو بیشتر اسی قسم کے وجوہ سے چھوڑا نہ یہ کہ یہ اخذ و ترک دلائل حدیثیہ کے تابع تھا اور جہاں کہیں کسی نے ایسا کیا ہے تو پھر اس کی بابت نہ ہم کو اعتراض ہے اور نہ وہ شبہہ اس کی بابت وارد ہوتا ہے اس کے جواب میں ہم مشغول ہیں۔

[1] ہم کو خود بعض مقلد علماء سے بعض مسائل میں گفتگو کی نوبت پہنچی جب وہ گفتگو میں مغلوب ہوئے تو کہنے لگے ہم کو جواب نہیں آتا تو کیا ہمارے ہم مذہب دوسرے عالم کوئی جواب رکھتے ہونگے۔

[2] جیسا کہ ان کے عمل و عقیدے سے ظاہر ہے اور طبقات فقہا کا بیان جو پہلے تم پڑھ چکے وہ بھی اس کا شاہد ہے۔

[3] دیکھو بعض تعریظ فتح مبین اور انتصار حق وغیرہ :۔

قولوں پر چلے جائیں اور اسی واسطے اُن کی تقلید اختیار کی۔ پس جب یہ خیالات تھے تو کیسے ہو سکتا تھا کہ امام کے مسائل لے کر احادیث کے ساتھ پرکھے جاتے اور ایک ایک کو بطور خود تحقیق کیا جاتا کہ اُن کا موافق و مخالف ہونا معلوم ہوتا۔ پس فقہاء مقلدین کے ان مسائل پر قائم رہنے پر جو تحقیق سے مخالفِ حدیث ثابت ہوتے ہیں۔ گو فنِ حدیث مدوّن ہو چکا تھا، کوئی تعجب نہیں اس لیے کہ اُنھوں نے وہ طرزِ عمل ہی نہیں برتا جس سے مخالف ہونا معلوم ہوتا۔ بلکہ اگر کوئی مخالف نظر پڑا بھی تو اُس کی بابت حدیث کی کوئی نہ کوئی ایسی تاویل[1] وغیرہ کر دی جس سے یہ خرخشہ رفع ہو گیا۔ اس پر بھی کتنے فقہاء نے بہت سے مسائل میں اضطراراً اپنے خلاف کا اقرار[2]

---

[1] فقہاء کو ان کے اپنے امام کے ساتھ حسن عقیدت اور ان کے قول کی تصحیح اور ان کے مذہب کی پاسداری نے بعض اوقات ایسے جوابوں اور تاویلوں پر مجبور کیا جو صاحب تحقیق کے نزدیک نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہیں مثلاً طحاوی اور ابن الہمام اور عینی وغیرہم نے رفع الیدین کی نفی کے لئے اس کو منسوخ ٹھہرا دیا اور صرف اتنی بنا پر کہ بعض صحابہ رض سے رفع الیدین نہ کرنا مروی ہوا ہے مولانا عبدالحی صاحب کیا خوب لکھتے ہیں واما دعویٰ نسخہ کما صدر عن الطحاوی مغترا بحسن الظن بالصحابۃ التارکین وابن الھمام والعینی وغیرھم من اصحابنا فلیس بمبرھن علیھا بما یشفی العلیل ویروی الغلیل انتہی اور طحاوی کا حنفی مذہب کے لئے بلا لحاظ ضعف و قوت حدیث کے، رائے کے ساتھ استدلال کرنا پہلے مذکور ہو چکا۔ اور شیخ ابراہیم حلبی نے کبیری شرح منیۃ المصلی میں آمین کے مسئلہ کی بابت ابراہیم نخعی کے قول اور ایک ایسی روایت کو جس کی بنا وہم پر ہے صحیح حدیث رسول کے معارض و مقابل قرار دے کر آمین بالخفا کو ترجیح دی۔

[2] جن فقہاء نے جو بعض مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف کی صحت کا اور اپنے ان مسائل کے ضعف کا اقرار کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے اپنے مذہب کے تمام مسائل کو لے کر ایک ایک کو پرکھا اور پرتلا تھا اور ضعیف ان میں سے اسی قدر پائے جن میں ضعف کا اقرار کیا اور باقی کو قوی اور دلیل کے موافق دیکھا اور صحیح پایا۔ اور نفس الامر میں باقی حدیث کے موافق و صحیح ہیں اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض مسائل میں بعض اتفاقات سے توجہ و تحریک کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان پر تنبہ ہو جاتا ہے پس سب میں ایسا ہونا ضرور نہیں دوسرے اگر بعض میں ضعف کے اقرار کرنے سے باقی کا موافق دلیل (باقی بر صفحہ آئندہ)

کیا ہے جیسا کہ پہلے تم پڑھ چکے۔

فقہاء نے جو کہیں کہیں مسائل کے دلائل سے بحث کی ہے اور ان کی وجوہات و دلیلیں بیان کی ہیں اور مناظرات کیے تو اوّل تو یہ بحث بیشتر دلائل حدیثیہ کے ساتھ تھی نہیں[1]، بلکہ دلائل عقلیہ وغیرہ کے ساتھ تھی۔ دوسرے وہ بحث غالباً شافعیہ و حنفیہ کے باہم نزاع کے متعلق ہے۔ جس سے بڑی غرض اپنے مذہب کے مسائل کی ارجحیت اور قوت اور دوسرے کے مسائل کی مرجوحیت اور ضعف کا ثابت کرنا تھا۔ ہر فریق اپنے امام کے ساتھ کمال حسنِ عقیدت رکھتا تھا اور اپنے مذہب کے مسائل صحیح تر اور ارجح سمجھتا تھا اور اسی کے اثبات میں بمقابلہ دوسرے کے مشغول تھا[2]۔ ایک سمجھ دار آدمی غور کر سکتا ہے کہ ایسی بحث سے مسائل کو حدیث کے ساتھ مطابقت کی بابت کس قدر نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لیے اس سے کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بجائے اس کے کہ مسائل کو حدیث کے تابع کیا جائے اور اس کی کسوٹی پر رکھ کر کھرا کھوٹا علیحدہ کیا جائے، ان احادیث کو جو اپنے خلاف ہوں گی کھینچ کھینچ کر اپنے مسائل کے تابع کرنا ہوگا۔ اور کسی نہ کسی طرح سے ان کے مسائل کے غیر مخالف یا موافق بنایا جائے گا۔ چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوا اور آئندہ نسلوں کو اپنے متقدمین معتقد فیہم وہ معنے دیکھ کر اور بھی استحکام ہوا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) و صحیح ہونا لازم ہو تو ایک فقیہ بعض مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے دوسرا فقیہ ان کے سوا بعض دیگر مسائل کے ضعف کا اقرار کرتا ہے تو اگر اس فقیہ کے اقرار کردہ مسائل کے سوا کل صحیح تھے تو دوسر فقیہ نے ان کے سوا کے ضعف کا کیسے اقرار کیا وعلیٰ ہذا القیاس اور زیادہ تحقیق ہمارے بیانات میں خود موجود ہے۔

[1] چنانچہ شاہ صاحب کے کلام میں (دیکھو حاشیہ صفحہ) پہلے اور ابھی امام غزالی کے کلام میں گزر چکا اور شاہ عبدالحق صاحب شرح سفر السعادہ میں صفحہ ۲۳ لکھتے ہیں کتاب ہدایہ کہ در دیار ما مشہور و معتبر ترین کتابہا ست نیز دریں وہم انداختہ چہ مصنف وی رح در اکثر بنائے کار بر دلیل معقول نہادہ و اگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعف نہ غالباً اشتغال آں استاد در علم حدیث کمتر بودہ است انتہی۔ اور علامہ منصور بن محمد تمیس برس تک تائید مذہب حنفی میں علم حدیث کی طرف توجہ سے پہلے مناظرے کرتے رہے ظاہر ہے کہ وہ مناظرے دلائل حدیثیہ کے ساتھ نہ تھے۔

[2] چنانچہ اوپر صفحہ ۱۰۵ کئی جگہ گزر چکا۔

بلکہ انھوں نے اپنی طرف سے اور تاویلات اضافہ کیں، اور اس مضمون کو مزید براں ترقی دی اور ان کا فرض منصبی تھا کہ وہ ایسا ہی کرتے۔ والی اللہ المشتکی۔

۳۔ قوی تحریک کا فقدان:

وجہ سوم، قانونِ قدرت ہے کہ کسی نئے خیال کا حدوث اور پچھلی حالت کا تغیر اور جاری شدہ بات کا پلٹنا قوی تحریک کے بغیر نہیں ہوتا۔ جب فقہاء میں خاص خاص اماموں کی تقلید اور تخصیص کے ساتھ اُن کے مسائل اور اقوال پر عمل اور انھیں کے ساتھ استناد عام طور پر جاری ہو گیا۔ اور یہی کافی اور وافی سمجھا گیا اور عقیدت کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ مدتوں جاری رہا۔ پس ان مسائل سے ہٹنے یا ان میں سے کسی کا غلط ہونا خیال میں آنے کے لیے بڑی قوی تحریک کی ضرورت تھی۔ ورنہ ویسے بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک آیت یا حدیث کو بار بار پڑھتا اور دیکھتا ہے مگر اس سے وہ نتیجہ جو کسی تحریک پر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے، اپنے آپ سے خیال میں نہیں آتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی طرف نفس کی توجہ اور اس کی کوئی تحریک نہیں ہوئی۔ اور اگر کوئی مخالف حدیث کو نظر سے گزرے تو اُس کی تاویل وجواب پر جس کو بباعث حسن عقیدت کے خود پیدا کیا یا پہلے سے پیدا کیا گیا تھا۔ اطمینان کر لیا گیا۔ عام طور پر فریق مقابل کوئی ایسا موجود نہ تھا جو برملا

حدیثوں کی تقسیم!

لے ہمارے (نجد، ہندوستان) میں تو سوائے حنفیہ کے کوئی اور فریق ظاہراً تھا ہی نہیں عموماً سب یک خیال کے تھے (الا ماشاء اللہ) البتہ دوسرے ممالک میں شافعیہ وغیرہم تھے اور ان کے ساتھ ردو قدح بھی ہوتا تھا۔ مگر اول تو اس ردو قدح کا طرز ہی دوسرا تھا جیسا کہ پہلے ظاہر ہو چکا۔ دوسرے شافعیہ بھی آزادانہ بحث نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ وہ خود بعض مسائل میں الزامی جوابوں کے مورد تھے۔ جن مسائل میں وہ خود حدیث کے خلاف تھے۔ اس کے علاوہ جب ہر فریق کو اپنے اپنے مذہب کے مجموعہ مسائل کا التزام تھا تو فرداً فرداً مسائل میں مناظرہ کا اور اس میں جو راجح ہو جائے اسی کا ہر شخص کو اختیار کر لینے کا کوئی موقع نہ تھا اس سب پر مستزاد وہ بات ہے جو کہ ان لوگوں سے سُننے میں آئی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خیال اُن لوگوں میں کس زمانہ سے پیدا ہوا) جب وہ احادیث کو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ فلاں حدیث شافعی مذہب کی ہے اور فلاں حدیث ہمارے مذہب کی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں یہ صحاح ستہ تو شافعیوں کی کتابیں ہیں۔ انھوں نے (۲)

ان کی ذہن نشین تاویلوں و معنوں کی غلطیاں محدّثین کے طریقہ پر ان پر ظاہر کرکے ان کو اس طرف متوجّہ کرتا۔ اُن کے اپنے ذہن نشین خیالات کے خلاف کی بھنک بھی ان کے کان تک نہ پہنچتی تھی۔ پھر اُن کو اپنے متوارث بات کے خلاف کی طرف توجّہ اور اُس کی تحقیق کا خیال ہوتا تو کیسے۔

تحقیق پسند فقہاء کا مسلکِ حدیث کی طرف رجوع:

چنانچہ جس کو یہ تحریک ہوئی اور اُس نے اس طرف توجّہ کی، اُس کے خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا اور اس کو اپنی روش سے ہٹنا پڑا۔ امیر کا تب عمید کی بابت تم پڑھ چکے ہو کہ جب سبکی نے اُن کا ردّ کیا تو اُنھوں نے متنبّہ ہو کر اپنے قول سے رجوع کیا۔ علامہ منصور بن محمد کا حال بھی تم دیکھ چکے ہو۔ باوجودیکہ وہ حنفی مذہب کے ایسے دل دادہ تھے کہ تیس برس اُس کی تائید میں مناظرے کرتے رہے۔ جب اُن کو دوسری جانب تحریک و توجّہ ہوئی تو حنفی مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ علامہ[1] صالح مقبلی صنعانی محدّث ہجرت کرکے جب مکۂ معظمہ میں آکر رہنے لگے۔ وہاں کے بعض علماء نے اُن کے اپنے اسلاف کے مخالف اور طریقہ اہلحدیث پر ہونے کی وجہ سے مخالفت کی اور زندیقیہ کی تہمت لگا کر اُن کی شکایت سلطان رُوم تک پہنچائی۔ سلطان معظم نے اپنے ہاں کے بعض علماء کو اُن کی تحقیقات کے لیے بھیجا۔ جب اُنھوں نے آکر اُن کو پڑتالا اور دیکھا تو خود بھی اُنھیں کے ہم مسلک ہو گئے۔ چونکہ مقبلی کی ملاقات ان کے لیے محرک واقع ہوئی اور اُنھوں نے اعتدالی نگاہ سے کام لیا جو کہ ایک تحقیقات کرنے والے کا فرض منصبی ہے، تو وہ بھی اہل حدیث ہو گئے۔ ممالک یمن میں تو بکثرت اس قسم کے لوگ ہوتے رہے ہیں جیسا کہ بدر طالع سے ظاہر ہے۔ سچ ہے اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ[2] ہمارے ہندوستان

(۴) اپنے مذہب کی حدیثیں نکھ دیں ہمارے مذہب کی نہیں ہیں۔ جب انھوں نے احادیث کو تقسیم کرکے اس طرح فیصلہ کر لیا تھا تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنے مخالف حدیث سے جس کو وہ شافعی مذہب کی ٹھہرا چکے تھے متاثر ہوتے۔ کیونکہ اس سے اب اُن کو کیا غرض رہی تھی، وہ تو ٹوٹ شدہ ہے کہ دوسرے مذہب کی ہے۔

[1] دیکھو بدر الطالع علامہ موصوف ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

[2] یعنی ایمان یمن والوں کا ہے۔ اس حدیث کو صحیحین میں روایت کیا ہے۔

میں بھی جب سے اس قسم کے بحث مباحثے ہوئے اور لوگوں کو اس طرف توجہ و تحریک ہوئی۔ ہزارہا عالم اس طرف ہو گئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

سلاطین کی روش:

سابق زمانوں میں صرف یہی نہ تھا کہ اس تحریک کا سبب معدوم تھا، بلکہ اس کے لیے قوی موانع بھی موجود تھے۔ یہ تو تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ سلاطینِ اسلام عموماً مقلد ہی ہوتے رہے اور حکومت کی باگ مذہب تقلید کے ہاتھ میں رہی۔ امن و عافیت عزوجاہ کل اسی رنگ میں حاصل تھا۔ قضاء و افتاء سب انھیں اہلِ مذاہب کے لیے مخصوص تھے۔ سلاطین جب کسی کو قاضی مقرر کرتے تو اُن سے شرط کر لیتے کہ اسی مذہب کے موافق جس کے وہ مقلد کہلاتے تھے پابندی کر کے فیصلے کریں، اور یہ کہ جو اس کے پیشرو قاضی ہو چکے ہیں، جن کی جگہ یہ مقرر ہُوا کرتے تھے اُن کے قانون اور مسئلوں کی اتباع کرتے رہیں۔ پس کوئی قاضی مذہب کے خلاف کیسے دم مار سکتا تھا۔ چنانچہ فقہاء مذہب نے قرار ہی[1] دے لیا کہ مقلد قاضی کوئی فیصلہ اپنے مذہب کے خلاف کرے تو وہ نافذ نہیں اور گو اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ کا ایک حیلہ تھا۔ مگر کوئی کہاں تک کر سکتا تھا اور تمام فقہاء مذاہب کو کیسے سمجھاتا اور اُن کے شور و شغب کا کیوں کر مقابلہ کرتا۔

اہلِ حدیث سے بُغض:

عموماً لوگوں کے اہلِ حدیث کے ساتھ عناد اور برتاؤ کا حال ذیل کے قصے سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابو حفص[2] کے زمانے میں ایک شخص نے حنفی مذہب سے علیحدہ ہو کر رفع الیدین

---

[1] درمختار میں ہے: واما المقلد فلا ینفذ قضاءہ بخلاف مذھبہ اصلا کما فی القنیۃ قلت ولا سیما فی زماننا فان السلطان ینص فی منشورہ علی نھیہ عن القضاء بالاقوال الضعیفۃ فکیف بخلاف مذھبہ انتہی۔ شامی لکھتے ہیں: قد ذکر الحموی ان عادۃ سلاطین زماننا اذا تولی احدھم عرض علیہ قانون من قبلہ وامر باتباعہ انتہی۔

[2] ابو حفص کبیر علماء حنفیہ میں بڑے مشہور و مستند شخص ہیں۔ متوفی ۲۶۴ھ۔

کی اور پیچھے امام کے فاتحہ پڑھنے لگا۔ شیخ ابوحفص کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ سخت غضبناک ہوئے اور اس کے بارے میں سخت سُست کہنے لگے۔ اور بادشاہ سے جا کر کہہ دیا۔ بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ بر سرِ بازار اس کے دُرّے لگائے۔ آخر کار کچھ لوگ رحم کھا کر شیخ موصوف کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سعی سفارش کی۔ اس کو لا کر اُن کے حضور میں حاضر کیا اور اُس نے توبہ کی تو اس سے عہد و پیمان لے کر دگویا از سرِنو مسلمان کر کے چھوڑا[1]۔ تب اس کی جان بچی۔ بیچارے حدیث پر عمل کرنے والوں کی یہ قدریں کی جاتی تھیں۔ اور کتنے قصے[2] تم پہلے بھی پڑھ چکے ہو جن میں کیسے کیسے معزز اہل علم کے ساتھ اسی گناہ میں کیا کیا برتاؤ برتے گئے اور اُن کے ایسا کرنے سے اُن کو بدعتی ٹھہرایا جانا اور چھوڑ دیا جانا بھی معلوم کر چکے۔ پھر ایک منصف مزاج خیال کر سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کتنے آدمی ایسے نکل سکتے ہیں جو جان و آبرو پر کھیل کر سلطنت و دُنیا کا مقابلہ کر کے مذہب کی پابندی کے خلاف حدیث کے مسئلہ پر اعلان کے ساتھ کاربند ہوتے۔

طفل تسلّیاں :

اس کے علاوہ ایسے موقعوں میں آدمی کچھ نہ کچھ حیلہ شرعی خیال کر کے اپنے آپ کو معذور بھی خیال کر لیتا ہے اور اس قسم کے اظہار سے باز رہتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں جہاں رفع الیدین کو ترجیح دی تو اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں: "لیکن ایسی صورتوں میں آدمی کو یہ لائق نہیں کہ اپنے اوپر شہر کے عوام کا فتنہ برپا کرے" اور دلیل میں حدیث لولا

---

[1] عبارت یہ ہے: ان رجلا فی عهد الشیخ ابی حفص الکبیر ترک مذهبه وکان یقرأ خلف الامام ویرفع یدیه عند الرکوع ونحوذالک فاخبر الشیخ بذالک فغضب الشیخ وعنف وامر السلطان حتی امر الجلاد بان یضربه بالسیاط عند الصیادفة حتی دخل ناس علی الشیخ فشفعوا وتاب وادخلوا علیه فعرض ما یجب عرضه من باب الدین ثم خلی سبیله انتهی دیکھو فتاوی حمادیہ و تاتارخانیہ وغیرہ۔

[2] دیکھو ص ۱۴۲،۱۴۱۔

حد ثان قوملک المحدیث پیش کی۔ کبھی خیال کر لیتا ہے۔ یہ اختلافی مسائل ہیں اتفاقی نہیں جن کا خلاف سخت مذموم ہو۔ کبھی یہ خیال کر کے کہ اس طرف بھی بڑے بڑے آدمی ہیں ان کی بھی کچھ نہ کچھ دلیل مزدور ہوگی۔ یا یہ کہ جو ان کا حال ہے وہی میرا حال ہے۔ اپنے جی کو سمجھا لیتا ہے کبھی یہ سوچ کر کہ اتفاقی مسائل وحسنات کیا کم ہیں جن کی پابندی نیل ثواب کے لیے بس کرتی ہے جو اختلافی امور میں پڑ کر بے اطمینانی پیدا کی جائے جس سے وہ اتفاقی بھی چھوٹ جائیں۔ غرض اسی قسم کی وجہیں سوچ کر اپنے دل کو سمجھا لیتا ہے۔ اور عوام اور اکثر کا خلاف کر کے اپنے آپ کو معیبت میں ڈال دینے سے روک لیتا ہے۔ جس سے ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان ہی[1]

---

[1] **تقلید کی مجبوریاں:**

بعض صاحبوں سے تو یہاں تک ثابت ہوا کہ وہ برابر اپنے مذہب کے مسائل کی تائید میں مجلسوں اور مجلسوں میں گفتگو کرتے تھے اور دل میں خود ان کے معتقد نہ تھے۔ لیکن اپنے منسوب الیہ مذہب کی پاس داری کے لیے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی صدیق بن علی زبیدی حنفی کے حال میں لکھتے ہیں۔ مجھے ان سے مجمع کے اندر بعض مسائل میں گفتگو کی نوبت آئی۔ میں نے مسائل فقہ حنفیہ پر اعتراض کیے اور اپنے دلائل بیان کیے اور وہ برابر اپنے مذہب کی تائید میں ان کی تاویلیں کرتے رہے۔ پھر میں ان سے خلوت میں ملا اور میں نے ان سے کہا۔ سچ بتایئے کیا جو گفتگو کے وقت آپ کہہ رہے تھے دل سے آپ اس کے معتقد ہیں؟ تو فرمایا جو جو مسئلے دلیل کے خلاف ہیں چاہے کوئی ان کا قائل ہو میں قائل نہیں۔ اور جو قول ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا حدیث کے خلاف پڑتا ہے میں اُس کو اختیار نہیں کرتا لیکن (گفتگو جو کرتا تھا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ) آدمی اپنے مذہب کی طرف سے جواب دیا ہی کرتا ہے انتہیٰ۔ دیکھو بدر طالع۔ ہم بھی اپنے زمانے کے بعض علماء کو جانتے ہیں جو خلوت میں بعض مسائل میں اہلحدیث کی موافقت کرتے ہیں لیکن لوگوں کے سامنے پکے حنفی بنے رہتے ہیں۔ اصحاب تصنیف فقہاء نے جو اپنے مذہب کے مسائل اور دلائل لکھے ممکن ہے کہ ان کا ایسا کرنا علامہ زبیدی کی طرح ہو اور گو ان کو تمام مسائل کے ساتھ اتفاق رائے نہ ہو مگر بیان مذہب کے لیے ان کو ذکر کیا اور پھر اُن کے وجوہ و دلائل بھی لکھ دیئے تاکہ کوئی ناواقف یہ نہ جانے کہ بالکل بے اصل ہیں۔ واللہ اعلم۔

سب کا ہم خیال ہے۔ حالانکہ دل میں وہ اُن کا مخالف ہے اور کچھ اسباب اس قسم کے ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ بہرحال مشکل سے کوئی عالم ایسے نکل سکیں جن کی بابت تعجب اور استبعاد کی گنجائش ہو۔

اس لیے کہ اس سے قبل چند مراحل ہیں کہ جن کا طے کرنا بجائے خود مشکل ہے۔ اوّل کسی ایسے قوی محرک کا پیش آنا جس سے متوارث بات کی غلطی اور اُس کی تحقیق کی طرف توجہ ہو سکے۔ دوسرے درصورت مروج و متوارث کے خلافِ حق ثابت ہو جانے کے اظہار سے کوئی مانع و مزاحم کا پیش نہ آنا یا اگر آیا تو اُس کی پروا نہ کرنا۔ تیسرے پھر کسی شرعی مصلحت یا کسی اور عذر کا خیال جو اظہار کو روکے، نہ قائم ہونا۔ چوتھے اظہار کرنا نہ کسی ایسے طریقے سے جو ہم تک نہ پہنچ سکے۔ پس ان باتوں کے بعد یہ کہنا کہ یہ مسائل اگر صحیح و حق نہ ہوتے تو اس قدر علماء جو بعد تدوین حدیث کے گزرے وہ ان کے موافق کیوں ہوتے، ایک ایسی بات ہے جس کو کوئی دقیق النظر واقعات روزگار سے خبردار پسند نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جن علماء کی بابت یہ استبعاد ہے نہیں معلوم وہ کس مرحلے میں رہے بوجہ عدمِ محرک کے تنبہ نہ ہوا یا ہجوم مصائب نے روک دیا۔ یا کوئی شرعی مصلحت یا عذر اُن کو اپنے مناسب حال خیال میں جما جس نے اظہار سے باز رکھا۔ یا اظہار کیا لیکن نہ اظہار عام۔ یا اظہار عام تھا لیکن ہم تک خبر نہ پہنچی۔ پس باوجود ان تمام احتمالات کے کسی ایسے مسئلہ کی بابت جو تحقیق سے خلافِ حدیث ثابت ہوتا ہے یہ عذر پیش کرنا کسی طرح قابلِ پذیرائی نہیں۔

۴۔ فنِ اُصول فقہ اور اس کا مخصوص نہج و اسلوب:

وجہ چہارم بذریعہ جن قواعد کے دلائل سے مسائل نکالے جاتے ہیں اُن کا نام ہے اُصول۔ پہلے فنِ اُصول جیسا کہ تم سابق معلوم کر چکے ہو[1]، مرتّب و مدوّن نہ تھا۔ اس کی تحریر و ترتیب کی ابتدا تو امام شافعی سے ہے۔ پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس میں ایجادیں اور تنقیحیں ہوتی گئیں، اور روز بروز اس کے اندر ترقی اور اضافے ہوتے رہے۔ آخر کار وہ ایک وسیع[2] اور مہتم بالشان

---

[1] دیکھو ص ۱۴۲

[2] نعمانی صاحب سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں "زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا، اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے جن کا امام ابوحنیفہ کے زمانے میں اثر بھی نہ تھا۔" انتہیٰ (ص ۲۱۷)

فن [1] ہو گیا۔ جس وقت فنِ اصول نے یہ اپنی خاص صورت نہیں پیدا کی تھی اس وقت تک علماء استنباطِ مسائل اور تطبیق نصوص اپنے ذاتی سلیقوں اور طبعی شہادتوں کی رہنمائی سے کرتے تھے یا کچھ قاعدے بھی ذہن میں ہوں، مگر ان کا ضبط درجمع نہ ہوا تھا اور نہ اُن کی کوئی تعبیر مقرر ہوئی تھی اور نہ اُن کی یہ اجتماعی ہیئت تھی اور نہ وہ بحث اور مناظروں میں استدلال کے وقت لائے جاتے تھے۔ یہ ساری باتیں زمانہ مابعد کی ترقیوں اور موشگافیوں سے پیدا ہوئیں۔

علماء مقلدین نے جو اس فن کو ترتیب دیا تو اس کے ایک حصہ میں یہ مصیبت پیش آئی کہ انھوں نے قواعد کو اپنے امام کے فرمودہ مسائل کے تابع قرار دے کر مرتب کیا اور ان کا فرضِ منصبی تھا کہ وہ ایسا کرتے۔ کیونکہ جب فنِ اصول کی غایت ہے دلائل سے مسائل کا استنباط۔ اور اُن کے مسائل وہ تھے جو اُن سے پہلے ہی اُن کے امام اُن کو تعلیم دے چکے۔ پس ضرور تھا کہ ایسے قواعد مرتب کیے جائیں جن کی رُو سے ان دلائل سے جو ان کے علم میں تھے اور جن کو وہ جانتے تھے وہی مسائل مستنبط ہو سکیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بلا اس کے اصول سے ان کو کیا حاصل تھا۔ لہٰذا انھوں نے قواعد کا وہ طرز رکھا کہ ان کے ذریعے سے جو ان کے مسائل تھے وہ قرآن و حدیث کے موافق ہو جائیں اور دلائل سے ٹھیک مستنبط ہو سکیں۔ اور ہر مذہب کے مقلد نے اس طور پر اپنے مذہب کی خدمت کی اور اس کو گویا قواعد سے ثابت کر دیا [2] اور

---

[1] فن اصول نہایت مہتم بالشان اور دقیق فن ہے اور استنباط مسائل کرنے والے کے لیے گویا ہاتھ کا عصا ہے۔ اس کے قواعد مثل دیگر علوم آلیہ کے ہیں۔ علم نحو و معانی و منطق و مناظرہ وغیرہ سے ملتے جلتے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ آزادی کے ساتھ لغت و محاورات عرب و عرف کے تابع قرار دے کر قواعد مرتب کیے جائیں۔ متاخرین میں سے علامہ محمد بن علی شوکانی یمنی کی کتاب ارشاد الفحول اس فن میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ انھوں نے مذاہب اربعہ و دیگر ائمہ کے اقوال و قواعد اس میں ذکر کر کے ہر ایک کے دلائل و وجوہات بھی لکھے ہیں اور پھر عرب کے محاورات و عرف وغیرہ کی رو سے محاکمہ کیا ہے۔

[2] بالخصوص جبکہ حنفیوں اور شافعیوں کے مباحثوں کا اور ہر ایک کے اپنے مذہب کو ترجیح دینے کا بہت شور و زور تھا۔ پس ایسے قواعد کی ضرورت تھی جن کے توسط سے اپنے مذہب کے مسائل بالکل مطابق ثابت ہوں اور دوسرے کے مخالف دکھائی دیں۔ چنانچہ نور الانوار و توضیح وغیرہ کے مباحث و بیانات کو دیکھو۔

پھر جو قواعد کہ بعض مسائل کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے اور بعض دیگر مسائل ان کے مناقض ہوئے تو اس کی جواب دہی میں تکلفات سے کام لیا۔

اس کے علاوہ اُن کے ایسا کرنے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ فروع میں تو اپنے اپنے امام کے فرمودہ مسائل میں تابع تھے ہی، جب اُنھوں نے اپنے اماموں کے اُصولی قواعد معلوم کرنا چاہے تو جن قواعد کی امام سے تصریح نہ تھی ان کے معلوم کرنے کی بجز اس کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ ان کے طرزِ استدلال[1] سے اور اُن کے مسائل مستنبطہ کے لحاظ سے اُصول قائم کیے جائیں۔ لہٰذا ان کے مسائل کے نشانۂ قدم پر اُصول قائم ہوئے۔ اور جب اُصول مرتب ہو گئے تو وہ اُصول مسلمہ اور لازمی قواعد قرار پا گئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں[2]

"منجملہ ان باتوں کے جن میں سمجھیں بھٹک گئیں اور قدم پھسل گئے، یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درمیان میں بناء خلاف ان اصول پر ہے جو بزدوی[3] وغیرہ کتابوں میں مذکور ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ان میں کے اکثر قواعد وہ ہیں جو خود ہی ان اماموں کے اقوال پر تخریج کر کے نکالے گئے ہیں۔"

پھر اس کے بعد شاہ صاحب اُصول کے چند قاعدوں کا بطور مثال جن کی بنا پر بہت سی احادیث غیر معمول بہ ٹھہرا دی جاتی ہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں[4]:

---

[1] نعمانی صاحب جامع کبیر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کیے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کے طرز استدلال و طریق استنباط سے کیے ہیں۔ انتہی

[2] عبارت یہ ہے: منها الزلّة التی ضلت فی بوادیها الافهام وزلت الاقدام انی وجدت بعضهم یزعم ان بناء الخلاف بین ابی حنیفة والشافعی علی هذه الاصول المذکورة فی کتاب البزدوی ونحوه وانما الحق ان اکثرها اصول مخرجة علی اقوالهم۔ انتہی۔

[3] حنفیہ کے ہاں اصول کی اکثر متعارف کتابوں کا ماخذ و بیشتر یہی بزدوی کی کتاب ہے۔

[4] عبارت: وعندی ان المسئلة القائلة الخ وامثال ذلك اصول مخرجة علی کلام الائمة و (باقی اگلے صفحہ پر)

"یہ قاعدے کلام ائمہ سے بطور تخریج کے جو خود محتمل خطا ہے نکالے گئے ہیں اور ان کا امام صاحب اور ان کے دونوں شاگردوں سے مروی ہونا صحیح نہیں۔ اور یہ کہ ان قاعدوں کی پابندی کرنا اور پھر متقدمین کے دوسرے طرز عمل و استنباطات سے جو ان پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کے جواب میں تکلف کرنا جیسا کہ بزدوی وغیرہ کرتے ہیں، اس کے خلاف کی پابندی پر کوئی ترجیح[1] نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نظیر کے طور پر ان قواعد کا جو منشأ تخریج ہے، یعنی جن مسائل کے طرز استدلال کو دیکھ کر وہ قواعد تخریج کیے گئے ہیں، اور پھر جو دوسرے مسائل ان قواعد کے مناقض ہیں۔ اور پھر فقہاء کا ان کے جواب میں تکلفات کرنا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

"اس قسم کے قواعد اور بہت ہیں جو تحقیق کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہیں۔"

پھر اس قسم کے مسائل کے متاخرین کے نکالے ہوئے ہونے پر نہ یہ کہ وہ متقدمین سے منقول ہیں۔ شاہ صاحب نے دو دلیلیں بھی بیان کیں۔ اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں[2]: "اور بعض نے اصول فقہ میں قیل وقال کی کثرت کی، اور ہر ایک نے اپنے اصحاب مذہب کے لیے جو جس

(بقیہ صفحہ گزشتہ) انہا لا تصح بہا روایۃ عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ وانہ لیست المحافظۃ علیہا والتکلف فی جواب ما یرد علیہا من صنائع المتقدمین فی استنباطاتہم کما یفعلہ البزدوی وغیرہ احق من المحافظۃ علی خلافہا والجواب عما یرد علیہ انتہی۔

[1] یعنی ممکن ہے کہ جن مسائل کی مخالفت سے اُن کے اصول ممہدہ پر اعتراض پڑتے ہیں ہم اُن مسائل کے موافق اُن اصول کے خلاف دوسرے اصول قائم کریں اور پھر جن مسائل کے موافق انھوں نے اصول قائم کیے۔ ان مسائل کا ویسے ہی جواب دیں جیسے یہ دیتے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ انھیں اصول کو جن کو انھوں نے اپنے اجتہاد کے موافق بتوسط بعض مسائل کے قائم کیا ہے پابندی کی جائے، اور انھیں کو واجب الاعتماد سمجھا جائے۔

[2] عبارت: ومنہم من کثر القیل والقال فی اصول الفقہ واستنبط کل لاصحابہ قواعد جدلیۃ۔ انتہی

کا مقلد ہے قواعد جدلیہ مستنبط کیے" اور عقد الجید میں فرماتے ہیں[1]:

"خلاصہ یہ کہ اوائل میں اصول منضبط نہ تھے بلکہ ان کے کچھ طرز عمل تھے جن کی طرف وہ اپنے پیدائشی سلیقہ کی مدد سے رجوع کرتے تھے۔ پھر ایک قوم نے ارادہ کیا کہ ان کے طرزِ عمل کو مسلسل بیان کریں خواہ انھوں نے اس کو مفصل بیان کیا ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو یا ان کے مسائل سے تخریج کر کے نکالا گیا ہو۔ گو خود انھوں نے اس کو ذکر نہ کیا ہو۔ اور پچھلوں کی عقلوں نے اکثر ان کے طرزِ عمل کو قبول کر لیا۔ پھر وہ ان میں امور مسلمہ ٹھہر گئے" ملخصاً

الحاصل بہت سے اصولِ فقہ کے قواعد اپنے اپنے مذہب کے مسائل کے بالتبع مرتب کیے گئے اور پھر وہ لازمی اصول اور امور مسلّمہ قرار پا گئے اور چونکہ یہی قواعد دلائل سے مسائل کے استخراج کا ذریعہ ہوتے ہیں اور انھیں کے مطابق نصوص میں تطبیق و توفیق عمل میں آتی ہے اور انھیں کی رُو سے نصوص کا معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ان قواعد کی رُو سے اپنے مسائل تو موافق معلوم ہوتے ہی تھے، اس لیے کہ انھیں کے تابع تو وہ قواعد تھے۔ لہٰذا اپنے مسائل (بربنا ایسے قواعد کی جن میں تبدیل و تغیر کا وہم نہ تھا) ہمیشہ قرآن و حدیث کے موافق اور اپنے سے خلاف مسائل مخالف معلوم ہوتے رہے اور انھیں قواعد کی بنا پر بہت سی احادیث متروک اور[2] غیر معمول بہ ٹھیرتی رہیں۔

---

[1] عبارت: وبالجملة فكانت صنائع اند فعوا اليها بسليقتهم المخلوقة فيهم فاراد قوم ان يسردوا صنائعهم التي ذكرها مفصلة في كتبهم او اشاروا اليها في ضمن كلامهم او خرجت من مسائلهم وان لم يذكروها وتلقت عقول الخلف اكثر صنائعهم بالقبول لما جبلوا عليه من السليقة في مثل ذالك ثم صارت امور امسلمة فيما بينهم - انتهى

[2] جیسا کہ حدیث مصراة اور اسقاط سہم ذوی القربیٰ میں کیا گیا۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں "یہ لائق نہیں کہ کسی حدیث کو یا کسی اثر کو جس پر قوم نے اتفاق کیا ہو کسی ایسے قاعدے کے سبب سے جس کو خود اس نے یا اس کے اصحاب نے استخراج کیا ہے رد کر دے۔ مثل حدیث مصراة کے رد کرنے اور سہم ذوی القربیٰ کے ساقط کر دینے کے۔ کیونکہ اپنے نکالے ہوئے قاعدے سے حدیث کی رعایت واجب تر ہے انتہی و ص ۱۶۲ حجۃ اللہ۔

پس اس قسم کے قواعد بھی فقہاء کے اپنے مسائل کی غلطی پر متنبہ ہونے کے سدِ راہ ہے لہٰذا فقہاء نے جان کر اپنی مخالف حدیثوں کو ترک نہیں کیا بلکہ یہ اصول جن کی صحت اُن کے دلوں میں عقیدۃً ثابت تھی اس کے باعث پڑے۔

صرف یہی نہیں، فنِ اصول کے متعلق کئی باتیں اور بھی ہیں جو اس کا باعث ہوگئیں۔

اوّل یہ کہ بعض وہ قواعد جو بعض ائمہ نے ابتداء زمانے میں قرار دیے تھے اور پھر زمانہ مابعد کی دوسرے ائمہ کی تحقیقات سے وہ ناقابلِ اعتماد ثابت ہوئے۔ مثلاً مرسل و منقطع حدیث سے احتجاج، جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو[1]۔ ان سابق الذکر ائمہ کے مقلدین نے ان قواعد کو ترک نہ کیا بلکہ وہ انہیں پر قائم رہے۔ اس وجہ سے احادیث کا اخذ و ترک ان میں اس طور پر وقوع میں آیا کہ ویسا نہ ہونا چاہیے تھا۔

اجماع کے دعوٰی کی حقیقت :

دوسرے اجماع کی توسیع اور اُس کو اس کی حد[2] پر قائم نہ رکھنے نے غلطی میں ڈال دیا۔ فقہاء نے بسا اوقات جہاں اُن کے علم میں کسی مسئلہ کی بابت کسی کا خلاف نہ معلوم ہوا[3] یا کوئی بات[4] بحضور ایک جماعت صحابہ کے وقوع میں آئی اور ان میں کسی سے انکار منقول معلوم نہ ہوا۔

---

[1] دیکھو ص ۲۵۵

[2] یہ بات اصل میں نفس الاصول کی بابت نہیں ہے بلکہ اصول کی خلاف ورزی میں داخل ہے لیکن کسی قدر مناسبت کی وجہ سے یہاں پر لکھ دی۔

[3] جیسا کہ صاحب ہدایہ نے منع قراءت مقتدی پر اجماع صحابہ کا دعوٰی کر دیا۔ حالانکہ کتنے صحابہ مثل حضرت عمرؓ وغیرہ سے منع تو درکنار حکم قراءت فاتحہ کا منقول ہے اور رہا منع تو منع کی صحیح روایت مشکل دو چار صحابہ سے مل سکتی ہے۔ پھر اجماع کیسا؟

[4] اس قسم کا اجماع استدلال کے مواقع پر فقہاء کے کلام میں بہت دیکھا گیا۔ مثلاً صاحب ہدایہ خیار رؤیۃ میں لکھتے ہیں، کان ذالک بمحضر من الصحابۃ۔ محشی صاحب لکھ رہے ہیں ولم ینکر احد فکان اجماعاً۔ اور مثلاً زیجی کا قصہ طحطاوی پیش کر کے لکھتے ہیں۔ کان ذٰلک بمحضر من الصحابۃ ولم ینکر منہم احد (ص ۱۲۵)

اجماع کا دعوٰے کر دیا اور جب ان کے خیال میں اجماع قائم ہو گیا تو اُس کے مخالف نصوص کو کسی نہ کسی طریق سے ناقابلِ عمل ٹھہرا دیا۔ حالانکہ اجماع کا معلوم ہونا ایک نہایت دشوار[1] گزار سر ہے۔ امام احمد صاحب نے کیا خوب فرمایا جو شخص اجماع کا دعوٰے کرے وہ کاذب ہے۔ لیکن فقہاء نے اُس کو آسان خیال کر لیا اور کثرت سے اس کے وقوع کا دعوٰی کیا۔ جہاں جہاں اس قسم کے مسائل میں اُنھوں نے اجماع کا دعوٰی کیا ان میں یا خود خلاف ثابت ہے یا وہ دعوٰی محض کسی ضعیف بنا پر ہے مگر اُنھوں نے اس پر اعتماد کر لیا۔ جس کے سبب سے آزاد تحقیق میں روک پیدا ہو گئی اور وہ بطریق راست مخالف دلائل کو نہ دیکھ سکے۔ اُمور اس قسم کے اور بھی ہیں لیکن ہم بغرض اختصار اتنے ہی پر بس کرتے ہیں۔ غرض کتنے اسباب و وجوہ ایسے پیش آگئے جن کے باعث سے فقہاء ان مخالف مسائل میں جن اہل حدیث کو خلاف ہے صحیح طور پر حدیث کے ساتھ کاربند ہونے سے معذور رہے۔

عذرِ بارد کا جواب:

پس کسی مسئلہ کی بابت جبکہ وہ ٹھیک طور پر دلائل سے ثابت ہو جائے یہ عذر پیش کرنا کہ اگر یہ مسئلہ اس طرح ہوتا تو یہ تمام فقہاء ضرور اس کے قائل ہوتے۔ کوئی وجہ نہیں رکھتا

(م) صاحب لمعات نے اس سے اجماع کا دعوٰی کر کے حدیث قلتین کو رد کر دیا۔ اور مثلاً حدیث فاطمہ بنت قیس کے غیر مقبول ٹھیرانے کو صاحب نور الانوار لکھتے ہیں قد قال ذٰلک عمر بمحضر من الصحابۃ فلم ینکر احد فکان اجماعا علٰی ان الحدیث مستنکر حالانکہ ایسی باتوں سے کہیں اجماع ثابت ہوتا ہے۔ علامہ مقری اپنے قواعد میں کیا خوب لکھتے ہیں حذر الناصحون من احادیث الفقہاء واجماعات المقلدین انتہی۔ یعنی "نصیحت کرتے والوں نے فقہاء کی احادیث اور مقلدین کے اجماع کے اعتبار سے منع کیا ہے"۔

[1] اس لیے کہ اجماع نام ہے تمام مجتہدین امت محمدیہ کا ایک وقت میں کسی امر دینی پر اتفاق کر لینے کا۔ اگر ایک بھی خلاف ہو گا تو اجماع منعقد نہ ہو گا۔ دیکھو نور الانوار و توضیح تلویح۔ اور امت محمدیہ اقطار و جوانب ہفت اقلیم میں منتشر ہے اُس کے سارے مجتہدوں کا اور پھر اُن کے کسی بات پر متفق ہونے کا علم ہونا محال عادی ہے۔ امام احمد صاحب کا یہ قول کتب اصول میں مذکور ہے۔

اس کے علاوہ ایک مناظر اس شبہ کا جواب یوں بھی دے سکتا ہے کہ حنفیہ جو کہ بمقابلہ شافعیہ کے اپنے مسائل کو اصح اور ارجح و موافق دلائل شرعیہ ثابت کرتے اور ان کے مسائل کو مخالف ونادرست بتاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس کی کیا وجہ ہے کہ شافعیہ میں اس قدر بڑے بڑے علماء اور متبحر فقہاء و محدثین گزرے ان کو ان مسائل کا مخالف ہونا معلوم نہ ہوا۔ کیا وہ سب کے سب بے دین یا بالکل کج فہم یا جاہل تھے جو انھوں نے ان مخالف ونادرست مسائل کو چھوڑ نہ دیا۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا اسی طرح مثلاً حنفی مذہب کے اکابر فقہاء جو ایک دوسرے کا بعض مسائل[1] میں سخت خلاف کرتے اور دوسرے[2] فریق کی بڑے زور کے ساتھ

---

[1] مثل مسئلہ وجوب عشاء در بلغار دیکھو کبیری وغیرہ۔ بڑے بڑے نامور فقہا کا اس میں باہم اختلاف ہے اور مثل مسئلہ فرضیۃ خروج بصنعہ علامہ بردعی اور امام ابو منصور ماتریدی اور امام نسفی صاحب کنز اور شیخ الاسلام تمرتاشی صاحب تنویر اور صاحب شرح وقایہ اور علامہ شرنبلالی اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ خروج بصنعہ کو فرائض نماز سے کہتے ہیں اور علامہ کرخی اور زیلعی اور صاحب درمختار اور صاحب ہدایہ اور بہت سے دیگر اکابر حنفیہ اس کی فرضیت کے قائل نہیں اور مثل مسئلہ نقض وضو بعمد قہقہہ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ وغیرہم اس سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں اور صاحب نہایہ و صاحب غایۃ البیان اور صاحب فتح القدیر اور صاحب بزازیہ وضو ٹوٹ جانے کے قائل ہیں۔ اور مثل مسئلہ جواز وضو بمقاطر از درخت۔ صاحب ہدایہ اور صاحب شرح وقایہ اور صاحب مجتبی وغیرہم جواز کے قائل ہیں اور صاحب بحر اور صاحب نہر اور صاحب غنیہ اور صاحب حلیہ وغیرہم عدم جواز کے۔ اس قسم کے مسائل فقہ میں صدہا ہیں۔ نظیر کے طور پر یہ چند مسئلے ہم نے ذکر کر دیئے۔

[2] اسی طرح علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک و بدعت بتلاتے ہیں جنکے دیگر فریق کے بیشمار اور بڑے بڑے نامور علماء جن میں بہت سے علماء حرمین بھی داخل ہیں عامل اور مجوز ہیں تو یہ تمام علماء کیا بالکل جاہل اور کند فہم ہیں جو ان کو ان امور کا شرک و بدعت ہونا معلوم نہیں ہوتا یا بالکل بے دین ہیں کہ باوجود منع سمجھنے کے بھی نہیں چھوڑتے فما هو جوابکم فهو جوابنا۔ اسی طرح ہم فریق مقابل سے کہیں گے کہ یہ تمام بڑے سے بڑے علماء دیوبند جو کتنے امور کو شرک و بدعت ٹھہراتے ہیں اور تم ان کا شرک و بدعت ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو مستحب و سنت کہتے ہو اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ سب کے سب جاہل ہیں یا ایسے بددین ہیں کہ سنی امور کو شرک و بدعت ٹھہراتے ہیں اور ذرا بھی ان کے جی میں اللہ کا ڈر نہیں۔ فما هو جوابکم فهو جوابنا۔

تغلیط کرتے ہیں تو فریق دوم کا کوئی شخص جبکہ اُس کے سامنے فریق اوّل اپنے دلائل و وجوہ اور دوسرے فریق کی غلطی کا اظہار کرے۔ اگر کہے کہ ہمارے اصحاب بھی بڑے پایہ کے ذی علم اور بہت ہی دقیق النظر محقق تھے وہ ان دلائل و وجوہ کو خوب سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہوتے تو کبھی وہ اُن کا خلاف نہ کرتے تو اس کا کیا جواب ہوگا وہی جواب ان فقہاء کی بابت بھی دیا جا سکتا ہے۔ الحاصل جن مسائل کو اہل حدیث مخالف حدیث بتاتے ہیں۔ اُن پر فقہاء کے قائم رہنے سے ان مسائل کا مخالف حدیث نہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ یہ بات دراصل کچھ تعجب خیز ہے۔ پس کسی امام کا کوئی مسئلہ جب حدیثِ رسولؐ کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس مسئلہ پر قائم رہنے اور حدیثِ رسولؐ کے قبول نہ کرنے کی صحت کی کوئی ذرا سی بھی وجہ نہیں۔ بلکہ ایسا کرنا سخت غلطی ہے یہ اوّل بات ہے جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے اور بڑا اصرار ان کو اسی میں ہے۔

اختلافی مسائل میں تحقیق کی ضرورت:

دُوسری بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ آدمی اختلافی مسائل میں آنکھ میچکر صرف اپنے امام کی رائے پر جس کی وہ تقلید کرتا ہے قانع ہو کر بیٹھ رہے اور دوسرے ائمہ کے اختلاف رائے اور اُن کے اقوال کی بالکل پرواہ نہ کرے، بلکہ چاہیے کہ اپنی وسعت بھر تحقیق کرے اور کتاب و سنت پر پیش کر کے دیکھے جس کا قول قرین قیاس ہو اسی کو اختیار کرے۔ توضیح اس کی یہ ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ مقصود بالذات تابعداری اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور کسی عالم کے قول کی پیروی مشروع ہونے کی کوئی وجہ ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہم کو بتاتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اللہ کا حکم بتانے والوں میں بعض مسائل کی بابت اختلاف ہوا۔ ایک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہے، دوسرا کہتا ہے یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ اور مسلم ہے کہ اختلاف کی صورت[1] میں حق عند اللہ

---

[1] رد المختار حاشیہ در مختار میں در مختار کے اِس قول کے تحت میں کہ "مذہب ہمارا صواب محتمل خطا ہے" لکھتے ہیں "اس لیے کہ اگر قطعاً اپنے مذہب کو صحیح کہدیا جائے تو یہ مسلمہ مقولہ کہ "مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور صواب بھی" صحیح نہ رہیگا۔ پس ہم یقین نہیں کر سکتے کہ ہمارا مذہب دبمقابلہ مذہب امام شافعی وغیرہ کے)

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایک ہی ہوتا ہے۔ پس نفس الامر میں صحیح بات ایک ہی کی ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ ایک عالم اور بے علم کا مقابلہ ہو کہ بے تامل ایک جانب حق کی تعیین کر لی جائے بلکہ وہ سب ہی کے سب بڑے بڑے مجتہد اور ہمارے پیشوا ہیں۔

التزام تقلید شخصی کا نتیجہ لازمی :

لیکن کوئی اجتہادی خطا کے احتمال سے معصوم نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے قول میں خطاء کا احتمال لگا ہوا ہے اور مانا گیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے نہ یہ کہ کسی ایک کی بابت فیصلہ کر دیا گیا ہو کہ اس کے تمام اقوال بالکل صحیح اور درست ہیں۔ پس ہم کو کسی طرح لائق نہیں کہ ہم آنکھ بند کر کے کسی ایک کے پیچھے ہو لیں۔ اور جہاں جہاں اور مجتہدوں نے جو اسی کے ہم پلہ یا اُس سے بڑھ کر ہیں خلاف کیا ہے۔ ان اختلافی مسائل میں ارجح کی تلاش اور اللہ اور رسول کے کلام کے ساتھ مطابق تر قول کی تحقیق کا قصد نہ کریں۔ اگر ہم یہ تحقیق نہ کرنے کا طرزِ عمل اختیار کریں تو گویا ہم نے اُن کو معصوم[1] سمجھ لیا اور مجتہد نہیں بلکہ نبی قرار دے لیا۔ یا اپنے مقصود اصلی اللہ و رسولؐ کے حکم کی اتباع کو چھوڑ دیا اور اس عالم کے اتباع کو مقصود بالذات ٹھہرا لیا[2]۔ حالانکہ ایسا کرنا شرک میں داخل ہے! اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) صواب ہی ہے اور نہ یہ کہ ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہی ہے بنا بر اُس مختار کے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر مسئلہ میں ایک ہی معین ہوتا ہے (نہ ہر دو) جس کی تلاش واجب ہے تو جو اُس کو پہنچ گیا وہ مصیب ہے اور جو نہ پہنچا وہ مخطی ہے اور (یہ بات خود) ائمہ اربعہ سے بھی منقول ہے۔ انتہیٰ۔ آگے جا کر لکھتے ہیں" پس ممکن نہیں ہے کہ یقین یا ظن کر لیا جائے کہ وہ صواب ہی پر ہے بلکہ مقلد کو لازم ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ جس طرف اس کا امام گیا ہے احتمال ہے کہ وہ حق ہو (نہ یہ کہ وہی حق ہے)، انتہیٰ (صلا۳۶ مقدمہ) درمختار اور اس کی شرح ردمحتار حنفیہ کے ہاں بڑی مستند کتابیں ہیں۔ دیکھو جو ہم نے لکھا اکابر حنفیہ اور ائمہ متبوعین کیسی صاف صاف اسکی تصریح کرتے ہیں۔ پس باوجود ان سب باتوں کے تحقیق سے کنارہ کش ہو جانا اور صرف اپنے امام کے اقوال پر ہٹ کرنا کیسی بیجا بات ہے۔

[1] معصوم نہیں سمجھا تو صرف انھیں کی رائے پر اطمینان کر کے کیوں بیٹھ رہے۔

[2] کیونکہ اگر اللہ اور رسولؐ ہی کے حکم کی تابعداری مقصود اصلی تھی تو اسکے حکم کے اور بتانے والوں سے کیوں اعراض کیا گیا اور صرف ایک ایسے شخص کے جملہ اقوال پر جسکی رہنمائی میں احتمالِ خطا بھی ہے کیوں حصر و قناعت کر لی گئی۔

پس ضرور ہے کہ اپنی کوشش بھر اختلافی مسائل میں ارجح اقوال کی تلاش کرے اور تحقیق کو کام میں لائے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ناکامیاب رہا اور ایسے قول پر قائم رہا جو نفس الامر میں راجح نہیں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ مقصود اصلی کی تلاش میں لگا رہا۔ اور اپنے فرض منصبی کو ادا کر چکا لہذا وہ ملزم نہیں بلکہ معذور ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔

تحقیق راجح کے لیے زیادہ علم ضروری نہیں:

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دو مختلف قولوں میں راجح معلوم کرنے کے لیے اس قدر علم درکار نہیں[1] جس قدر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو اپنے اجتہاد خاص سے ایک مسئلہ پیدا کرے بلکہ ایک فی الجملہ لیاقت و استعداد کا آدمی بھی جانبین کے دلائل و وجوہات دیکھنے اور سننے اور تتبع اور تحقیق کرنے کے بعد ایک جانب کی ترجیح پر غلبہ ظن حاصل کر لیتا[2] ہے۔

---

[1] چنانچہ فقہاء متاخرین برابر امام صاحب اور ان کے شاگردوں کے اقوال میں سے بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں اور کسی کو صحیح اور کسی کو غیر صحیح اور کسی کو مفتیٰ بہ اور کسی کو غیر مفتیٰ بہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو مسلم ہے کہ ہم ان کے برابر علم نہیں رکھتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرجح کے لیے اس قدر علم کی ضرورت نہیں جس قدر صاحب مذہب کے لیے اور یہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ایک معمولی فن شاعری میں واقفیت رکھنے والا دو بڑے ائمہ فن کے کلام میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دیتا ہے گو خود وہ ایسا کلام موزوں نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک معمولی فن کتابت سے واقف دو بڑے خوشنویسوں کے خط میں ایک کو دوسرے سے بہتر اور خوش تر بتا رہا ہے گو وہ خود ویسا نہ لکھ سکے ایسے ہی ایک شخص جس کو فن طب میں ایک حد تک دخل ہے وہ اعلیٰ درجے کے طبیبوں کے قول میں سے جبکہ وہ کسی مریض کے مرض کی تشخیص میں اختلاف کریں دونوں کے وجوہ سننے کے بعد ایک کو صحیح تر اور قرین قیاس کہتا ہے حالانکہ وہ ان کا سا علم نہیں رکھتا۔ الحاصل اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ دو مختلف قولوں میں سے ایک قول کو صحیح تر معلوم کرنے کیلیے کچھ بڑے درجے کا عالم ہونا کہ درجۂ اجتہاد ہی کو پہنچا ہوا ہو ضرور نہیں۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ اگر مرجح فریقین سے علم ہو تو وہ ترجیح بہت ہی باوقعت و وزنی ہے مگر نفس ترجیح بغیر اسکے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اس سے اس شبہ کا جواب بھی سمجھ میں آ سکتا ہے جو کہا گیا ہے کہ "ترجیح و تنقید مجتہد ہی کا کام ہے کیونکہ ترجیح بلا احاطہ دلائل کے نہیں ہو سکتی اور احاطہ دلائل کا اور علم ناسخ و منسوخ وغیرہ کا مجتہد ہی کو ہوتا ہے"۔ کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

شاہ صاحب عقد الجید میں اس قول کے رد میں کہ جو شخص آلات اجتہاد کا جامع نہ ہو اس کو اپنے مذہب کے خلاف حدیث پر عمل جائز نہیں کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ وہ حدیث منسوخ یا ماول ہے یا محکم ہے جو اپنے ظاہر پر محمول ہے لکھتے ہیں[1]:

"یہ قول رد کر دیا گیا ہے اس وجہ سے کہ اگر یہ مطلب ہے کہ اس کو ان احتمالات کے رفع کا تیقن حاصل نہیں ہوگا تو تیقن تو مجتہد کو بھی نہیں حاصل ہوتا بلکہ اُس کا اکثر مدار کار بھی صرف ظن غالب پر ہوتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ اس بات کو غالب رائے کے ساتھ بھی نہیں معلوم کر سکتا۔ تو ہم اُس کو مبحوث عنہ صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس لیے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) جب ایک متوسط درجہ کے عالم نے فریقین کے بیان کردہ دلائل کو جو کہ بتسلیم ان کے دلائل کو محیط تھے دیکھ لیا تو اس مسئلہ میں جملہ دلائل کا اس کو علم ہو گیا اور مخالف اور موافق کے دلائل کو جو فریقین نے اپنی اپنی معلومات کے زور سے اور تمام کوشش صرف کر کے پیش کیے اس نے جان لیا اس کے علاوہ وسیع العلم محدثین محققین نے اپنی تصانیف میں اصول ادلہ حدیثیہ کو جمع کر دیا اور ایک ایک مسئلہ کو لے کر اس کے متعلق جو موافق اور مخالف حدیثیں مل سکیں ذکر کر دیں پس جس نے ان مجموعوں کو دیکھ لیا وہ گویا ان دلائل کے احاطے میں انہیں وسیع العلم ائمہ کی برابر واقفیت رکھنے والا ہو گیا۔ رہے باریک باریک استنباط اور لطیف استدلال اول تو وہ بھی جو پہلے علماء کو سوجھے متون اور شروح میں مذکور ہیں۔ دوسرے وہ ہمیشہ افکار علماء باریک بین کے نتیجہ سے پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کا احاطہ کسی طرح مشروط نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں احاطہ تو ان ائمہ کرام کو بھی تہ تھا جن کے اجتہاد سے کسی کو بھی انکار نہیں جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ اور کچھ تحقیقات اس کے متعلق آگے بھی آتی ہے۔

[1] عبارت یہ ہے: وفی المسئلۃ قول اٰخر وھو انہ اذا لم یجمع الآلات الاجتہاد لا یجوز لہ العمل علی الحدیث بخلاف مذھبہ لانہ لا یدری انہ منسوخ او ماول او محکم محمول علی ظاھرہ ورد بانہ ان عدم التیقن بنفی ھذہ الاحتمالات فالمجتھد ایضا لا یحصل لہ الیقین بذلک وانما ینبنی اکثر امرہ علی غالب الظن وان اراد انہ لا یدری ذلک بغالب الرأی ممنعناہ فی صورۃ النزاع لان المتبحر فی المذھب المتتبع لکلام القوم الحافظ من الحدیث والفقہ جملۃ صالحۃ کثیرا ما یحصل لہ غالب الظن بان الحدیث غیر منسوخ ولا ماول بتاویل یجب القول بہ وانما البحث فیما حصل لہ ذلک۔ انتہی منہ۔

کہ جو مذہب میں ماہر ہے اور کتابوں کی تتبع کرتا رہتا ہے اور ایک معتد بہ مقدار حدیث وفقہ کو یاد رکھنے والا ہے بہت مرتبہ اس کو ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے کہ فلاں حدیث نہ منسوخ ہے اور نہ کسی ضروری تاویل کے ساتھ ماؤل ہے۔ اور بحث تو اسی صورت میں ہے کہ جب یہ ظن حاصل ہو جائے۔"

علم حدیث معراج کمال تک:

یہ تو تم پہلے ہی سن چکے ہو کہ فن حدیث[1] اپنے کمال کے اعلےٰ درجے پر پہنچ کر نہایت واضح اور روشن ہو گیا۔ اور علماء محدثین نے اس کی تکمیل و تنقیح میں یہ یہ کوششیں کیں کہ اس کی ہر شاخ اور ہر فن میں علیحدہ علیحدہ اور مستقل کتابیں لکھیں اور اس کے تمام متعلقات کو کھول کر ظاہر وصاف کر دیا۔ محدثین نے جب احادیث کی تدوین کی تو صرف یہی نہیں کیا کہ ان کو باحتیاط تمام لکھ دیا بلکہ ہر حدیث کو مع اس کے سلسلہ اسناد کے کہ جس سلسلہ سے ان کو پہنچی تھی بشرح و تفصیل اس کے تمام راویوں کے لکھا اور راویوں کے شناخت کرانے کے لیے ان کا نام اور ان کی کنیت اور ان کے باپ کا نام اور ان کا وطن اور قبیلہ سب کچھ بتایا۔

پھر اسماء الرجال کا ایک فن علیحدہ مرتب کر کے اس میں ہر ایک راوی کا پورا

---

[1] چنانچہ در مختار اور رد المختار کا قول پہلے ہم نقل کر چکے (دیکھو ص۹۸) یہاں پر ہم عبارت بھی نقل کیے دیتے ہیں (در مختار) العلوم ثلاثة علم نضج وما احترق وعلم لا نضج ولا احترق وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث انتهى ملخصا (رد المحتار) المراد بنضج العلم تقرر قواعده وتفريع فروعها وتوضيح مسائله و المراد باحتراقه بلوغه النهاية في ذلك - قوله علم الحديث لانه قد تم المراد منه وذالك لان المحدثين جزاهم الله تعالى خيرا وضعوا كتبا في اسماء الرجال ونسبهم والفرق بين اسمائهم وبينوا سيئ الحفظ منهم وفاسد الرواية من صحيحها ومنهم من حفظ المائة الف والثلثمائة وحصروا من روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من الصحابة وبينوا الاحكام والمراد منها فانكشف حقيقة طحطاوى - انتهى۔

پورا حال لکھا اور اس کے اُستادوں اور اس کے شاگردوں کی تفصیل اور اس کے سن ولادت و وفات وغیرہا اور اس کی صدق و امانت و دیانت وغیرہ کی اصلی کیفیت جہاں تک اُن کو تحقیق ملی، درج کی۔ تاکہ ہر ایک راوی اور اس کی روایت کردہ حدیث کا درجۂ اعتبار ہر ایک کو اندازہ ہو سکے۔ اگرچہ ان تحقیقات اور نیز ان اُمور کی تفصیل کے بعد جن پر احادیث کی تصحیح و تضعیف کی بنا ہے احادیث معتبرہ و غیر معتبرہ کا جان لینا بہت آسان تھا لیکن انھوں نے اس پر بس نہ کیا بلکہ اکابر محدثین نے عوام کے نفع اور اُن پر آسان کرنے کے لیے خود ہی احادیث کو ممتاز بھی کر دینے کی کوششیں کیں۔

پس کسی نے اس التزام سے کتاب تالیف کی کہ اس میں وہی حدیثیں درج کریں گے جو معتبر اور صحیح ہوں[1]۔ تاکہ ہر کوئی بے دھڑک ان پر عمل کر سکے اور پھر اس تصحیح میں صرف اپنی ذاتی تحقیقات پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ دیگر مبصرین سے بھی اتفاق رائے حاصل[2] کیا اور زمانہ مابعد کے مبصّرین بھی برابر اُن کی تنقید کر کر کے اُن کے ساتھ متفق الرائے ہوتے رہے۔

اور کسی نے جب احادیث ذکر کیں تو وہیں پر ان کی صحت و ضعف کا حال بھی لکھ دیا[3]۔

اور کسی نے وہ احادیث جو دور زمانے میں پیدا ہو گئی تھیں علیحدہ جمع کر دیں[4]، تاکہ اُن کے اختلاط سے عوام کو اشتباہ نہ ہو، بلکہ وہ ہر قسم کی احادیث کو آسانی کے

---

[1] مثل صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مختارہ للحافظ ضیاء الدین المقدسی صحیح ابی عوانہ۔ صحیح ابن السکن۔ منتقی لابن الجارود وغیرہ۔

[2] امام بخاری کا قصہ ہم اوپر لکھ چکے۔ دیکھو ص۶۶

[3] مثل جامع ترمذی۔ سنن دارقطنی۔ مجمع الزوائد للحافظ الهیثمی بلوغ المرام لابن حجر العسقلانی وغیرہ اور بعض کے اسامی آیندہ حواشی میں آتے ہیں۔

[4] مثل المقاصد الحسنۃ للسخاوی۔ اللآلی المصنوعۃ للسیوطی۔ موضوعات ملا علی قاری فوائد مجموعہ للشوکانی وغیرہ۔

ساتھ ممتاز پائیں۔

کسی نے عوام کے واسطے عمل میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے احکام کا علیحدہ انتخاب کر دیا[1]۔ اور اپنی بحث کو انھیں احادیث پر مقصود رکھا جو کہ احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر ہر[2] حدیث کو لے کر اس کی صحت وضعف کی خصوصیت کے ساتھ تحقیقاتیں کیں اور حدیث کے ساتھ اس کے مؤید یا اس کے معنے حل کرنے والی جو دوسری احادیث تھیں اُن کو بھی ذکر کر دیا اور پھر اگر کوئی اس کے معارض تھی تو اُس کا بھی ذکر کر کے اور وجہ توفیق یا ترجیح بیان کر کے بات کو صاف[3] کر دیا۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے فقہ حدیث سے خاص طور پر بحث کی۔ حدیثوں کے لیے ترجمہ باب مقرر کیے اور ان سے مسائل مستفاد کر کے لوگوں کو ان کے ساتھ متنبہ کیا اور بعض ائمہ نے تو اس عالی مبحث میں بہت بڑا حصہ لیا اور فقہ حدیث میں[4] نہایت وسیع وسیع بحثیں لکھیں اور ایک ایک حدیث لے کر بیسیوں اور سینکڑوں مسئلے استنباط

---

[1] مثل سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی۔ سنن ابن ماجہ۔ منتقی لشیخ الاسلام عبد السلام الحرانی کتاب الاحکام للشیخ احمد بن عبد اللہ الطبری جامع الاحکام لابن العربی اور حاشیہ آئندہ میں آتے ہیں۔

[2] مثل کتاب التحقیق لابن الجوزی۔ تنقیح التحقیق للامام عبد الهادی۔ کتاب الاحکام الحافظ عبد الحق الاشبیلی تخریج ہدایہ الحافظ الزیلعی تلخیص الحبیر لابن حجر العسقلانی۔ بلوغ المرام۔ دلائل الاحکام لابن شداد الحلبی وغیرہ۔

اور بعض کا نام پہلے مذکور ہو چکا اور بعض کا اگلے حاشیہ میں آتا ہے۔

[3] مثل کتاب الامام۔ کتاب الالمام کلاھما للامام ابن دقیق العید۔ استذکار شرح مؤطا تمہید شرح مؤطا۔ کلاھما الحافظ ابن عبد البر۔ کتاب الازھار۔ شرح مصابیح للعلامۃ الاردبیلی۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ نووی شرح صحیح مسلم سبل السلام۔ نیل الاوطار وغیرہ۔

[4] جن احادیث میں بظاہر تعارض تھا محدثین نے عوام کے رفع اشتباہ کیلیے انکی تطبیق میں مستقل کتابیں لکھی ہیں مثل اختلاف الحدیث للامام الشافعی۔ تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ وغیرہ۔

اور ثابت کر دیے اور لوگوں کے لیے ایک بے بہا نعمت تیار کر کے چھوڑ گئے اگرچہ اکثر ان کتابوں میں بھی حدیث منسوخ پر تنبیہ موجود تھی۔ لیکن ایک گروہ[1] نے مزید تسکین اور اطمینان کے لیے منسوخ حدیث سے علیحدہ بحث کی اور ان کے تمیز کرا دینے کے لیے اس میں مستقل کتابیں لکھیں۔ پھر فہم معانی میں آسانی کر دینے کے واسطے نادر الفاظ کی تحقیق اور مشکل جملوں کی شرح میں علیحدہ کتابیں[2] مرتب کیں۔ غرض کہ محدثین نے فن حدیث کو روز روشن کی طرح صاف و ظاہر کر دیا۔ اور پیغمبر صاحبؐ کے اس ارشاد کو پورے

---

[1] مثل امام ابن قرطی۔ علامہ ابوبکر شیبانی۔ احمد بن اسحاق انباری۔ ابوجعفر النحاس۔ ابوبکر ابن العربی۔ ابوداؤد سجستانی۔ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی۔ ابوالقاسم بن ھبۃ اللہ۔ ابوحفص بن شاھین بغدادی۔ امام قشیری محمد بن بحر اصفہانی۔ امام ابن الجوزی وغیرہم۔ ان صاحبوں نے ناسخ و منسوخ حدیث میں مستقل کتابیں لکھیں۔ حازمی کی کتاب الاعتبار جو ابھی طبع ہو کر شائع ہوئی ہے، بہت خوب کتاب ہے۔

[2] مثل غریب الحدیث للامام ابی عبید متوفی ۲۲۴ھ غریب الحدیث۔ ومشکل الحدیث لابن قتیبۃ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ۔ غریب الحدیث للعلامۃ ابی بکر الانباری متوفی ۳۲۷ھ غریبین لابی عبید الهروی متوفی ۴۰۱ھ۔ تہذیب غریب الحدیث للخطیب التبریزی متوفی ۵۰۲ھ الفائق للزمخشری متوفی ۵۳۸ھ۔ مجمع الغرائب لعبد الغافر متوفی ۵۲۷ھ۔ مجمع الغرائب لابی اسمٰعیل الفارسی متوفی ۵۲۹ھ۔ مشارق الانوار للقاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ۔ نہایہ لابن الاثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ۔ جمل الغرائب للقاضی بیان الحق النیسابوری تنبیہات۔ مجمع البحار۔ وغیرہ۔ چونکہ تحقیق لغت و شرح محاورات مجرد سماع پر مبنی ہے۔ اور اس کے لیے بالخصوص حدیث و قرآن کے بیان معنی میں قدیم زمانے کی زبان معتبر ہے اس وجہ سے ہم نے ان ائمہ کی تاریخ بتادی، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان الفاظ کی شرح بیان کرنے والے پرانے زمانے کے لوگ ہیں یا وہ جنھوں نے انھیں کتابوں سے اخذ کیا۔ ہمارے زمانے کے لوگوں نے جو محاورات وغیرہ بیان کیے مزید احتیاط اس کے ساتھ انھوں نے اس کی سندیں بھی لکھی ہیں۔

طور پر دکھا دیا۔ لقد[1] ترکتکم علی مثل البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ عنھا الاھالك محدثین نے صرف اسی قدر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے ہر قسم کے آدمی پر آسان کر دینے کے لیے مطول کتابوں کو مختصر کیا۔ اور مبسوط بیانات کی تلخیص کی تاکہ جس کو خلاصہ بات معلوم کرنا ہو۔ وہ مختصرات کو دیکھ لے اور جس کو مع وجوہ و شرح دیکھنا ہو وہ مبسوط کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ الحاصل اُنھوں نے کوئی عذر و حیلہ کسی کے لیے حدیث میں اشتباہ پیدا کرنے اور اس کے قبول نہ کرنے کا باقی نہ چھوڑا۔ پس کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ اوسط درجے کا علم والا جب وہ قرآن و حدیث کی رو سے کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا چاہے اس کو اس میں ظن غالب حاصل نہ ہو سکے۔

ایک عذر لنگ :

لیکن افسوس ہے کہ مقلدین کو اس پر بھی انکار ہے اور وہ اب بھی کہتے ہیں کہ ہم حدیث کو سمجھ نہیں سکتے حالانکہ وہ حدیث پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور حدیث کو اپنے امام کے موافق بنانے کے وقت اور ان کے مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے بڑے سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ طرح طرح سے اس حدیث کے معنے جو مخالف ہے اپنے امام کے غیر مخالف بناتے ہیں۔ لیکن اگر حدیث پر عمل کے لیے کہا جائے تو یہ عذر ہے کہ ہم سمجھ نہیں سکتے۔ علامہ محمد حیات مدنی کیا خوب فرماتے[2] ہیں :

"بہت سے اُن میں کے جبکہ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے تو وہ حدیث کے نہ سمجھنے کا دعوٰی کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ اپنی فضیلت کے مدعی ہیں اور حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں اور جس کی

---

[1] اخرجہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ واسنادہ حسن یعنی بیشک میں نے تم کو چٹے میدان کی طرح روشن و صاف دین پر ڈال کر چھوڑا ہے جسکی رات بھی دن ہی کی طرح روشن ہے اب اس سے وہی بھٹکے گا جو تباہ کار ہو گا۔

[2] عبارت یہ ہے : وکثیر منھم من یدعی عدم فھم الحدیث اذا قیل لہ لما لا تعمل بالحدیث مع ادعائہ الفضیلۃ وتعلیمہ وتعلمہ واستدلالہ لمن قلدہ وھذا من اغرب الغرائب انتھی ما فی تحفۃ الانام۔

تقلید کرتے ہیں اس کے لیے استدلال کرتے ہیں اور یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔"

لیکن اگر وہ اپنے دل میں انصاف کریں اور ہم اللہ تعالیٰ کو اس بارے میں حکم گردانتے ہیں تو کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ جب وہ دو مختلف قولوں کے دلائل و وجوہات سنتے اور دیکھتے ہیں تو اُن کے ذہن میں ضرور ایک جانب کی ترجیح کی بابت ظن غالب قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس مذہب کی تخصیص سے جس کے نام لینے والوں میں وہ پیدا ہوئے ہیں قطع نظر کر کے نظرِ تحقیق سے احادیث کو دیکھیں تو ضرور وہ بہت سے مسائل میں اپنے مذہب کے خلاف رائے قائم کر سکتے ہیں۔ وہ خود اللہ علیم و دانا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اپنے جی میں اس کا فیصلہ کریں کہ آیا وہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں یا نہیں، اور فریقین کے دلائل دیکھنے اور تحقیق کرنے کے بعد ان کے ذہن میں ایک بات کی ترجیح سمجھ میں آتی ہے یا نہیں۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ[1]۔

اجتہاد اور اُس کی آسانی:

بہر حال اس میں شک نہیں کہ دو مختلف قولوں میں سے وجوہ و دلائل سُننے کے بعد ایک کو ترجیح دینے کے لیے کسی متعسر الحصول اور بہت وسیع مقدار علم یا درجۂ اجتہاد کے حاصل ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس یہ خیال ہرگز صحیح نہیں کہ حدیث کا سمجھنا اور اُس سے دلیل پکڑنا یا اُس کے ذریعہ سے امام کے مسئلہ کو راجح یا غیر راجح معلوم کرنا یا کسی مسئلہ میں امام کا خلاف کرنا مجتہد کا کام ہے۔ بغیر درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے کسی کو یہ منصب حاصل نہیں۔ اس کے علاوہ اجتہاد بھی کوئی ایسا منصب نہیں ہے جو نبوت کی طرح ختم ہو گیا ہو جیسا کہ عوام الناس کے خیالات میں سمایا ہوا ہے کہ اب وہ کسی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی شبہ نہیں کہ وہ پہلے زمانے کی بہ نسبت زمانۂ مابعد میں بہت سہل ہو گیا اور اس کا حاصل ہونا نہایت آسان ہو گیا۔

---

[1] بلکہ انسان اپنے نفس پر خود شاہد ہے گو اپنے عذر کیا کرے۔ (سورۃ قیامۃ رکوع ۱)

اجتہاد کے لیے جن علوم[1] کی ضرورت ہے اُن کا ذکر تم پہلے سُن چکے[2] ہو۔ وہ علوم سارے کے سارے بعد کے زمانوں میں نہایت میسر الحصول ہو گئے اور محقق اور مدوّن ہو ہو کر اپنے وضاحت و تنقیح کے درجہ اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ قرآن مجید کی دس پانچ نہیں بلکہ صدہا تفسیریں مرتب ہو گئیں۔ حل معانی۔ بیان مشکل۔ استنباط مسائل توضیح۔ شانِ نزول۔ تحقیق ناسخ و منسوخ ہر قسم کے ضروری مسائل پر بلکہ ضرورت سے زائد بڑی بڑی مبسوط بحثیں اور تنقیحیں کی گئیں اور کرنے والے یہ سارے علمی خزانے اپنی اپنی تصنیفات میں ودیعت رکھ کر پچھلوں کے لیے چھوڑ گئے، اور صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے مزید تیسیر کے لیے آیات احکام کو علیحدہ کر کے جن سے مجتہد و مسائل کو تعلق ہے ان کی مستقل تفسیریں[3]

---

[1] اجتہاد کے لیے جو علوم اور جو اُن کی مقدار ہم پہلے عقد الجید سے نقل کر چکے ہیں وہی اصول کی کتابوں میں بھی مذکور ہیں۔ دیکھو تلویح و توضیح وغیرہ۔ اور ہدایہ میں ہے: وفی حد الاجتہاد کلام عرف فی اصول الفقہ حاصلہ ان یکون صاحب حدیث لہ معرفۃ بالفقہ لیعرف معانی الاٰثار و صاحب فقہ لہ معرفۃ بالحدیث لئلا یشتغل بالقیاس فی المنصوص علیہ انتہیٰ۔ یعنی اُصول فقہ میں اجتہاد کی تعریف جو مذکور ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد وہ ہے جو صاحب حدیث ہو اور فقہ سے آگاہی رکھتا ہو تاکہ روایات کے معنی جان سکے۔ یا صاحب فقہ ہو اور حدیث سے آگاہی رکھتا ہو تاکہ منصوص میں قیاس نہ کر بیٹھے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ اجتہاد کے لیے فقہ میں مہارت اور حدیث میں فی الجملہ دخل یا حدیث میں مہارت اور فقہ میں فی الجملہ دخل کافی ہے۔ اس سے تم کو ہمارے اس بیان کے سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے جو پہلے لکھ چکے (دیکھو حاشیہ) کہ اجتہاد کئی طریق کا ہوتا ہے اور عموماً کسی کے مجتہد ہونے سے اُس کا کثیر الحدیث ہونا یا فن حدیث میں ماہر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

[2] دیکھو صفحہ ۱۳۷

[3] جن اصحاب نے آیاتِ احکام کی تفسیریں علیحدہ لکھیں یا احکام قرآن کو تالیف کیا ان میں سے بعض اصحاب کے نام نامی یہ ہیں۔ امام شافعی۔ شیخ ابو الحسن۔ علی بن حجر سعدی۔ قاضی ابو اسمٰعیل بصری۔ شیخ ابو الحسن قمی۔ امام طحاوی شیخ ابو محمد قرطبی۔ شیخ ابو بکر جصاص رازی۔ کیاہراسی بغدادی۔ قاضی ابو بکر ابن العربی۔ شیخ عبد المنعم غرناطی۔ شیخ ابو محمد مکی شیخ ابو بکر بیہقی۔ ملا جیون صاحب امیٹھوی لکھنوی۔ نواب صدیق حسن خانصاحب قنوجی رحمہم اللّٰہ تعالیٰ۔

لکھ دیں۔

اسی طرح احادیث کے ساتھ بھی کیا گیا۔ ایک[1] ایک کتاب اس فن میں

---

[1] **محدثین کے عظیم الشان کارنامے:**

اس موقع پر ہم شاہ صاحب کے اس کلام کے ترجمہ کو جو انھوں نے اہلحدیث اور اُن کے علمی کارناموں میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں: اس سے تم کو اس بات کی اور نیز جو پہلے مذکور ہوا اور بعض مضامین جو آگے آتے ہیں ان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں۔ "پھر (محدثین کے طبقۂ اولیٰ کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ایک اور جماعت کو پیدا کیا تو انھوں نے اپنے اصحاب (طبقہ اولیٰ) کو دیکھا کہ وہ جمع احادیث اور اہلحدیث کے طریقہ پر تمہید فقہ کے بوجھ کے لیے کافی ہو گئے (یعنی وہ اس کو انجام دے چکے) تو اب یہ لوگ دوسرے فنون کے لیے فارغ ہو گئے۔ مثلاً ان احادیث صحیحہ کا تمیز کرنا جن پر اکابر محدثین مثل زید بن ہارون اور یحییٰ بن سعید قطان اور احمد اور اسحاق وغیرہم کا اجماع ہو۔ اور مثلاً ان احادیث احکام کا جمع کرنا جن پر مختلف شہروں کے فقہاء (مجتہدین) اور علماء بلاد نے اپنے مذاہب کی بنا رکھی ہے اور ہر حدیث پر (صحت و ضعف وغیرہ کا) جیسکی وہ مستحق تھی حکم لگانا اور نادر اور اکا دکا احادیث کا جن کو اوائل نے روایت نہ کیا تھا جمع کرنا یا اُن کی ان سندوں کا جن سندوں سے اوائل نے روایت نہ کیا تھا فراہم کرنا جن میں کچھ مطالب علیہ ہیں۔ اس گروہ کے لوگ بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور عبد بن حمید اور دارمی اور ابن ماجہ اور ابو یعلیٰ اور ترمذی اور نسائی اور دار قطنی اور حاکم اور بیہقی اور خطیب اور دیلمی اور ابن عبد البر وغیرہم ہیں اور میرے نزدیک ان سب میں وسیع تر علم کی رو سے اور نافع تر تصنیف میں اور مشہور تر نام میں چار شخص ہیں۔ زمانے میں (بھی) قریب اور سب میں اوّل ابو عبداللہ بخاری ہیں اُن کی غرض تھی احادیث صحیحہ متصلہ کا جو بہت سی سندوں سے مروی ہیں چن لینا اور پھر احکام اور پیغمبر صاحبؐ کے حالات اور تفسیر (قرآن) کا ان سے استنباط کرنا۔ پس انھوں نے اپنی جامع صحیح (بخاری) کو تصنیف کیا اور جو شرط کی تھی اُس کو پورا کر دیا اور ہم کو خبر پہنچی ہے کہ صالحین میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ فرماتے ہیں تجھ کو کیا ہو گیا کہ تو محمد بن ادریس (شافعی) کی فقہ میں مشغول ہے اور میری کتاب چھوڑ دی۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکی کون کون کتاب ہے۔ فرمایا صحیح بخاری (امام شافعی کے مذہب کی بابت صحیح بخاری کے مقابلے میں کہ جو صحیح بخاری کی احادیث کے ساتھ بہ نسبت حنفی مذہب کے بہت زائد موافق ہے حتیٰ کہ بخاری کو شافعی المذہب اور صحیح بخاری کو شافعی مذہب کی کتاب کہہ دیا گیا یہ ارشاد ہوا تو حنفی مذہب کی بابت اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے (ق)

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔

(۵) اور میں قسمیہ کہتا ہوں کہ صحیح بخاری شہرت اور قبول کے اُس درجہ پر پہنچی کہ اس سے تا مذا مادہ بھی تمہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے مسلم نیشاپوری ہیں اُنھوں نے قصد کیا ان (احادیث صحیحہ کی تجرید کر دینے کا جن کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہو اور مرفوع متصل ہوں جن سے مسائل شرعیہ استنباط کیے جاتے ہوں اور اُنھوں نے اُن احادیث کا دسمجھنے میں بھی) ذہنوں سے قریب کر دینا اور استنباط مسائل کا ان سے سہل کر دینا چاہا۔ پس اُنھوں نے اُس کو بہت خوبی سے ترتیب دیا اور ہر حدیث کی تمام روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ متون احادیث (میں اگر الفاظ کا کوئی) اختلاف رہے تو وہ) اور اسنادوں کا شاخ در شاخ ہونا واضح تر طریقے سے ظاہر ہو جائے اور مختلفات کو جمع کیا۔ پس عربی زبان جاننے والے کے لیے کوئی عذر حدیث سے کسی دوسری چیز کی طرف (مثل رائے و تقلید کے) رجوع کرنے کا نہ چھوڑا۔

تیسرے ابوداؤد سجستانی ہیں ان کا ارادہ ہوا ان احادیث کے جمع کرنے کا جن سے فقہا نے استدلال کیا اور وہ انمیں متداول ہوئیں اور علماء بلاد نے اُن پر بناء احکام رکھی۔ پس انھوں نے اپنی سنن (سنن ابی داؤد) تصنیف کی اور اسمیں حدیثیں صحیح اور حسن لیں (ذرا ضعیف) اور قابل واسطے عمل کے جمع کیں۔ ابوداؤد نے فرمایا۔ میں نے اپنی کتاب میں کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں کی جس کے ترک پر اجماع ہو اور جو ضعیف تھیں اُنکے ضعف کو ظاہر کر دیا، اور جسمیں کچھ علت تھی اُسکی علت کو ایسے طریقے سے بیان کر دیا کہ اِس فن میں گھسنے والا پہچان جائے۔ اور ہر حدیث کے لیے وہ ترجمہ مقرر کیا جو کسی عالم نے اُسکو اس حدیث سے استنباط کیا اور کسی مذہب والے نے اُسکو اختیار کیا تھا اور اسی واسطے غزالی نے صاف کہہ دیا کہ ابوداؤد کی کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے۔

چوتھے ابو عیسیٰ ترمذی ہیں اور گویا اُنھوں نے طریقہ شیخین کو (بھی) پسند کیا کہ انھوں نے ظاہر کر دیا اور مبہم نہیں چھوڑا۔ اور طریقہ ابوداؤد کو (بھی) کہ ہر حدیث کو جس کی طرف کوئی گیا ہے جمع کر دیا تو ترمذی نے دونوں طریقوں کو ملا دیا اور بیان مذاہب صحابہ اور تابعین اور مجتہدین بلاد کو اس پر اور مزید کیا۔ پس ایک جامع کتاب جمع کر دی اور لطافت کے ساتھ طرق حدیث کا اختصار کیا تو ایک طریق کو ذکر کر کے اور طرق کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر حدیث کا حال بیان کر دیا کہ وہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے یا منکر ہے اور وجہ ضعف کو بھی بیان کر دیا کہ طالب اپنے کام میں بصیرت کے ساتھ رہے۔ پس تمیز کرے اُس کو جو اعتبار کے لائق ہے اور جو اس سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) :-

کم ہے - اور یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ کثیر الاسناد ہے یا غریب ہے - اور جس کے نام بتانے کی ضرورت تھی اس کا نام بتا دیا اور جس کی کنیت کی ضرورت تھی اس کی کنیت بتائی اور جو افرادِ علم میں سے ہے اس کے لیے کوئی پوشیدگی نہیں چھوڑی - اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ مجتہد کے لیے کافی ہے - اور مقلد کو (تقلید سے) بے پروا کرتی ہے - انتہٰی -

(حجۃ اللہ ص۱۵۶ ج ۱)

حنفی مذہب کی بنا حدیث پر بہت کم ہے :

شاہ صاحب کے اس قول سے چند باتیں معلوم ہوئیں :-

اوّل -

یہ کہ تمام مشہور ائمہ اور اُن کے مذاہب کے دلائل جن پر اُن کی بنا ہے ـــ جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں انھیں کتب حدیث میں مذکور ہیں - اور چونکہ کتب حدیث میں وہ احادیث جن پر حنفی مذہب کے اختلافی مسائل کی بنا ہے بہت کم ہیں، یا غیر معتبر ذریعہ سے ثابت ہیں - پس معلوم ہوا کہ حنفی مذہب کا مبنی برنسبت دوسرے مذاہب کے حدیث پر کم ہے - جس کی بڑی وجہ بانی مذہب کا بہت سی احادیث پانے سے بوجوہ مذکورہ معذور رہنا ہے -

دوسرے -

اُن کے جو کچھ دلائل ہیں وہ یہی ہیں جو ان کتابوں میں مذکور ہیں - پس کسی مخالف مسئلہ کے پیش ہونے پر یہ خیال کرنا کہ شاید کوئی اور حدیث ان کی دلیل ہوگی، بجز ایک خیالِ خام کے اور کچھ نہیں -

تیسرے -

ان کتابوں میں کی ایک ایک کتاب ایسی ہے جو مجتہد کے لیے کافی ہے نہ کہ جب کئی مل جائیں - پس اب اجتہاد میں بہت آسانی ہے -

چوتھے - محدثین کی ان کتابوں نے تقلید سے مستغنی کر دیا ہے -

ایسی ایسی مفید اور جامع لکھی گئی کہ اس کی بابت کہا گیا کہ بس وہ مجتہد کے لیے کافی ہے۔ پھر محدثین نے ایک ایک حدیث[1] کو لے کر اس کے ہر ہر پہلو کے متعلق بڑی بڑی بسیط شرحیں اور تحقیقیں لکھیں۔ اس سے جس قدر مسائل و احکام خود اُن سے یا اُن سے پہلوں سے مستفاد ہو سکے ان کو تفصیل وار علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا۔ اگر اس میں کوئی اشکال یا اشتباہ تھا اس کو بھی کھول دیا اور پھر جا بجا مذاہب صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے بھی بیان کر دیئے اور ہر ایک کے دلائل اور وجوہ استنباط بھی بتا دیئے جو بجائے خود حصول درجہ اجتہاد کے لیے کافی ہے۔ غرض وہ ایک بے پایاں انمول دولت کما کر آئندہ نسلوں کے بلا مشقت حاصل کر لینے کے لیے چھوڑ گئے[2]

اسی طرح فن اُصول جو مجتہد کے لیے دُشوار گزار و تاریک منازل طے کرنے کے واسطے بمنزلہ مشعل کے ہے وہ پچھلے زمانوں میں چھن کر کیسا منقح اور مکمل ہو گیا اور اس میں قیاس و استنباطات کے تمام طریقے کھول کر واضح کر دیے۔

اسی طرح فنون عربیت کی تہذیب و تنقیح میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

---

[1] دیکھو کتب شرح حدیث اور بعض کا نام ہم پہلے بھی بیان کر چکے اور بعض کا آگے آتا ہے۔

[2] اس قسم کی کتابوں کے نام ایک جگہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ (دیکھو حاشیہ صفحہ ۹۹)۔ ابھی شاہ صاحب کے کلام میں اور اس سے پہلے بھی مذکور ہوئے۔ ان کے علاوہ الاوسط۔ کتاب الاشراف۔ کلاھما للعلامۃ ابی بکر بن المنذر النیشاپوری۔ الایصال لابن حزم۔ اس میں تمام مشہور مذاہب اور ہر ایک کے دلائل لکھے ہیں۔ اور نفس مذاہب کے بیان میں رحمۃ الامۃ فی اختلاف الامۃ بھی مشہور کتاب ہے۔ امام شعرانی نے ایک کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ تالیف کی جس میں دعویٰ کیا کہ کوئی مذہب نہیں جس کی دلیل اس کتاب میں ذکر نہ کر دی ہو۔ گویا اُنھوں نے تمام مذاہب کا احاطہ کر دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں محققین کے طریقہ پر صحت اور ضعف سے تعرض نہ کیا بلکہ ہر قسم کی دلیل کو ایک رنگ میں بیان کر دیا جسکے عنوان سے تحقیق پسند راضی نہیں ہو سکتا۔

متأخر علماء کی فراوانیٔ معلومات :

غرضنکہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ تمام علوم جن پر مدار اجتہاد ہے وہ سابق کے زمانوں کی نسبت بعد کے زمانوں میں بیحد سہل الوصول اور آسان[1] ہو گئے اور پہلے زمانے کے علماء جو بات بدقت تمام اور اپنی ذاتی کوششوں سے اور طویل زمانہ صرف کرنے کے بعد حاصل کر سکتے تھے۔ اب پچھلے زمانے کے اہلِ علم وہ بات تیار شدہ بہت آسانی کے ساتھ بلاضرورت صرف مدّت زائد کے پا رہے ہیں۔ اور پھر ایک عالم کی کمائی نہیں بلکہ ہزارہا علماء کی عمر بھر کی نہایت مشقت و محنت کے ساتھ حاصل کی ہوئی کمائی مفت لے رہے ہیں اور اپنی ذاتی تحقیقات علیحدہ۔ بلکہ ایک بعد والے کی ذاتی تحقیقات بھی ایک پہلے عالم کی ذاتی تحقیقات سے مقدار میں زیادہ ہونا چاہیے اور ہو ہی گی اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جس قدر اسباب و آلات کی فراہمی اور آسانی ہو گی اسی قدر ثمرے اور نتیجے کی کثرت اور زیادتی ہو گی اور اسباب و آلات کی فراہمی اور آسانی ابھی ثابت ہو چکی۔ لہٰذا پچھلے زمانے[2] میں اوسط درجہ کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات کا پہلے زمانے کی حدّ درجے[3] کی سعی کرنے والے عالم کی معلومات بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ گو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ فضل و شرف میں پہلے ہی پیش پیش ہیں۔

کیا ازمنۂ متأخرہ میں مجتہد نہیں ہوئے؟

مگر مقدار علم و فراہمی معلومات میں پچھلے بڑھ گئے۔ اور یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے قرار دے لیا ہے کہ پہلے لوگوں کو جس قدر فہم و ذہن عنایت

---

[1] بالخصوص جب سے مطابع ہوئے اور بھی آسانی ہو گئی۔ جو کتابیں پہلے زمانے میں خاص خاص کتب خانوں میں ہوتی تھیں اور بمشکل کسی کو دیکھنے کو ملتی تھیں اب عام ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جو کتابیں ہنوز طبع نہیں ہوئیں۔ مثل صحیح ابن خزیمہ وغیرہ ان کی کمیابی ظاہر ہے اور ان تک پہنچنا اور ان کا دیکھنا کیسا مشکل ہے۔

[2] جبکہ دونوں کوشش و فہم میں برابر ہوں۔

[3] چنانچہ پہلے زمانے کے ائمہ کا بمشکل قلیل حصہ حدیث کے پانے کا ذکر پہلے پڑھ چکے ہو۔

فرمایا تھا۔ پچھلوں کو اس قدر عنایت نہ فرمائے گا جس سے سمجھا جائے کہ پچھلوں سے اجتہاد کی اہلیت مسلوب ہو گئی۔ اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اجتہاد میں جدت کی بھی کوئی شرط نہیں پس کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پچھلے زمانے کے یہ تمام بڑے بڑے علماء جو فنونِ حدیث وغیرہ میں بخوبی دخل و نظر تحقیقی رکھتے تھے مجتہد نہ تھے یا پچھلے زمانے میں کوئی درجۂ اجتہاد کو نہیں[1] پہنچ سکتا۔

---

[1] متاخر علماء و مجتہد کیوں مشہور نہ ہوئے؟

جب مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی مروّج ہو گئی تو اُس کا پاس لوگوں پر ایسا غالب ہوا کہ انھوں نے ہر شخص کو گو وہ اپنی تحقیق و علم کے لحاظ سے کیسے ہی عالی مرتبہ پر پہنچا ہوا ہو۔ انھیں سلسلوں میں سے کسی سلسلہ میں محصور کرنا چاہا۔ اور نہیں تو مجتہد منتسب ہی قرار دیدیا۔ چنانچہ اس انتساب کی کارروائی کو پہلے کے بعض ایسوں کی بابت بھی جاری کر دیا جنکی طرف سے ذرا بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا لیکن پچھلے زمانے کے تذکرے و طبقات لکھنے والے اپنے خیالات کے موافق ایسا کرتے رہے۔ حالانکہ نفس الامر میں کوئی ضرورت نہیں ہے جو ان کو انھیں میں سے کسی ایک کی طرف انتساب پر مجبور کرتی ہو۔ ایک متاخر زمانے کا متبحر عالم جس نے اُن علوم میں جو مجتہد مطلق مستقل کے لیے ضروری ہیں فاقی اطمینان حاصل کیا ہے اور گو وہ اکثر مسائل میں زمانہ متقدم کے کسی مجتہد کے موافق ہے لیکن اس کا ذاتی تبحر د تحقیقات اس درجہ کا ہے کہ وہ ان مسائل کا اس متقدم مجتہد کے بھروسہ پر قائل نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ متقدم نہ ہوتا تاہم وہ ان اصولی و فروعی مسائل تک پہنچ جاتا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ باعتبار اس کے نفسِ علم کے اس کو مجتہد مطلق مستقل نہ کہا جائے (بالخصوص جبکہ وہ استقلال و عدم تقلید کا دعویٰ بھی کرے جیسا کہ کتنے علماء سے ثابت ہوا) یا بعض مسائل اصول و فروع میں ردو بدل بھی کرے۔ اِس قسم کے علماء متاخرین میں بہت ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ اصول و فروع کا معظم حصہ قرونِ اولیٰ میں ممہد ہو چکا اور چند ائمہ عظام ان کے بانی ہونے کی اور تقدم اور پیش روی کی پوری شہرت حاصل کر چکے۔ لہٰذا بعد کے آنیوالے اکابر علماء گو وہ اپنے کمالات علمی اور لیاقتِ ذاتی میں اسی درجہ کو پہنچے جو ایک مجتہد مستقل کو ہونا چاہیے۔ مگر وہ عام طور پر مجتہد مستقل نہ تسلیم کیے گئے بلکہ اگر بہت کچھ قدر کی گئی تو مجتہد منتسب مانے گئے (باقی اگلے صفحہ پر)

شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں[۱]: اجتہاد کی حقیقت جو علماء کے کلام سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ شرعی احکام کو جو کہ فرعی اعمال کے متعلق ہیں ان کو ان کے دلائل سے جو کہ قرآن وحدیث واجماع و قیاس ہیں جاننے میں کوشش صرف کرنا۔ اجتہاد کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ وہ عام ہے۔ خواہ یہ کوشش اس حکم کے معلوم کرنے میں ہو جس میں پہلے علماء گفتگو کر چکے ہیں اور اس کو اس کی دلیل سے استخراج کر چکے ہیں۔ یا ایسا نہ ہو بلکہ کوئی نیا مسئلہ ہو اور خواہ یہ شخص پہلوں کی اگر وہ اس میں گفتگو کر چکے ہیں موافقت کرے یا مخالفت۔ اور خواہ یہ اجتہاد دوسرے کی اعانت سے ہو۔ صورت مسئلہ یا ماخذ و دلیل پر تنبیہ کی بابت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہی تشریع تھی اور وہی دلائل اور وہی مسائل۔ اور رؤس مسائل پہلے ہی مرتب ہو چکے۔ پس پچھلے لوگ اگر اپنی ذاتی ہی لیاقت سے اصول و فروع کے مسائل مرتب کریں تو اکثر وہی ہوں گے جو پہلے ہو چکے۔ لہٰذا وہ کوئی نمایاں جدت اور کارگزاری نہیں دکھا سکے بلکہ بیشتر پہلوں ہی کے ساتھ موافقت رکھتے تھے اسلیے مجتہد مستقل نہ مشہور ہو سکے بلکہ منتسب شمار ہوئے ہم کو اصطلاح میں بحث نہیں ہے، کچھ بھی مقرر کر لی جائے۔ لیکن باعتبار نفس علم اور اسکے ثمرہ کے زمانہ ما بعد میں بکثرت ایسے علماء ہوئے جو مجتہد مطلق مستقل کہے جا سکتے ہیں۔

[۱] عبارت یہ ہے: حقيقة الاجتهاد على ما يفهم من كلام العلماء استفراغ الجهد في ادراك الاحكام الشرعية الفرعية عن ادلتها التفصيلية الراجعة كلياتها الى اربعة اقسام الكتاب والسنة والاجماع والقياس ويفهم من هذا انه اعم من ان يكون استفراغا في ادراك ما سبق التكلم فيه من العلماء السابقين اولا وافقهم في ذلك او خالف ومن ان يكون ذلك باعانة البعض في التنبيه على صور المسائل والتنبيه على ماخذ الاحكام من الادلة التفصيلية او بغير اعانة منه فما يظن في من كان موافقا لشيخه في اكثر المسائل لكنه يعرف لكل حكم دليلا ويطمئن قلبه بذلك الدليل وهو على بصيرة من امره انه ليس بمجتهد ظن فاسد وكذلك ما يظن من ان المجتهد لا يوجد في هذه الازمنة اعتمادا على الظن الاول بناء فاسد على فاسد۔ انتهى۔

یا بلا دوسرے کی اعانت کے ہو۔ پس ایسے شخص کے بارے میں جو اپنے استاد کے اکثر مسائل میں موافق ہے۔ لیکن وہ ہر حکم کی دلیل جانتا ہے اور اس کا دل اس دلیل کے ساتھ مطمئن ہے۔ اور وہ بصیرت رکھتا ہے۔ یہ خیال کہ وہ مجتہد نہیں خیال فاسد ہے۔ اور اسی طرح جو یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان زمانوں میں مجتہد نہیں پائے جاتے۔ اسی خیال کی بنا پر تو یہ فاسد کی بنا فاسد پر ہے اور بالکل ہی غلط ہے۔"

غرض کہ یہ خیال غلط اور بالکل غلط ہے کہ پچھلے زمانے میں کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا یا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ بھی ایک غلط فہمی ہے منجملہ اور غلط فہمیوں کے جو عوام میں پھیل گئیں اور اہلِ تحقیق برابر اس کا رد کرتے رہے اور بعض نے اس بارے میں مستقل تالیفیں کیں[1]۔ اور کتنے لوگ ہمارے[2] پیش نظر ہیں جنھوں نے دعویٰ اجتہاد کیا اور وہ اہل تھے اس دعوے کے یا دوسروں نے ان کو مجتہد مطلق تسلیم کیا۔

زمانہ ما بعد میں اجتہاد آسان ہے:

لیکن عوام کو سخت تعجب و انکار ہے کہ اُن چند بزرگوں کے بعد جن کو وہ مجتہد کہتے ہیں کسی اور کو مجتہد کہا جائے یا کسی اور کو درجۂ اجتہاد پر پہنچا ہوا سمجھا جائے[3]۔ یا کوئی

---

[1] مثل ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد وغیرہ۔

[2] مثل امام ابو ثور، علامہ ابن جریر۔ داؤد ظاہری۔ علامہ ابن المنذر بقی بن مخلد قرطبی۔ تاج الدین سبکی۔ تقی الدین سبکی۔ ابن دقیق العید۔ ابو شامہ جلال الدین سیوطی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم۔

[3] **زمانہ کا عجب دستور:**

زمانہ کا عجب دستور ہے کہ عموماً اپنے زمانہ کے صاحب کمال کو قدر و وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور نہ اُس کی بات کو نظرِ اعتبار سے بالخصوص گزشتہ زمانے والوں کے مقابل میں گو وہ علمی حیثیت سے بہ نسبت اُس کے کم ہوں سُنا جاتا ہے۔ اور پھر آدمی گزر کر جوں جوں پُرانا ہوتا جاتا ہے اُس کا اعتبار بڑھتا جاتا ہے۔ اور جو شخص بہت (باقی اگلے صفحہ پر)

عالم مجتہدوں کا سا طریق عمل برتے۔ حالانکہ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو زمانہ مابعد میں اجتہاد بہت ہی آسان اور سہل ہوگیا۔ اور مشکل تھا تو زمانہ سابق میں تھا تو اُس کے تمام موقوف علیہ فنون منتشر اور غیر مدوّن تھے اور اُن کی تھوڑی مقدار پر بھی دسترس ہونا بہت دشوار تھا بخلاف زمانہ مابعد کے کہ ہر طرح سے آسانی ہوگئی بلکہ ضرورت سے زاید تنقیحیں اور شرحیں کردی گئیں۔ اب صرف تھوڑی سی توجہ ہی کی ضرورت باقی رہی۔ امام ابوشامہ فرماتے ہیں[1]:

"پہلے زمانے کے علماء اس حدیث کے چھوڑنے میں جس پر وہ واقف نہ ہوئے معذور تھے۔ کیونکہ احادیث اُس زمانے میں مدوّن نہ تھیں، بلکہ علماء کی زبان سے حاصل کی جاتی تھیں اور علماء شہروں میں منتشر تھے اور اب اللہ کا شکر ہے کہ یہ عذر احادیث کے جمع ہو جانے کی وجہ سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) زمانوں سے مشہور ہو چکا ہے۔ وہ بہت زاید باعتبار اور واجب الاتباع ہے حالانکہ اصابتِ حق اور بلاغ علم میں نئے پرانے کو کچھ دخل نہیں۔ یہ بات بھی اُس غلطی کی جس میں ہمارے فریق مقابل پڑے ہوتے ہیں ایک بڑی وجہ ہے۔ صاحب درمختار کیا خوب لکھتے ہیں قل لمن لم یرا المعاصر شیئا و یری للاوائل تقدیما ان ذالک القدیم کان حدیثا وسیبقی هذا الحدیث قدیما۔

[1] عبارت یہ ہے: قد کانت العلماء فی الصدر الاول معذورین فی ترک ما لم یقفوا علیہ من الحدیث لکون الاحادیث لم تکن حینئذ فیما بینہم مدونۃ انما کانت تتلقی من افواہ العلماء وہم یتفرقون فی البلدان وقد زال ذالک العذر وللہ الحمد بجمع الاحادیث المجتمع بہا فی کتب بوّبوہا وتسموہا وسہلوا الطریق الیہا وبینوا ضعف کثیر منہا وصحتہ وتکلموا فی عدالۃ الرجال وجرح المجروح منہم وفی علل الاحادیث ولم یدعوا للمستعمل ما یتعلل بہ وفسروا القرآن وتکلموا فی غریبہما وفقہہا کل ما یتعلق بہما فی مصنفات عدیدۃ جلیلۃ والالات متہیأت لذی طلب صادق وذکاء وفطانۃ وکذا اللغۃ والصناعۃ العربیۃ کل ذلک قد حررہ اہلہ وحققوہ فالتوصل الی الاجتہاد وبعد الجمع والنظر فی الکتب للمعتمدۃ اذا رزق الانسان الحفظ والفہم ومعرفۃ اللسان اسہل منہ قبل ذالک انتہی۔ (دیکھو مجموعۃ الرسائل المنیریہ صفحہ ۳۰-۳۱ ج ۳ - ۴ و ۴)

جو کہ وہ کتابوں میں جمع ہو گئیں جاتا رہا کہ محدثین نے (نہ صرف اُن کو جمع کر دیا بلکہ) اُن کے علیحدہ علیحدہ باب مقرر کیے اور اُن کی الگ الگ قسمیں کیں اور اُن تک پہنچنے کے راستہ کو آسان کر دیا۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ بہت سی احادیث کا شرح وار صحت وضعف بھی بیان کر دیا۔ اور ان کے راویوں کی عدالت میں اور جو مجروح تھے ان کی جرح میں اور احادیث معلولہ کی علت میں گفتگو کی۔ غرضکہ انھوں نے کسی طالب کے لیے کوئی عذر باقی نہ چھوڑا۔ اور قرآن کی تفسیر کی۔ اور قرآن وحدیث کے مشکل لفظوں اور اُن کی فقہ مسائل متخرجہ میں اور جو جو امور ان سے متعلق تھے سب کے بارے میں بڑی بڑی اور متعدد تصنیفوں میں بحثیں کیں۔ پس سمجھدار ذہین سچی طلب والے کے لیے سامان سب تیار ہے۔ اسی طرح لغت اور فن عربیت کو ان کے جاننے والوں نے تحریر و تحقیق کر دیا۔ پس کتب معتمدہ کے جمع کرنے اور ان کے دیکھنے کے بعد جب کہ آدمی کو فہم وحافظہ اور معرفت زبان عربی کی حاصل ہو درجہ اجتہاد تک پہنچنا پہلے زمانے کی بہ نسبت سہل تر ہے۔"

غرضکہ علم اجتہادی کسی ایسے علم کا نام نہیں ہے جو ان درسی کتابوں سے باہر ہو جو آج کل پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، یا ان کا ایک اوسط درجے کے سمجھدار کے لیے جس نے اچھی طرح علوم آلیہ صرف و نحو وغیرہ فنون ادبیہ و علم اصول اور تفسیر وحدیث و فقہ کو حاصل کیا ہے، اور انھیں کتابوں کو سمجھ کر پڑھا پڑھایا ہے جو عموماً درس میں ہیں اور اُن کے لواحق کا مطالعہ کیا ہے حاصل ہونا کچھ مستبعد ہو بشرطیکہ وہ قصد کرے اور دلائل کے ساتھ مسائل کی تطبیق میں ذاتی اطمینان حاصل کرے۔

تجاہل عارفانہ یا حرماں نصیبی؟

پس فریق مقابل کے ان علماء سے سخت تعجب ہے جن میں کوئی حالت منتظرہ بجز قصد و توجہ کے باقی نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کیسے خواہ مخواہ بے علم بتا کر

مستحق تقلید ٹھیراتے ہیں[1]۔ باوجودیکہ وہ ذہانت وطباعی و استقلال رائے کا یہ حصہ رکھتے

---

[1] چنانچہ انتصار الحق میں بھی جو کہ سرمایۂ ناز مقلدین ہے لکھتے ہیں۔ "جس کو دلیل حکم کی بلا ریب واضح ہو جائے اور وہ نہیں ہے مگر مجتہد غایۃ الامر یہ ہے کہ بر تقدیر تجزی اجتہاد کے مجتہد فی بعض الاحکام ہوگا لیکن مقلد من حیث المقلد کو دلیل بلا ریب نہیں کھلتی ورنہ مقلد نہ رہیگا (ص۱۷۱)"۔ اور لکھتے ہیں "راقم الحروف کہتا ہے جو شخص کہ اسکو تتبع احادیث اور اقوال مخالفہ اور موافقہ مجتہدین کا اس قدر ہو کہ حدیث منسوخ و معارض وغیرہ اور غیر منسوخ وغیرہ میں تمیز تام کرلے اور معانی نصوص مع شرائط معتبرہ معرفت بخوبی پہچانے تو وہ شخص بھی زمرۂ مجتہدین میں داخل ہے۔ اگرچہ مجتہد مطلق نہ ہوا اس لیے کہ مجتہد فی بعض المسائل کو جاننا متعلقات اس مسئلہ کا جس میں یہ مجتہد قرار پائے واسطے تحقق اجتہاد کے کافی ہے۔ اور جامع ہونا جمیع شرائط اجتہاد کا ضروری نہیں۔ انتہے (ص۱۳۵)"۔

علماء مقلدین کی تحقیقات پر موروثی اثرات :

جو لوگ اپنے ائمہ کے مسائل کے لیے استدلال کرتے اور ناسخ و منسوخ و معانی و نصوص سے بحث کرتے ہیں اگر وہ اس ادراک کو نہیں پہنچتے تو پھر وہ کیوں ایسا کرتے ہیں اور اگر پہنچ گئے تو پھر اپنے لیے مدعی تقلید کیوں ہوتے ہیں اور پھر اس صورت میں ان کو تقلید کی کیا ضرورت اور تنقید اقوال و ترجیح مذاہب سے کیا عذر ہے۔ اگر وہ یہ دعوے کریں کہ ہم نے تنقید دلائل اور ترجیح کے بعد اختیار کیا، اور اسی کو راجح پایا تو اول تو عموماً یہ بات خلاف واقع ہے۔ وہ خود جی میں انصاف کریں کہ آیا انھوں نے ایسا کیا ہے یا نہیں کفیٰ باللہ شہیدا بینی و بینکم۔ بلکہ ابتدا ہی سے بحث و استدلال کا دروازہ کھولا تو اپنے مذہب کی جس پر پیدا ہوئے نصرت اور تائید اور دوسرے کی تغلیط سے بسم اللہ کی۔ اور جنھوں نے ایسا نہیں کیا اُن سے ہم کو بحث بھی نہیں۔ دوسرے اگر ہر ایک نے تحقیق و تنقید کے بعد اختیار کیا تو یہ بات کسی طرح یقین کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جو لوگ حنفی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کی تحقیق میں باوجودیکہ وہ آزادانہ تحقیق کرتے ہیں وہی مسائل حق و صحیح نظر آتے ہیں جو حنفی مذہب کے ہیں اور جو شافعی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو شافعی مذہب کے اور جو مالکی گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں ان کو مالکی مذہب کے۔ گو بعض مواقع پر انداز طبع و استقلال ذہن کا اثر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے۔ لیکن اس بات کے باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر شخص وہی انداز طبع لے کر پیدا ہوتا ہے گو وہ کیسا ہی محققانہ طریقہ برتے جس سے اسکی تمام تحقیق کا نتیجہ وہی پیدا ہوتا ہے (۴)

ہیں کہ اگر معقولات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو فیثا غورس و بقراط و سقراط و ارسطو و افلاطون
و ابو علی بن سینا کے کلام میں بھی اصلاحیں دیتے ہیں اور منقولات کی طرف رُخ کرتے
ہیں تو اپنے مسلک اور اپنے مذہب کے اثبات اور اُس کے لیے استدلال میں عجب
عجب باریک بینیاں اور موشگافیاں دکھاتے ہیں اور ہر ہر مسئلے کی دلیل[۱] دینے کا دعویٰ
کرتے ہیں اور اپنے مخالف فریق میں سے بڑے بڑے ائمہ مثل امام شافعی اور امام بخاری
وغیرہم کے استدلالات و استنباطات میں طرح طرح سے غلطیاں نکالتے ہیں اور ایک
ایک مسئلہ میں رسالے کے رسالے لکھ ڈالتے ہیں اور قرآن و حدیث و قیاس و استنباط
سے ہر طور پر استدلال کرتے ہیں اور فریق مقابل کے ساتھ بحث و مناظرہ کو طیار[۲] رہتے ہیں

---

(۳) جو اس امام کا مذہب ہے جسکے نام لینے والوں میں یہ پیدا ہوا اور اُسکو اسی امام کے ساتھ توارد ہوتا ہے جسکے مذہب کا نام
اسکے باپ دادا لیتے رہے اور کبھی وہ کسی ایسے خاندان میں پیدا ہوا ہوتا جو شافعی المذہب ہیں تو اُسکی تمام تحقیقات کا وہ
نتیجہ ہوتا جو شافعی مذہب ہے اور اصل میں یہ کچھ نہیں بلکہ عموماً جو جس مذہب والوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ اُسی کے
دلدادہ ہیں اور اسی کی تائید و تصحیح میں اپنی لیاقتوں اور علمی طاقتوں کو خرچ کرتے ہیں نہ یہ کہ تمام ائمہ کرام کو علی السویہ اپنا
رہنما اور مبلغ احکام شرعیۃ سمجھتے اور سب کے اقوال کو کان لگا کر سُنتے اور جب وہ ائمہ کسی مسئلہ میں آپس میں مختلف
ہوتے تو ارجح اور اولیٰ کی تلاش عادلانہ نظر سے کرتے اور اگر کوئی ایسا کرتے ہیں تو ان سے ہم کو خلاف بھی
نہیں وقلیل ماھم۔

[۱] گو اندرونی حالت ان دلائل اور استدلال کی کیسی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک ضعیف یا غلط بات کے ثابت
کرنے کے لیے زیادہ ذہانت اور صرف علم کی ضرورت ہے۔ جب وہ یہ کر سکتے ہیں تو براہ راست استدلال اور صحیح
طور پر مسئلے کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اگر اپنے مذہب کی پاسداری سے خالی الذہن ہو کر حق کو دیکھنا چاہیں۔

[۲] للّٰہی مناظرہ کی علامات:

امام غزالی للّٰہی مناظرہ کی علامات میں لکھتے ہیں: الثالثۃ ان یکون المناظر مجتہدا یفتی برایہ لا
بمذھب ابی حنیفۃ والشافعی انتہی (فاتحۃ العلم) اس سے معلوم ہوا مناظرہ کرنا مجتہد کا کام ہے

[illegible]

حالانکہ یہ کام خود علم اجتہادی کے ہیں۔ پس کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں کر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ بیچارے بے علم و معذور اور تقلید محض کے اہل ہیں۔ اور تحقیق حق اور تنقید دلائل کی لیاقت نہیں رکھتے۔

اس کے سوا اہل اصول وغیرہم صاف لکھ رہے ہیں کہ ہر قسم کا استدلال یا دلیل سے مسئلہ کا سمجھ لینا مجتہد پر موقوف نہیں جو بات مجتہد کے ساتھ مختص ہے وہ صرف قیاس ہے اور بعض بہت خفی قسم کی دلالتیں نہ ہر قسم کی دلالت۔ چنانچہ ابن الہمام تحریر الاصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ "دلالت النص[1] اس بات میں قیاس سے غیر ہے کہ قیاس مجتہد کے ساتھ مختص ہے اور دلالت النص کو عوام بھی سمجھتے ہیں۔" اسی کے قریب قریب توضیح اور بعض دیگر کتب اصول میں بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دلالت النص کا سمجھنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں۔ جب دلالت النص کا یہ حال ہے تو اشارۃ النص اور عبارۃ النص کو جو اس سے بھی ظاہر تر ہیں بدرجۂ اولیٰ عوام سمجھ سکتے ہیں۔ پس نص کا سمجھنا اور اس سے دلیل پکڑنا مجتہد کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔ علامہ بہاء[2] الدین مرجانی ایک مقلد کے رد میں کیا خوب لکھتے ہیں: "اور وہ بات جو ہمارا مخاطب بناوٹ کرتا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ جوڑتا ہے یہ ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ دلیلوں کے ساتھ تمسک کرنا صرف مجتہد ہی کا کام ہے اور اجتہاد ایک ایسا دشوار گذار رتبہ ہے جس کے اہل گزر گئے اور اس کا زمانہ نکل گیا۔"

عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف نہیں:

غرضکہ نہ اجتہاد ختم ہو گیا اور نہ دلائل کا سمجھنا اور استدلال کرنا مجتہد کے ساتھ

---

[1] عبارت: ان دلالۃ النص یخالف القیاس فی ان القیاس یختص بالمجتہد ودلالۃ النص یفہمہا العوام انتہی۔

[2] عبارت یہ ہے: والذی یتقولہ المخاطب ویفتری بہ الکذب علی اللہ انہ یزعم ان التمسک بالادلۃ انما ہو وظیفۃ المجتہد والاجتہاد ملکۃ راسخۃ وبصیرۃ شریفۃ ورتبۃ عظیمۃ صعبۃ المرتقی واہلہ قد انقرض وزمانہ قد مضی۔

مخصوص ہے۔ نہ عموماً عمل بالحدیث اجتہاد پر موقوف ہے۔ دراسات اللبیب میں لکھتے ہیں:

"علامہ ولی الدین عراقی نے فرمایا[1]۔ دلیل تو عامی کے لیے بھی

---

[1] عبارت یہ ہے: قال العلامة ولی الدین العراقی الدلیل یعطی الجواز یعنی العمل بالامر لما تقرر ان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما کان کلہم فقہاء علی اصطلاح العلماء فان فیہم القروی والبدوی ومن سمع منہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا واحدا او صحبہ مرة ولا شک ان من سمع منہم حدیثا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اخذ من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم کان یعمل بحسب فہمہ فقیہا کان اولا ولم یعرف انہ غیر الفقیہ منہم کلف بالرجوع الی الفقیہ فیما سمعہ من الحدیث لا فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا بعدہ فی زمان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وھذا تقریر منہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لجواز العمل بالحدیث لغیر الفقیہ واجماع من الصحابة علیہ ولولا ذالک لامر الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم غیر الفقہاء من الصحابة سیما اھل البوادی ان لا یعملوا بما اخذوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مشافھة او بواسطة حتی یعرضوا علی الفقہاء منہم ولم یروا من ھذا عین ولا اثر ھذا ھو ظاھر قولہ تعالیٰ ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتہوا ونحوہ من الاٰیات حیث لم تقید بان ذالک علی فہم الفقہاء ومن ھٰھنا عرفت انہ لا یتوقف العمل بعد وصول الحدیث الصحیح علی معرفة عدم الناسخ او عدم الاجماع علی خلافہ او عدم المعارض بل ینبغی العمل بہ الی ان یظہر شیئ من الموانع فینظر فی ذالک ویکفی فی العمل کون الاصل عدم ھذہ العوارض المانعة عن العمل وقد بنی الفقہاء علی اعتبار اصل الشیئ احکاما کثیرة فی الماء ونحوہ لا یخفی علی المتتبع لکتبہم ومعلوم

ان من اھل البوادی والقری البعیدة من کان یجیئ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم مرة او مرتین ویسمع شیئا ثم یرجع الی بلادہ ویعمل بہ والوقت کان وقت نسخ وتبدیل ولم یعرف انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر احدا من ھؤلاء بالمراجعة لیعرف الناسخ من المنسوخ بل انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرر من قال لا ازید علی ھذا ولا انقص علی ما قال ولم ینکر علیہ بانہ یحتمل النسخ بل قال دخل الجنة ان صدق او کما قال وکذالک ما امر الصحابة اھل البوادی وغیرھم بالعرض علی فقیہ لتمیز لہ الناسخ والحجة بلوغہ لا وجودہ ویدل علی ان المعتبر البلوغ لا الوجود ان المکلف مامور بالعمل علی وفق المنسوخ ما لم یظہر عندہ الناسخ فاذا ظہر لا یعید ما عمل علی وفق

(بقیہ اگلے صفحہ پر دیکھیے)

عمل بالحدیث کے جواز کا حکم دیتی ہے۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ صحابہؓ کل کے کل اصطلاح علماء کے مطابق فقیہ مجتہد نہ تھے بلکہ گاؤں کے اور جنگل کے رہنے والے ہر قسم کے لوگ تھے اور وہ کہ جنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کل ایک ہی حدیث سُنی یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ایک ہی مرتبہ اُٹھائی۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ میں سے جو شخص آنحضرتؐ سے کوئی حدیث سُنتا تھا یا دوسرے صحابہ سے لیتا تھا وہ اپنی فہم کے موافق اس پر عمل کرتا تھا۔ خواہ وہ فقیہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، اور یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ غیر فقیہ کو جو وہ حدیث سُنتے اُس کی بابت کسی فقیہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہو کہ اُس سے دریافت کرنے کے بعد اس پر عمل کرے نہ پیغمبر صاحبؐ کے زمانے میں اور نہ پیغمبر صاحبؐ کے بعد زمانۂ صحابہ میں۔ اور یہ بات غیر فقیہ کے لیے عمل بالحدیث پر آنحضرتؐ کی طرف سے تقریر ہے اور صحابہ کا اجماع یعنے عامی کے لیے حدیث پر عمل کرنا بلا مجتہد کی طرف رجوع کیے ہوئے حدیث تقریری اور اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ضرور خلفاء راشدین صحابہ میں۔ سے غیر فقہاء کو حکم دیتے خصوصاً دیہات والوں کو کہ وہ اُن احادیث پر جو اُنھوں نے بلاواسطہ پیغمبر صاحبؐ سے یا بواسطہ سُنی ہیں عمل نہ کریں جب تک کہ اُن کو فقہاء صحابہ پر پیش کر کے تحقیق نہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) المنسوخ لحدیث نسخ القبلة الی الکعبة المشرفة فان خبرہ وصل الی اطراف المدینة المنورة کاھل قباء وغیرھم بعد ما صلوا علی وفق القبلة المنسوخة فمنھم من وصلہ الخبر فی اثناء الصلوٰة ومنھم من وصلہ بعد ان صلی صلوات والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قررھم علی ذالك ولم یامر احدا منھم بالاعادة فلا عبرة لما قیل لا یجوز العمل قبل البحث عن المعارض والمخصص وان ادعی علیہ الاجماع فانہ لو سلم فاجماع الصحابة وتقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقدم علی اجماع من بعدھم۔ (دراسات ص ۱۶۵ طبع کراچی۔ ع، ح)

کرلیں۔ حالانکہ اُس کا کوئی ذکر یا نشان مروی نہیں ہوا۔ اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے کلام وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا[1] اور اس کی مثل جو اور آیتیں ہیں ان سے بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں یہ قید نہیں بتائی گئی کہ حدیث رسولؐ پر عمل مجتہدین کی فہم پر موقوف ہے۔

اور اسی سے تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث صحیح پہنچنے کے بعد کسی کے لیے اس پر عمل اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ اُس کا منسوخ نہ ہونا یا اُس کے مخالف اجماع نہ ہونا یا کسی اور نص کا اس کے معارض نہ ہونا بھی معلوم کر لیا جائے۔ بلکہ جب تک کوئی مانع و مزاحم اس شخص پر ظاہر نہ ہو۔ اس حدیث پر اس کو عمل کرنا چاہیے۔ جب ظاہر ہو اس وقت اس میں غور کیا جاوے۔ اور عمل کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اصل ان عوارض کا جو، مانع عمل ہیں، نہ ہونا ہے۔ اور فقہاء نے اصل کے اعتبار پر پانی وغیرہ کے بہت سے احکام کی بنا رکھی ہے جو کہ تلاش کرنے والے کے لیے مخفی نہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جنگل اور دُور کے دیہاتیوں میں سے ایسے ایسے لوگ تھے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ہی بار یا دو ہی بار آتے اور کچھ سُن لیتے پھر اپنے بلاد کی طرف واپس جاتے اور اس پر جو سُن جاتے عمل کرتے رہتے۔ حالانکہ وہ زمانہ نسخ و تبدیل کا زمانہ تھا اور یہ نہیں ثابت ہوا کہ پیغمبر صاحبؐ نے ان لوگوں میں سے کسی کو لوٹ کر آنے کا حکم دیا ہوتا کہ ناسخ و منسوخ میں آ کر تمیز کرے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس شخص کو بھی جس نے کچھ احکام سُن کر کہا کہ اس پر نہ زیادہ کروں گا نہ کم ثابت رکھا اور اس کی بات کا انکار نہ کیا کہ احتمال نسخ بھی تو ہے بلکہ اور کہہ دیا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو جنت میں داخل ہو گا۔

---

[1] یعنی جو رسول تمھیں (تعلیم) دیں اُسے لے لو (اور اس پر عمل کرو)، اور جس سے منع کریں اُس سے باز رہو۔

اسی طرح صحابہ نے بھی دیہات والوں وغیرہم کو حکم نہیں دیا کہ وہ حدیث کو کسی فقیہ پر پیش کیا کریں تا کہ وہ ان کے واسطے ناسخ و منسوخ کی تمیز کر دے نسخ کے باب میں ناسخ کا پہنچنا حجت ہے نہ اُس کا فی الواقع موجود ہونا۔ اور اس بات پر کہ اعتبار ناسخ کے پہنچنے اور معلوم ہونے کا ہے۔ نا نفس الامر میں اس کے موجود ہونے کا یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ مکلف کو حکم دیا گیا کہ جب تک اُس کو ناسخ ظاہر نہ ہو وہ منسوخ پر عمل کرتا رہے اور جب ناسخ ظاہر ہو جائے تو جو اُس نے منسوخ پر عمل کیا تھا، اس کا اعادہ نہ کرے مثلاً دیکھو حدیث منسوخ ہونے قبلہ بیت المقدس کی طرف بیت اللہ شریف کے کیونکہ اُس کی خبر اطراف مدینہ منورہ کو مثل اہل قباء وغیرہم کے اس وقت پہنچی جب کہ انھوں نے قبلہ منسوخہ کی طرف نماز پڑھ لی تھی تو کسی کو تو حالت نماز میں خبر پہنچی اور کسی کو بعد کئی نمازیں پڑھنے کے پہنچی اور پیغمبر صاحبؐ نے ان کو اُسی پر قائم رکھا اور کسی کو نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ پس جو کہا گیا ہے کہ جب[1] تک معارض و مخصص سے بحث

---

[1] علامہ بہاء الدین مرجانی کیا خوب لکھتے ہیں۔ "لیکن (حدیث کے اندر) احتمال نسخ کا اور تاویل کا اور تقیید کا (جو پیدا کیا جاتا ہے) تو اگر ناسخ یا مخصص یا مقید یا موجب تاویل ظاہر ہو جائے تو اُن میں جو بھی ہو اُس کے حکم کے ثبوت میں کلام نہیں۔ ورنہ بلا ثبوت کے احتمال پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں، جو نص کہ احتمال نسخ اور تاویل اور تقیید کا رکھتی ہی نہیں وہ تو محکم کے نام کے ساتھ مخصوص ہے اور جو احتمال نسخ کا رکھتی ہے وہ مفسر کہلاتی ہے اور جو ان سب کا احتمال رکھتی ہے وہ ظاہر کہلاتی ہے اور ہر ایک ان میں کے حکم (مسئلہ شرعی) کو یقیناً ثابت کرتی ہے (جیسا کہ یہ تمام باتیں فن اصول میں ثابت ہوئی ہیں) اور اُن میں فرق تو آپس میں مقابلہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے (نہ یہ کہ مسئلہ شرعی مستنبط ہونے میں کوئی محل احتمال ہے) اور عمل ان میں سے کسی پر ترک کر دینا محض احتمال سے جائز نہیں۔ انتہٰے۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں۔" علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب تک ناسخ نہ معلوم ہو منسوخ پر عمل جائز ہے اور ناسخ کا حکم اُس کے معلوم ہونے کے

نہ کر لی جائے حدیث پر عمل جائز نہیں۔ یہ کچھ بھی قابل اعتبار بات نہیں ہے۔ اور گو اس پر اجماع کا دعوٰے بھی کیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ اجماع تسلیم بھی کر لیا جائے تو اجماع صحابہ کا اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پر حدیث تقریری اوروں کے اجماع پر مقدم ہے۔
غرضکہ حدیث رسولؐ میں بلاوجہ نسخ وتاویل وتخصیص کے شبہ پیدا کر کے اور اس وسوسہ میں پڑ کر اس پر عمل کرنے سے محروم رہنا یا اس پر عمل کو اجتہاد پر موقوف سمجھنا سخت غلطی ہے۔

عامی کے لیے عمل بالحدیث کا امام صاحب سے ثبوت:

خود حضرت امام اعظم صاحبؒ اور ان کے بعض شاگردوں سے ایسے عامی کی بات

---

(۵) بعد ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے تحویل قبلہ کے مسئلہ سے۔ اور شافعی صاحب نے فرمایا۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو حدیثِ رسولؐ ظاہر ہو جاوے اس کو ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے قول سے اُس کو چھوڑ دے۔ اور ابن عبدالبر نے کہا۔ ہر اس شخص پر جس کو حدیث میں سے کچھ بھی پہنچ جائے واجب ہے کہ وہ اُس کو اُس کے عموم پر جاری رکھے جب تک کہ اُس کو اُس کا مخصص یا ناسخ ثابت نہ ہو۔ انتہیٰ۔ عبارت یہ ہے: واما احتمال النسخ والتاویل والتخصیص فان ظهر الناسخ وموجب التخصیص والتقیید والتاویل فلا کلام فی ثبوت مقتضاه من التفصیل والا فما لا یحتمل النسخ والتاویل والتقیید هو القسم المختص باسم المحکم من اقسام النظم والذی یحتمل النسخ هو المفسر والذی یحتملها هو الظاهر وکل ذلک یوجب الحکم قطعا وانما یظهر التفاوت عند المعارضة ولا یجوز ترک العمل بمجرد الاحتمال واتفقوا علی ان العمل بالمنسوخ جائز الی ان یظهر ناسخه وان الناسخ لا یلزم حکمه الا بعد العلم به واستدلوا بتحویل القبلة وقال الشافعی اجمع المسلمون علی ان من استبانت له سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یحل له ان یدعها لقول احد وقال ابن عبد البر یجب علی کل من بلغه شیء من الحدیث ان یستعمله علی عمومه حتی یثبت عنده ما یخصصه او ینسخه انتہی۔

لہ چنانچہ حجۃ اللہ میں البحر الرائق سے نقل کرتے ہیں: ولکن بلغه العامی الخبر وهو قوله صلی الله علیه وآله وسلم افطر الحاجم والمحجوم وقوله علیه السلام الغیبة تفطر الصائم ولم یعرف النسخ ولا تاویله لا کفارة علیه عندهما

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابی حنیفۃ و محمد لان ظاهر الحدیث واجب العمل بہ خلافا لابی یوسف لانہ لیس للعامی العمل بالحدیث لعدم علمہ بالناسخ والمنسوخ انتہیٰ۔ یہ اس عامی کی بابت کلام ہے جو بالکل بے علم ہو۔ چنانچہ عقد الجید صـ۹۹ میں فقہ کی کتاب خزانۃ الروایات سے نقل کرتے ہیں: محمول علی العامی الصرف الجاهل الذی لا یعرف معنی الاحادیث وتاویلاتها لانہ اشار الیہ بقولہ لعدم الاهتداء ای فی حقہ الی معرفۃ الاحادیث وکذا قولہ وان عرف تاویلہ ویشیر الی ان المراد من العامی غیر العالم انتہیٰ۔ پس ایسے بالکل بے علم عامی کے لیے بھی حضرت امام اعظم صاحب عمل بالحدیث کا حکم دیتے ہیں۔ اسی سے اس بات کی غلطی بھی ظاہر ہوتی ہے جو بعض لوگ (مثلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی وغیرہ) کہتے ہیں کہ "امام صاحب نے جو اترکوا قولی بخبر الرسولؐ فرمایا تو اپنے خاص شاگردوں کو اور اُن کو جو درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہوں فرمایا۔" اس لیے کہ ثابت ہو گیا کہ عمل بالحدیث اور حدیث کا سمجھنا اور اس سے استدلال کرنا اجتہاد پر موقوف نہیں و نیز امام صاحب کسی طرح یہ خیال نہ کر سکتے تھے کہ میرے اقوال صریح احادیث کے خلاف نہیں ہو سکتے بلکہ احادیث کے منتشر اور غیر فراہم ہونے کی وجہ سے اسکا قوی احتمال تھا اور اسی واسطے یہ فرمایا پس وہ اپنے اس قول میں مجتہد کی تخصیص کیسے کر سکتے تھے۔ کیونکہ صریح احادیث میں اجتہاد کو کیا تعلق۔ اس کے علاوہ جو اس درجے کے لوگ ہیں انکو اس کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ تو تقلید ہی کے محل نہیں اور وہ پہلے ہی سے انکے قول کو چھوڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ کسی کے مقلد نہیں۔ پھر ان کی بابت اس بات کے کہنے کا کیا موقع۔

کیا ترک تقلید شخصی عوام کو جائز نہیں؟

اِس تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بعض لوگ جو گویا بڑے حق پرست بن کر یہ کہتے ہیں کہ "جو بڑے عالم ہیں مثل مولوی نذیر حسین صاحب وغیرہ کے اُن پر ہم کو اعتراض نہیں لیکن ما و شما کو تقلید شخصی چھوڑنا یا امام کے خلاف کرنا ہرگز نہیں چاہیے" وہ کوئی وجہ صحت کی نہیں رکھتا۔ اسلیے کہ حدیث رسولؐ پر عمل کرنے کے لیے بڑے عالم کا ہونا ضرور نہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا۔ دوسرے ہم کہتے ہیں کوئی عامی مولوی نذیر حسین صاحب سے شرعی مسئلہ دریافت کرنے آئے تو ان کو وہ بتانا چاہیے جو ان کو حق ثابت ہو اور جس کو حدیث رسولؐ بتاتی ہے یا اس کے خلاف بتانا چاہیے۔ شق ثانی صریح باطل ہے۔ بر تقدیر اول جب وہ مسئلہ مثلاً حنفی مذہب کے خلاف ہے تو ایک عامی کا خلاف مذہب عمل کرنا متحقق ہو گیا۔ اگر کہا جائے کہ ان کو فتویٰ دینا ہی نہیں چاہیے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔
یا کسی کو ان سے فتویٰ لینا نہیں چاہیے تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے اسکی کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے امام صاحب کو حماد کے اور ابراہیم نخعی کے بعد بعض مسائل میں ان کے خلاف اور امام شافعی کو امام صاحب کے بعد اور امام احمد صاحب کو ان سب کے بعد کیسے جائز ہوا۔ اور جو کتنے فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے بعد اُن کے خلاف فتوے دیئے اور لوگوں نے ان سے لیے، یہ کیسے جائز ہوئے۔

کیا عوام تحقیقِ حق سے معذور ہیں؟

اس کے علاوہ عموماً عوام کو تحقیقِ حق و تلاش صواب سے معذور ٹھیرانا بھی صحیح نہیں۔ ورنہ عوام شیعہ وخارجی ومعتزلہ وغیرہا اور دیگر عوام مشرک و بدعتیوں پر الزام اور ان کے بد کے جاننے کی کیا وجہ ہے۔ دوسرے جب وہ کسی مسئلہ میں اختلاف سُنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اختلاف میں عند اللہ حق ایک ہی ہوتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ جس کے ساتھ سب سے زیادہ ہم کو عقیدت ہے وہی ہمیشہ اپنے مخالف کے مقابلہ میں صواب پر ہو۔ اس لیے کہ اول تو یہی ضرور نہیں کہ جس کو ہم افضل و اعلم سمجھتے ہیں نفس الامر میں وہی افضل اور سارے مسائل میں دوسروں سے اعلم ہو۔ دوسرے یہ بھی ضرور نہیں کہ جو افضل و اعلم ہے ہر موقع پر مصیب بھی وہی ہو بلکہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ کسی بات میں بڑے کی سمجھ نہیں پہنچتی اور چھوٹے کے خیال میں وہ آجاتی ہے۔ دیکھو فقہاء نے باوجود افضل کے تقلید مفضول (اس سے چھوٹے) کی جائز رکھی ہے۔ نہ کہ جب چاروں امام حق اور ایک مرتبہ کے مانے گئے ہیں اور تسلیم کیا گیا ہے کہ حق ان میں دائر ہے۔ یعنی اختلاف میں ان میں سے کسی ایک کی بات حق اور دوسرے کی خطاء اجتہادی ہے۔ پس ایک اللہ اور رسول ؐ کے حکم کی تلاش کرنے والا اور ان کے اتباع کا قصد رکھنے والا کبھی اس سے بری نہیں ہو سکتا کہ وہ اختلافی مسائل میں اپنی قدرت بھر تحقیق نہ کرے۔ کیا تم یہ خیال نہیں کرتے کہ بالکل گنوار اور عوام الناس بھی جب اپنے کسی دنیاوی معاملہ میں دو اہل الرائے کی رائے مثلاً کسی قانونی بات میں دو وکیلوں کی یا کسی مرض میں دو طبیبوں کی مختلف پاتے ہیں تو اور لوگوں سے پوچھ پاچھ کر اپنا اطمینان حاصل کرتے اور پھر اُس پر عمل کرتے ہیں۔ افسوس کہ مال وجان کی حفاظت میں تو یہ سرگرمی مگر ایمان کی حفاظت میں یہ سستی کہ ہم بے علم و معذور ہیں۔ پس چاہیے کہ مختلف علماء سے دریافت کر کے وہ اطمینان حاصل کریں اور جو راجح ثابت ہو اُس پر قائم ہو جائیں اور یا پھر تمام علماء کے اقوال کو یکساں سمجھیں نہ یہ کہ ایک معیّن کا اپنی طرف سے التزام کر کے اسی کے اقوال کی جملہ امور میں پابندی اپنے اوپر لازم کر لیں اور دوسرے کے قول پر چلنا خروج عن المذہب خیال کریں۔

بھی جو محض بے علم ہے منقول ہے[1] کہ کوئی حدیث جو وہ کسی سے سن پائے اس پر وہ حدیث واجب العمل ہے۔ گو وہ حدیث اصل میں منسوخ یا ماوّل تھی لیکن اس کو اس کا منسوخ ہونا یا کوئی دوسرے معنی رکھنا معلوم نہ ہوا تو اس کے لیے وہی ظاہر حدیث واجب العمل ہے۔

حدیث سننے کے بعد اس پر عمل ضروری ہے:

الحاصل صریح احادیث پر عمل کرنے میں خواص و عوام سب برابر ہیں۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ جب کبھی وہ کوئی حدیث رسولؐ سنے فوراً اس پر عامل ہو جاوے اور گو وہ حدیث نفس الامر میں منسوخ یا ماوّل ہو لیکن جب تک اس کو اس کا منسوخ و ماول ہونا ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ اگر کسی طور سے اس کو اس کے منسوخ یا ماوّل وغیرہ ہونے کا شبہ پیدا ہو اس وقت چاہیے کہ وہ اس کی تحقیق میں مصروف ہو۔ اگر ذاتی لیاقت رکھتا ہے تو بطور خود اس کی تحقیق کرے ورنہ دوسرے اہل علم یا اُن کی کتابوں کی طرف رجوع کرے ورنہ بغیر اس کے کسی صریح حدیث رسولؐ کے بعد اس کی بابت کسی فقیہ و مجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

غیر منصوص مسائل میں مجتہد کی ضرورت:

پس[2] عموماً عمل بالحدیث کے لیے نہ خود اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی مجتہد کی

---

[1] افسوس ہے کہ امام تو حدیث کی یہ قدر کریں اور ان کے مقلد ایسی بیقدری۔

[2] **جو مجتہد نہیں کیا وہ ضرور مقلد ہی ہو؟**

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ یہ خیال کہ اجتہاد و تقلید میں کوئی واسطہ نہیں جو مجتہد نہیں وہ مقلد ہی ہو گا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ ایک عامل بالحدیث غیر مجتہد جن احادیث پر عمل کرتا ہے وہ کسی کا مقلد نہیں۔ جن رواۃ یا جس عالم سے اُس کو حدیث پہنچی اُن کا تو اس واسطے مقلد نہیں کہ وہ عالم یا راوی محض ناقل ہیں وہ ان کا ذاتی قول نہیں، جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ امام صاحب کے قول کے ناقل ہیں اس پر عمل کرنے والا صاحب ہدایہ کا مقلد نہیں کہلاتا اور محکی عنہ چونکہ خود شارع ہے لہذا محکی عنہ کے اعتبار سے بھی اطلاق تقلید کا نہیں ہو سکتا

طرف رجوع کی۔ عوام کو جو مجتہد کی ضرورت ہے تو صرف اجتہادی امور میں ہے نہ ان مسائل میں جو صریح احادیث سے ثابت ہیں جن میں اجتہاد کو کچھ دخل نہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو مبعوث ہوئے تھے تو اسی لیے مبعوث ہوئے تھے کہ تمام بندوں کے امور معاش و معاد کی اصلاح کریں۔ اور ان کے افعال و اعمال اور معاملات اور جملہ واقعات کی بابت وہ حکم جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا باعث ہو بیان فرمادیں۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا، اور تمام ان حوادث اور افعالِ مکلفین کے جو قیامت تک ہو سکتے ہیں احکام بتائے۔ مگر چونکہ تمام ان احکام کا تفصیلاً بتادینا اور ہر جزئیہ کا علیحدہ علیحدہ سمجھا دینا ممکن نہ تھا۔ اور اگر آپ بتاتے بھی تو ان سب کا ضبط و حفظ امکان بشری سے خارج تھا۔ للہٰذا جہاں تک ہوسکا اپنے احکام کی تفصیل کی اور ان کو قولاً اور فعلاً اور تقریراً کسی نہ کسی طور سے واضح کیا تاکہ عوام اور خواص سب ان احکام پر عمل کرسکیں اور باقی احکام کو اجمالی حالت پر چھوڑا جن کی تفصیل اور قوت سے فعل میں لانے کے لیے مجتہدین کی ضرورت ہوئی۔ مجتہدین نے ان کو اپنی اپنی فہم کے مطابق ظاہر کیا۔ پس مجتہدین کو جن مسائل سے اصلی تعلق ہے، وہ وہی ہیں جن کی تصریح شارع سے ثابت نہیں ہوئی یا اُن نصوص کے معانی کا بیان جن کے اشکال کا رفع اجتہادی علم ہی پر موقوف ہے للہٰذا ایک غیر مجتہد کو کسی مجتہد کی طرف رجوع کی ضرورت ہے تو ایسے ہی موقعوں پر ہے نہ ان مسائل میں جن کو شارع نے صراحۃً ذکر کردیا۔ چنانچہ بہت بڑا حصہ احکام شرعی کا بالخصوص وہ جن سے بیشتر اور روزمرہ عبادات و معاملات میں کام پڑتا ہے اسی قسم کا ہے۔

پیش آمدہ حوادث میں مسائل کا حل:

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب کبھی اُس کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو اول نص شارع کو تلاش کرے۔ اگر صریح کلام شارع سے پتہ نہ چلے تب کسی مجتہد کے اجتہاد کی طرف رجوع کرے نہ یہ کہ اوّل ہی سے جب اُسے کوئی مسئلہ پیش آئے کسی ایک خاص مجتہد کے مذہب اور رائے ہی کے عندیئے کی تلاش کیا کرے اور احادیثِ رسول ؐ کو بالائے طاق رکھ دے، جیسا کہ مقلدین کا عموماً طرزِ عمل ہے۔ افسوس کہ شرع کا کس طرح قلب

موضوع کیا گیا۔

اس لطیف تحقیق سے جیسا کہ یہ ثابت ہؤا کہ عموماً عمل بالحدیث میں نہ اجتہاد کی ضرورت ہے نہ کسی کی تقلید کی۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہؤا کہ اجتہاد فی الشرع کسی وقت میں ختم نہیں ہو سکتا اور کسی زمانے میں مجتہدوں سے استغناء نہیں، اس لیے کہ ظاہر ہو چکا کہ غیر مصرح واقعات کے لیے مجتہد کی ضرورت ہے اور واقعات ایسے غیر محدود ہیں کہ کسی وقت میں ختم ہونے والے نہیں اور ہر زمانہ کا مجتہد آیندہ زمانے کے واقعات کی بابت تفصیلی جزئیات قائم نہیں کر سکتا۔ پس ہر زمانے کے نئے واقعات کے لیے مجتہد کی ضرورت ہے اور اگر کوئی پہلے مجتہد کے اجتہادیات پر تخریج کر کے کارروائی کرنا چاہے تو پہلے ثابت ہو چکا کہ ایسے تخریجی مسائل بہ نسبت صواب۔ کے خطا کے زیادہ محتمل ہیں۔ پس معتبر وہی اجتہاد ہو سکتا ہے کہ براہِ راست غیر مصرح مسائل کو قرآن و حدیث سے استنباط کیا جاوے۔ رہیں صریح احادیث جو تاویل و اشکال سے پاک ہیں اُن میں مجتہد کی وساطت درکار نہیں۔ پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جس قدر احکام فرماتے تھے آخر وہ بھی تو شرعی فتوے تھے جو وقتاً فوقتاً آپ عوام الناس کو تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

افسوسناک روش!

پس کوئی وجہ نہیں کہ اوروں کے فتوے تو قابلِ اعتماد ہوں اور پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے فتوے قابلِ اعتماد نہ ہوں۔ حالانکہ جس قدر احتمالات و شکوک پیغمبر صاحب کے فتووں میں پیدا کیے جاتے ہیں اتنے ہی یا ان سے زائد اوروں کے فتووں میں موجود ہیں جیسا کہ تم پہلے سُن چکے ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت رد دینے کے قابل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے فتوے کا اعتبار کرنا نہیں چاہتے۔ جب تک کہ اُن کے امام کی مہر اس پر نہ ہو۔ اور اگر کوئی حدیث رسول ؐ سُنتے ہیں تو اُن کو اس پر عمل میں یہ تامل ہوتا ہے کہ ہمارے امام کے خلاف تو نہیں ہے اور اپنے امام کا قول سُنتے ہیں تو یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ قول اُن کا کہیں حدیثِ رسول ؐ کے خلاف نہ ہو۔ حالانکہ کتنے اقوال ان کے ایسے بھی ہیں جو صریح احادیثِ رسول ؐ کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اُن کو چند

اسباب ایسے درپیش تھے جن کی وجہ سے ان سے ایسا ہونا ذرا بھی مستبعد نہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ پس اس صورت میں اُن کے اقوال کسی طرح اس قابل نہیں کہ ان کی تحقیق نہ کی جاوے اور آنکھ میچ کر اُن کے پیچھے ہو لیا جاوے بالخصوص جب کہ دوسرے ان کے ہم پایہ ائمہ یا ان سے بھی عالی پایہ ائمہ ان کے خلاف ہوں۔ پس ایسی حالت میں تحقیق و تفتیش نہ کرنا تو کسی طرح نہیں پہنچتا۔ لیکن افسوس ہے کہ مقلدین[۱] اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

---

[۱] بعض عجیب مغالطے:

بعض[۱] کو دیکھا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے مخالف کسی بات کے دلائل بیان کیے جاتے ہیں اور اُسکی وجہ ترجیح ظاہر کی جائے تو وہ ٹالنے کے واسطے یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے دلائل بیان کرتا ہے حالانکہ کسی مختلف فیہ بات کی ترجیح کے موقعہ میں یہ بات کہہ دینا یا اُس پر اطمینان کر لینا کسی طرح صحیح نہیں۔ ورنہ کسی باطل مذہب والے کو سمجھانے اور اُس کو ہدایت کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اس لیے کہ جب اُس کے سامنے حق مذہب کے دلائل اور اس کے مذہب کے نقائص بیان کیے جائیں تو وہ بھی یہی کہہ کر چپ کر سکتا ہے کہ ہر کوئی ایسے ہی اپنے اپنے مذہب کے دلائل بیان کرتا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا۔ اسکے علاوہ یہ جو علماء مذاہب برابر اپنے اپنے مختار مذاہب کی وجوہ و دلائل بیان کرتے رہے اگر ایک دلیل لانے والے کے سامنے یہی کہہ دینا کافی ہے تو انکی یہ ساری محنتیں بیکار ہیں۔

بعض[۲] چونکہ اپنے مذہب کی دلیل بجز ضعیف حدیث کے اور نہیں پاتے ہیں تو یوں بات بناتے ہیں کہ ان احادیث میں ضعف نیچے جا کر طاری ہوا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھیں اُن تک اُن کے راوی سب معتبر تھے ان سے نیچے کے راوی ضعیف ہیں۔ امام صاحب تک واسطے کم ہوتے تھے۔ ان کی احادیث ہرگز ضعاف نہیں۔ مقلدین میں کے بعض مولوی بڑے فخر کے ساتھ اس بات کو بیان کرتے اور اس پر بہت زور دیتے ہیں (دیکھو سبیل الرشاد مؤلفہ مولوی رشید احمد صاحب) حالانکہ یہ بات محض ایک ملمع کاری ہے کیونکہ یہ اُسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث امام صاحب کو صحیح بسند سے پہنچی تھی۔ مثلاً یہ کہ ان کی کوئی کتاب ہوتی اور اُس میں وہ حدیث بسند صحیح مذکور ہوتی یا کسی مسند نے امام صاحب سے بسند معتبر و متصل انکا اسکو بسند صحیح روایت کرنا بیان کیا ہوتا اور پھر اُس میں نیچے کے طبقہ کے کسی راوی

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہ جو کچھ کہ مذکور ہوا وہ دوسری بات ہے جس میں اہلحدیث کو مقلدین سے خلاف ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ضعیف کا روایت میں داخل ہونا پایا جاتا تو کہا جا سکتا تھا کہ ضعف نیچے طاری ہو گیا اور امام کو بسند صحیح پہنچی تھی۔ پس حدیث قابل حجت ہے ورنہ بلا اسکے ان خانہ ساز باتوں سے کچھ کام نہیں چل سکتا اور اس کا بھی تو کوئی ثبوت نہیں کہ امام صاحب نے اُسی حدیث سے استدلال کیا تھا بلکہ متاخرین اپنی دوڑ کے مطابق اُس کو حجت لاتے ہیں۔ اگر یہی ثابت ہوتا کہ امام صاحب نے اُسی حدیث سے استدلال کیا اور پھر یہ بھی ثابت ہوتا کہ امام صاحب ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کرتے تھے اور پھر یہ بھی متحقق ہوتا کہ ان کے صحت و ضعف کے حکم لگانے کا جو معیار تھا وہ بھی قابلِ اعتماد ہے تاہم کچھ کام چل سکتا۔ حالانکہ ان میں سے ایک کا بھی ثبوت ملنا مشکل ہے یا ہے ہی نہیں۔ بلکہ اور خلاف کا ثبوت موجود ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ اور کم واسطہ ہونے سے ضعف کے احتمال کی نفی کرنا بڑی غلطی ہے۔ مجروح راوی طبقہ تابعین میں کیا نہ تھے۔ دوسرے ارسال و انقطاع وغیرہ بھی اسباب ضعف کے موجود تھے۔ اس کے علاوہ خود مشاہدہ موجود ہے کہ امام صاحب کی بہتیری روایتیں ضعیف موجود ہیں جو اُنکے شاگرد ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر امام صاحب کی روایتوں کے ضعیف نہ ہونے کے کیا معنی۔

بعض کہتے ہیں اپنی ساری حدیثوں کو تو یہ لوگ صحیح کہتے ہیں اور جو حدیث ہماری دلیل ہوتی ہے اسکو ضعیف بتا دیتے ہیں حالانکہ جن مسائل حدیثیہ میں اہل حدیث کو ان سے خلاف ہے اُن میں ایسا ہی ہونا قرین قیاس ہے اس لیے کہ اگر اس جانب حدیث صحیح اور ان کی دلیل ضعیف نہ ہوتی تو اہلحدیث خلاف ہی کیوں کرتے اور حقیقت میں اختلافی موقعوں پر اہلحدیث کے مسلک کو قوت ہونا ہی چاہیے۔ اس لیے کہ ان کا مذہب تابع دلیل ہے جس بات کی دلیل قوی ہے وہی انکا مذہب ہے۔ بخلاف مقلدین کے کہ ان کا مذہب ان کے امام کا قول ہے اور چونکہ وہ قبل فراہمی دلائل گزر گئے۔ اس وجہ سے ان کے اقوال ہر قسم کے ہیں۔ صحیح بھی ہیں جو دلائل حدیثیہ کے موافق ہیں اور ضعیف بھی ہیں جو حدیث نہ پاتے وغیرہ کی وجہ سے وہ اُن کے قابل ہوئے تھے۔ پس ان کے اقوال کی مثال گڈے کے مال کی سی ہے، کھرا کھوٹا ہر قسم کا ملا ہوا ہے۔ اور اہل حدیث کے مسائل کی مثال ایسی ہے کہ کوئی خوب دیکھ بھال اور پرکھ کر چُن لے کر وہ کھرا ہی کھرا ہے۔ اگر مقلدین بھی اپنے مسائل کو تابع حدیث کے کر دیں تو ان کی بھی (م)

اسلام اور تقلید شخصی :

تیسری بات جس میں اہل حدیث کو مقلدین سے خلاف ہے یہ ہے کہ وہ کہتے

---

(۲) یہی حالت ہو جائے۔ لیکن ہم زمانے کا جو عموماً رنگ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہاں تو حدیثوں کو پڑھتے پڑھاتے وقت پھیر پھار کر اپنے موافق کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنی طاقت لسانی سے تاویلیں کرنے پر خوب قادر ہو وہ بڑا استاد ہے اور کتنی مشہور درس گاہوں میں دیکھا گیا کہ حدیث کی کتابیں خصوصاً صحیحین بڑے فراٹے سے طے کرا دی جاتی ہیں اور ان کو کرنا بھی ایسا ہی چاہیے۔ اس لیے کہ ان کو اس پر عمل کرنا تو ہے ہی نہیں کہ وہ ہر حدیث کو بغور دیکھیں اور اس کے مطالب اور اشارات پر غور کریں اور اس کو یاد رکھیں جیسا کہ اہل حدیث کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسا نہ کریں تو کام کیسے چلے۔ ان کو تو اس پر عمل کرنا ہے اور اسی وجہ سے عموماً اہل حدیث بہ نسبت اہل تقلید کے حدیث سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ ایک اہلحدیث اقسام حدیث اور صحیح و ضعیف کی تفصیل سے جیسا واقف ہوتا ہے مقلد نہیں ہوتا۔ ہم نے کتنے مقلد مولویوں کو جن کو اہل حدیث سے بحث کرنے کا اور اپنے علم کا دعویٰ بھی ہے ایسی ایسی مشہور احادیث سے جو ان معمولی درسی کتابوں میں ہیں صاف لاعلمی ظاہر کرتے پایا جس سے سخت تعجب ہوا اور عموماً ساقط اور غیر معتبر روایت کا تقریراً اور تحریراً حجت میں لانا اور تمیز نہ کر سکنا تو معمولی باتیں ہیں اور اصلی بات وہی ہے کہ ان کو اس سے چنداں غرض ہی نہیں۔ ایک ثواب کا خیال تھا تو ان کے بزرگوں نے یہ کہہ کر کہ فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں (دیکھو درمختار) اس سے بھی بے غم کر دیا۔ ان وجوہ سے فقہاء عموماً فن حدیث سے بے خبر رہے۔ پس متاخرین نے بھی مسائل کو درست نہ کیا اور زیادہ تفصیل اوپر گزر چکی۔ لہٰذا وہ جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ایک رسم ہے جس کو وہ پورا کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں ان لوگوں کو امام ابوحنیفہ اور حنفی مذہب سے عداوت ہے۔ کیونکہ یہ حنفی مذہب کا ہی خلاف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اہلحدیث کو عداوت کسی سے بھی نہیں اور نہ عداوت کی کوئی وجہ ہے۔ اور بعض تحریروں میں جو بعض الفاظ نظر پڑتے ہیں تو چونکہ مقلدین اہل حدیث کے ساتھ بہت سخت کلامی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بہت سی ان کی تالیفوں میں موجود ہے اور ابتدا انھیں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر اہل حدیث مقلدین کی بابت کوئی لفظ لکھیں دگو ہم بہتر یہی سمجھتے ہیں کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں کہ شرع میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جملہ مسائل میں کسی عالم یا مجتہد کی تقلید شخصی کا التزام کیا جائے یا کسی امام کے نام کے مذہب کی پابندی اپنے ذمے لازم ٹھیرائی جائے۔ پس ایسا کرنا اپنی طرف سے نئی شرع قائم کرنا ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور اس کے اندر جو کچھ ہم سے ذمہ داری لی گئی ہے۔ اس کو جہاں تک اول سے لے کر تا آخر دیکھا گیا۔ کہیں اس بات کا کوئی پتہ و نشان نہیں ملتا کہ ہم کو کسی خاص مجتہد کے مذہب کی تقلید بھی کرنا چاہیے۔ اسلام کے ابتدائی عہد نامہ[1] کو دیکھو کہ جو اسلامی تعلیم کا گویا لب لباب ہے تو اس میں صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی توحید اور اس کے رسولؐ کی رسالت کا اقرار ہے اور ان کی ہی تابعداری کا اس کے ساتھ کسی مجتہد و امام کی امامت کا اقرار نہیں لگایا گیا۔ اسی طرح آخری دن کی باز پرس کو دیکھو جبکہ منکر و نکیر سوال کریں گے اس میں رب اور رسول (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور دین کی بابت سوال کا ذکر ہے۔ لیکن کہیں اس سوال کا ذکر نہیں ہے کہ تم کس امام کے مذہب پر تھے اور کہیں غیر مقلد تو نہیں تھے۔ غرضکہ جہاں تک اسلامی تعلیموں کو دیکھو اسلام نے ہم کو بجز اس بات کے اور کسی بات کا مکلف نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ایسا بھی نہ کریں) تو وہ بحکم والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون کے معذور ہیں۔ اور جو امام صاحب کی بابت حدیث کا خلاف کرنا کہا گیا ہے اُس سے یہ لوگ بہت ناخوش ہوتے ہیں۔ تو اصل میں یہ ایک معمولی بات ہے اور سلف کے کلام میں بھی اِس قسم کا اطلاق پایا گیا۔ مگر چونکہ یہ لفظ اُن کے منشاء کے بالکل خلاف ہے اس وجہ سے اُن کو بہت ناگوار ہوتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو امام صاحب کو بُرا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کلام بنظر احقاقِ حق ہے۔ البتہ جو بنظر تشنیع کہے وہ بے شبہ ماخوذ ہے۔ اور مسائل میں خلاف کرنا حنفی مذہب کے ساتھ مختص نہیں۔ کتنے مسائل ہمارے پیشِ نظر ہیں جن میں اہلحدیث شافعی کے خلاف اور امام صاحب کے ساتھ موافق ہیں۔ ان کو کسی خاص امام کی موافقت و مخالفت سے غرض نہیں بلکہ اتباع دلیل مدِّنظر ہے جس کے بھی موافق ہو۔

[1] یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

کے حکم کی تابعداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا علم اپنے آپ کو حاصل ہو۔ تو اپنے علم کے موافق چلے اپنے آپ کو علم نہ ہو تو کسی عالم سے دریافت کرے۔ اس میں کوئی اور قید و تخصیص نہیں بتائی گئی کہ ایک عالم یا امام کو مقرر کر کے اُسی کی یا اُس کے مذہب کی جملہ مسائل میں پیروی کرے یا جس نے جس امام یا مجتہد کے قول پر عمل کیا اُس کو پھر اُسی کے مذہب پر چلنا چاہیئے یا مسلمانوں کو خاص خاص مجتہد مقرر کر کے اُن کی تقلید کرنا چاہیے۔ اور جس امام کا مقلد ہے اس کو اس کے مذہب کے سوا کسی اور امام کے قول پر عمل نہ کرنا چاہیے۔

تقلید شخصی، دین میں احداث ہے:

پس اپنی طرف[۱] سے کسی عالم یا مجتہد کے مذہب کا التزام کرنا اور اپنے نفسؔ اُسی کے اتباع کو ضروری ٹھہرانا اور یہ جی میں قرار دے لینا کہ ہمارے امام فلاں مجتہد ہیں چنانچہ جو ان کا مذہب معلوم ہو اس پر عمل کرنا، اور اس وجہ سے اپنے آپ کو انھیں کی طرف منسوب کرنا اور اُن کے اقوال کو اپنا مذہب قرار دینا، اور، اور مجتہدوں کے اقوال کو غیر مذہب ٹھیرانا اور اپنے ذمہ کو انھیں کی تقلید میں مشغول سمجھنا۔ اور جب کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے تو انھیں کے عندیئے اور مذہب کی تلاش کرنا اور ان کے مذہب سے بلا کسی خاص ضرورت کے علیحدہ نہ ہونا اور کسی دوسرے امام و مجتہد کے قول پر عمل سے انکار رکھنا یا

---

[۱] جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرزِ عمل ہے۔ چنانچہ مشاہدہ موجود ہے (اور جو ایسے نہیں اُن پر ہم کو یہ اعتراض بھی نہیں) اور بعض اقوال بھی ہم پہلے نقل کر چکے (دیکھو صـ ۱۱۱ تا ۱۱۳) مفقود کے مسئلہ میں جو بعض اصحاب نے اس کے خلاف جو امام صاحب سے مفقود کے بارے میں منقول ہے بعض دیگر دلیلوں اور ایک حدیث سے استدلال کر کے اختیار کیا تو صاحب ردالمحتار اس موقعہ پر بحر الرائق کا قول نقل کرتے ہیں: والعجب کیف یختارون خلاف ظاھر المذاھب مع انه واجب الاتباع علی مقلد ابی حنیفة انتہیٰ۔ یعنی مقلدین ابی حنیفہ پر تو اُن کے مذہب کی ظاہر روایت واجب الاتباع ہے۔ پس تعجب ہے کہ یہ لوگ اسکے خلاف کیسے اختیار کرتے ہیں (گو وہ کوئی حجت اُن کے خلاف کیوں نہ رکھتے ہوں)۔ انتہیٰ۔

تنگ دل ہونا اور جو اس پابندی کو ملحوظ نہ رکھے اُسے برا سمجھنا اپنی طرف سے نئی شرع قائم کرنا ہے جو کہ اللہ جل شانہٗ کے کلام پاک شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ[1] اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[2] کا مصداق ہے۔ چنانچہ مولٰنا عبد العلی بحر العلوم شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:[3]

"کوئی چیز واجب نہیں بجز اس کے جس کو اللہ نے واجب کیا، اور اسی کا حکم ہے اور اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ اماموں میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو اپنا مذہب ٹھہرائے۔ پس اس کا واجب کرنا اپنی طرف سے شرع قائم کرنا ہے۔"

اور شرح تحریر میں فرماتے ہیں:

یہ تو تم جان چکے ہو کہ شارع کی طرف سے تکلیف بس اسی قدر ہے کہ علی التخییر کسی مجتہد کے فتوے پر عمل کر لیا جائے اور تخصیص کسی ایک مجتہد کی ایک بے دلیل بات ہے جو قابلِ التفات نہیں بلکہ وہ بغیر کسی حجت کے شارع کا حکم بدل دینا ہے اور اللہ کی رحمت واسعہ کا بند کر دینا۔"

---

[1] یعنی راہ ڈالی اُن کے واسطے دین کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ شوریٰ رکوع ۲۔ یعنی تقلید شخصی کا یہ طریقہ اسی دین کا مصداق ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

[2] اخرجہ البخاری ومسلم وفی لفظ لمسلم من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد۔ یعنی ایسا کام کرے جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔ اور پہلے لفظ کے معنی یہ ہیں جو ہمارے دین میں ایسی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں (بتائی گئی) ہے تو وہ مردود ہے۔

[3] عبارت یہ ہے: اذ لا واجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ والحکم لہ ولم یوجب علی احد ان یتمذھب بمذھب رجل من الائمۃ فایجابہ تشریع جدید انتہی (ص ۶۳۸)۔ دوسری عبارت یہ ہے: اعلم انك قد علمت ان التكليف من الشارع ليس الا العمل بفتوى مجتهد على التخيير وتخصيص العمل بفتوى مجتهد دون مجتهد تحكم لا يلتفت اليه بل هو تغيير لحكم الشارع من دون برهان وحجر رحمة الله الواسعة۔ انتہی۔

مصلحت کی بنا پر جوازِ تقلید کے لوازم:

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید شخصی کا التزام اور کسی امام کے مذہب کی اپنے لیے تعیین کر لینا نہ صرف نئی شرع قائم کرنا بلکہ شرع الٰہی کو بدل دینا ہے۔ اور گو اس تعیین وتخصیص میں کچھ خوبیاں یا مصلحتیں بتائی جائیں یا اس تقلید کو کسی عموم شرعی میں داخل ٹھیرایا جائے اور ایسا کر کے اُس کو مستحسن شرعی یا مامور دینی قرار دیا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ ایسا ہی اور ساری بدعتوں میں کہا جا سکتا ہے۔ دین میں کوئی بدعت نہیں ہے جس میں بادی النظر میں کوئی شرعی خوبی یا مصلحت نہ نکل سکے یا بظاہر وہ کسی عام میں داخل نہ ٹھہرائی جا سکے۔ کیونکہ بدعت[1] کہتے ہی اُس کو ہیں جو دین میں مخالفت کے طور پر نہیں بلکہ اشتباہ کے طور پر نکالی گئی ہو، اور اس میں دینی کام ہو جانے کا دھوکا ہو۔ پس وہ کام کہ صریح خلاف[2] شرع نظر آتا ہو، اور اس میں دینی امر ہونے کا اشتباہ ہی نہ ہو تو اُس کو بدعت کہا ہی نہیں جا سکتا۔ بدعت وہی ہے جو بظاہر دینی امر اور نیک کام معلوم ہو لیکن دراصل وہ تعلیم شارع سے باہر اور اپنی خاص وضع اور ہیئت اور نئی صورت نوعیہ کی وجہ سے صحیح طور پر کسی شرعی حکم کے مصداق ہونے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔

---

[1] درمختار میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں: ھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ انتہی۔ اور ردالمحتار میں شمنی سے نقل کرتے ہیں: ما احدث خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من علم او عمل اوحال بنوع شبہۃ واستحسان وجعل دینا قویما انتہی۔

[2] مثل عام گناہوں وغیرہ کے جن کی شرع میں صریح ممانعت آئی ہے بدعت کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں اس میں بدعت کی بابت ایسے ہی الفاظ وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے بدعت وہ ہے جسکا حکم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ابھی جو آیت وحدیث مذکور ہوئی اس میں تم نے دیکھ ہی لیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایسی بات کرنا جس سے منع کیا گیا۔ پس کسی ایسے امر کی بابت جس کو بدعت کہا جائے یہ کہنا کہ اس میں کیا حرج ہے شرع نے کہیں اس کو منع نہیں کیا یا یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ایک نادانی کی بات ہے۔

دوسری بدعات اور تقلید میں کوئی فرق ہے؟

چنانچہ تم ان مراسم کو دیکھو جن کو بحیثیت دینی برتا جاتا ہے اور فریق مقابل کے کل یا اکثر افراد ان کا بدعت و ممنوع ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً محفل میلاد، تیجہ، دسواں وغیرہ عرس، فاتحہ مروجہ، مصافحہ بعد العصر، صلوٰۃ الرغائب[1] وغیرہ کہ ان میں کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو یا وہ کسی عموم شرعی مثل تجدید ایمان و ذکر اللہ وصدقہ وغیرہ میں داخل نہ معلوم ہوتے ہوں لیکن اُن کی خاص صورت نوعیہ اور ہیئت کذائیہ کا بحیثیت دینی یا اس طور پر کہ ایک امر دینی پر التزام کیا جاتا ہے التزام کر لیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ تعلیم شارع پر مستزاد ٹھہرے اور بدعت قرار پائے۔ اسی طرح یہ تقلید شخصی اور خاص خاص مذہبوں کا التزام اور اُن کی قید و تخصیص بھی ہے جس کا مقلدین نے التزام کر لیا اور وہ اُس پابندی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس کا شارع نے حکم نہیں دیا اور جیسا کہ بدعات مذکورہ کے مرتکبین ان کے صحیح بنانے کے لیے کوئی نہ کوئی بات بناتے ہیں۔ اسی طرح تقلید شخصی کے پابند اس کے وجوب اور اس کے مشروع ہوتے کو ثابت کرنے کے لیے طرح طرح سے باتیں بناتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جو دراصل قابلِ قبول ہو اور اس کو بدعت ہونے سے نکال دے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید ایضاح الحق الصریح میں تحریر فرماتے ہیں:

"استحسانات اکثر متاخرین از فقہاء و صوفیہ کہ محض بنا بر ظن حصول بعضے منافع دینیہ و مصالح شرعیہ بدون تمسک بدلیلی از دلائل شرعیہ اصلے از اصول عبادات یا معاملات اختراع می نمائند تحدید اصلی از اصول دینیہ بحدود خاصہ احداث می کنند یا ترویج امرے کہ خامل در قرون سابقہ بود بر روے کار می آرند

---

[1] رجب کے مہینے میں جو اول جمعہ ہوتا ہے اُس کی شب میں نفلیں پڑھنا پانچویں صدی میں مروج ہو گیا تھا اور بکثرت مختلف شہروں میں جاری ہو گیا۔ چونکہ بالخصوص اس میں کوئی شرعی نص وارد نہیں لہٰذا علماء نے اس سے منع کیا اور بدعت ٹھیرایا۔ دیکھو شامی وغیرہ۔

یا احتمال آمرے کہ دراں ازمنہ مروج بود بعمل مے آرند مثل نماز معکوس و وجوب تقلید شخصی معین از ائمہ مجتہدین و مثل تحدید ذکر کلمہ تہلیل باوضاع مخصوصہ از اعداد و ضربات و جلسات و تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر و ترویج مسائل قیاسیہ و کشفیہ و استغراق بجمیع ہمت خود دراں و اہمال ظاہر کتاب و سنت مگر بطریق تبرک و تیمن ہمہ از قبیلہ بدعات حقیقیہ است و آنچہ در مقام عذر آن میگویند ہر چند کہ این امر محدث است اما مشتمل بر مصلحتے از مصالح دینیہ است یا اصل آن در شرع ثابت است اگرچہ خصوصیت مذکورہ محدث باشد پس مجرد این عذر امور مذکورہ را از حد بدعات خارج نمے گرداند۔" ملخصاً

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"اما تخریجات متاخرین فقہاء مثل تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس بر زمین متعلقہ چاہ و مثل حکم بوجوب تقلید مجتہدے معین از مجتہدین سابقین و حکم بالتزام بیعت شخصے معین از شیوخ طریقت بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت و التزام بیعت او و امثال آن از تخریجات غیر محصورہ کہ منقول از متاخرین فقہاء و صوفیہ است و کتب فقہ و سلوک بآن مملو و مشحون ست و اکثر اتباع ایشاں ہمیں تخریجات محدثہ را احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند ہمہ از قبیل بدعات است و دلائل ایشاں ہمہ از قبیل لطائف شعریہ و نکات مخیلہ است کہ ہرگز احکام مذکورہ را از بدعت خارج نمے گرداند۔ و در دائرہ شریعت ایمانیہ و طریقۂ احسانیہ داخل نمی کند انتہی بقدر الحاجۃ"

ان بیانات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ مذاہب مجتہدین میں سے کسی مجتہد کے مذہب کے التزام اور اس کی تقلید شخصی کی شریعت میں کوئی اصلیت نہیں بلکہ وہ ایک بدعت ہے جو شریعت میں پیدا ہو گئی اور اس میں دراصل کوئی ایسی وجہ نہیں ہے جو اُس کو بدعت ہونے سے نکال کر مقبول شریعت قرار دے۔ بلکہ وہ وجہیں بالکل کچی اور خانہ ساز باتیں ہیں جو قابلِ قبول نہیں۔ اور اس میں جو خوبیاں اور مصلحتیں بتائی جاتی ہیں وہ

درحقیقت نکات بعدالوقوع کے قبیل سے ہیں نہ یہ کہ دراصل تقلید شخصی ان وجوہ سے اختیار کی گئی بلکہ وہ اتفاقاتِ روزگار اور دورِ زمانہ سے نکل کر جاری ہوگئی تو جن لوگوں میں وہ جاری ہوئی اُن کو اس کے رواج کے پردے نے اس کے صحیح بنانے کے لیے ان باتوں پر مجبور کیا۔

تقلید شخصی اور آیت فاسئلوا اھل الذکر الآیۃ۔ ایک مغالطہ:

اور اسی قبیل سے اس کو کسی عموم شرعی میں داخل کر کے مشروع ٹھہرانا بھی ہے چنانچہ بعض[1] لوگ بڑی کوشش کر کے اُس کو اس شرعی عموم میں جس میں بے علم کو عالم سے دریافت کرنے کا حکم دیا گیا ہے داخل قرار دیتے ہیں اور یوں بات بنا کر اس کو مامور شرعی و واجب کہتے ہیں۔ حالانکہ تقلید شخصی کو جو کہ معمول بہ اور زیر بحث ہے اس عموم میں داخل بنا کر مشروع یا مامور قرار دینا سخت غلطی ہے۔ شارع کا بے علم کے لیے جہاں تک ارشاد ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب کبھی جو بات معلوم نہ ہو کسی علم والے سے دریافت کر لے جس پر عمل کی بس یہی صورت ہے کہ اسی عموم و اطلاق کے ساتھ جس کو جس سے موقع ملے دریافت کر لے۔ گو بحسب اتفاق کوئی شخص مدت العمر ایک ہی عالم سے دریافت کرتا رہے اب اپنی طرف سے کسی امام و مجتہد کی تخصیص کرنا اور تمام مسائل میں اسی کے مذہب کی پیروی کا قصد رکھنا، اور جب ضرورت پڑے خصوصیت کے ساتھ اسی کے عندیئے کی تلاش کرنا اور اسی کی تقلید کا التزام کرنا اور اپنے ذمّہ کو اسی کی تقلید میں مشغول سمجھنا اور اس التزام کو ضروری و واجب[2] ٹھہرا لینا جیسا کہ عموماً مقلدین کا طرزِ عمل ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ طرہ اس پر یہ ہے کہ باوجود علم کے اور صریح احادیثِ رسول دیکھنے کے ان کی طرف التفات نہ کرنا، بلکہ خاص خاص اماموں کے اقوال کے ساتھ جو جس کا نام لیوا ہے پابند رہنا ارشاد

---

[1] مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔ (مثلاً دیکھیے سبیل الرشاد ص ۲۶۔ ع، ح)

[2] ضمیمہ فتح مبین میں لکھتے ہیں: "اسی واسطے تقلید امام واحد کی واجب ہوئی" انتہیٰ۔ اور لکھتے ہیں: "تقلید مذہب واحد کی واجب ہے اور یہی مدعا ہے"۔ انتہیٰ۔ اور بعض عبارتیں اس قسم کی پہلے مذکور ہو چکیں۔

شارع پر اپنی طرف سے اضافہ کرنا اور اس پر قیدیں بڑھانا نہیں بلکہ اس کا بدل دینا اور اس کا مقابلہ کرنا ہے اور عموم و اطلاق شارع کو باطل کرنا۔ پس یہ تقلید شخصی اس عموم میں کیونکر داخل ٹھہرائی جا سکتی ہے اور اس پر کاربند ہونے والا ارشاد شارع پر کس طرح عامل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اگر یہ تقلید شخصی عموم حکمِ مذکور میں داخل اور اس وجہ سے وہ مشروع ہے تو پھر ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ تمام اُمور جن کو بدعت کہا جاتا ہے وہ بدعت کیسے ٹھیر سکتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح وہ بھی عموماتِ شرعیہ میں شامل ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے والا بھی انہی عمومات کے ایک فرد پر عمل کرتا ہے پھر وہ بدعت کیسے ٹھیرائے گئے۔ ان کے بدعت ہونے کی یہی وجہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں خاص خاص قیدیں اور اپنی طرف سے تخصیصیں بڑھائی گئیں اور لازم ٹھیرائی گئیں اس وجہ سے وہ مشروع نہ رہے اور نہ امرِ شرعی میں داخل ٹھیرے۔ بس یہی وجہ اس تقلید شخصی میں[1] بھی موجود ہے۔

بالآخر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ تقلید شخصی کی یہ صورت جو معمول ہے عموم حکمِ مذکور میں داخل اور اس کا ایک فرد مشروع بھی ہے تاہم تقلید شخصی کا التزام اور اسی پر جما رہنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ مامور مخیر میں سے تخصیص کے ساتھ ایک ہی شق کو اختیار کر لینا[2] اور امر شرعی کو اس کی حد پر نہ قائم رکھنا ممنوع اور

---

[1] خلاصہ یہ ہے کہ جو صورت کہ عموم حکمِ شرعی میں داخل ہے یعنی بحسب اتفاق جملہ مسائل میں کسی ایک کی طرف بلا لحاظِ تخصیص و بلا قیدِ التزام کے رجوع کرنا وہ معمول بہ و زیرِ بحث نہیں اور جو معمول بہ اور زیرِ بحث ہے وہ داخل دفرد مشروع نہیں۔ یہ جو تحقیقات ذکر کی گئی اس سے مولوی رشید احمد صاحب کی اُس تقریر کا بھی جو انھوں نے اثبات تقلید شخصی کے لیے سبیل الرشاد میں اور ایک ڈیڑھ ورقی مضمون میں جو ہدایت المعتدی کے اخیر میں طبع ہوا ہے لکھی ہے جواب ظاہر ہو گیا۔ اُس ڈیڑھ ورقی مضمون کا ایک جواب مولانا محمد سعید صاحب بنارسی نے نور الابصار کے اخیر میں طبع فرما دیا ہے۔

[2] چنانچہ نماز کے بعد داہنے و بائیں دونوں طرف پھرنا جائز اور دونوں فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ لیکن عبداللہ بن مسعود داہنی طرف کی تخصیص کر لینے کو حصہ شیطان کا کہتے ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری۔ علامۂ طیبی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نادرست ہے۔ پس جبکہ ارشاد شارع شخصی و غیر شخصی دونوں کو شامل ہے اور دونوں کی تعلیم دیتا ہے تو پھر شخصی ہی کو اختیار کر لینا اور اسی کو واجب کہنا اور غیر شخصی سے انکار رکھنا اور اور اس پر عمل کرنے والے کو برا سمجھنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ غرض کہ اس تقلید شخصی کے بدعت و نادرست ہونے میں تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے تردد ہو بھی تب بھی اس کے ساتھ کاربند نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ مسلمہ ہے کہ جس چیز کے بدعت و سنت ہونے میں تردد ہو اس کو ترک ہی کرنا چاہیے[۱]۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) لکھتے ہیں۔ ایک مستحب فعل پر اصرار کرنے اور اس کو ضروری کر لینے کی یہ برائی ہے تو ایک ناجائز اور بدعت پر اصرار کا کیا حال ہوگا۔ انتہیٰ۔

نفلی روزہ ہفتے کے سارے دنوں میں جائز اور باعث اجر ہے۔ اسی طرح قیام لیل ہر رات میں مشروع اور مسنون ہے لیکن تخصیص جمعہ کو کہ جس کی تخصیص کر لیے جانے کا اس کی فضیلت کی وجہ سے احتمال تھا پیغمبر صاحب ﷺ نے پہلے ہی سے صاف صاف منع فرما دیا۔ دیکھو صحیح مسلم۔

نماز میں الحمد کے بعد جو سورۃ چاہے پڑھے سب جائز و مشروع ہے۔ لیکن فقہاء کسی سورت کی تخصیص کو منع کرتے ہیں۔ دیکھو درمختار و رد المختار۔ اسی طرح جب مسلم ہے کہ تقلید دونوں طرح جائز و مشروع ہے تو ایک قسم کی تخصیص کر لینا کیسے جائز ہوگا۔

[۱] ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ما تردد بین السنۃ والبدعۃ فترکہ لازم لان ترک البدعۃ لازم واداء السنۃ غیر لازم انتہیٰ۔ تقلید شخصی کے مشروع و بدعت ہونے میں تردد ہے۔ اور دوسری صورت بلا تردد مامور و مشروع ہے تو پھر ایسی صورت کو جس میں بدعت ہونے کا احتمال ہو ضرور ترک کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر اس کے ساتھ پابند رہے اور کبھی عند اللہ وہ بدعت ہی نکلی تو سارے عمل بیکار گئے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اس کے ساتھ پابند نہ ہوں اور دوسرے طریقے پر جو بلا اختلاف[عہ] مشروع ہے عمل کرتے رہیں تو اگر وہ عند اللہ بدعت نہ نکلی تاہم ہمارا کچھ حرج نہ ہوا۔ اس لیے کہ اتباع حق اس میں محصور نہ تھا اور ہم ایک دوسرے مشروع طریقے پر قائم تھے۔ اور اگر وہ بدعت نکلی تاہم ہمارا کچھ نہ بگڑا۔ اس لیے کہ ہم اس سے محفوظ اور کنارہ کش تھے۔ پس اگر اس کے بدعت ہونے کا یقین نہیں تب بھی اس سے علیحدہ ہی ہونا چاہیے۔ دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔

[عہ] مولوی رشید احمد صاحب نے تقلید غیر شخصی کو مشروع و مامور بہ [illegible] شخصی [illegible] بسبیل ارشاد اور [illegible] دونوں [illegible] تسلیم کیا ہے۔

اس لیے کہ ایک سنت پر عمل سے ترکِ بدعت زیادہ اہم ہے۔

بدعت چھوڑنے اور خالص سنی اور محمدی بننے کی ترغیب:

اور واقع میں بدعت ایسی بڑی بلا ہے کہ جس بات میں بدعت ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے کوسوں بھاگنا چاہیے۔ شرک کے بعد بدعت سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ بدعت سے اللہ تعالیٰ کو ایسی نفرت ہے کہ مبتدع[1] کا نہ فرض قبول ہے نہ نفل۔ بدعت کی شومی سے مبتدع کی کوئی عبادت مقبول نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا چیز بُری ہو سکتی ہے۔ لوگو اللہ پاک و بے نیاز سے جس نے تم کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ تم اُس کی صحیح صحیح طور پر عبادت کرو اور اس کے سچے دین پر چلو، ڈرو، اور اس تقلید شخصی کو جو کہ بدعت حقیقیہ یا حکمیہ ہے یا اس میں مشابہت مبتدعین کی ہے یا تردد بدعت ہونے کا ہے چھوڑ کر خالص سنی و محمدی ہو جاؤ اور اسلام کے رنگ اصلی کو جو کہ سلف صالحہ کا طریقہ تھا اختیار کرو۔ شاہ اسمٰعیل صاحب ایضاح الحق میں تحریر فرماتے ہیں:

"بالجملہ غرض ازین کلام آنکہ اشتغال بہ تفتیش ظاہر کتاب و سنت و تعلم و تعلیم آن خواہ بخواندن باشد خواہ باستماعِ مضامین آن وسعی در اشاعت آن از جنس اکل و شرب و لباس است کہ مدار زندگانی بر آنست و اشتغال باحکام فقہیہ معتبرہ و اشغال صوفیہ نافعہ از قبیل مداواۃ

---

[1] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کی توبہ کو (قبول کرنے سے) روک رکھا ہے جب تک وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے۔ اِس کو طبرانی نے لبسندِ حسن روایت کیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ صاحبِ بدعت کا عمل قبول کرے جب تک وہ اپنی بدعت نہ چھوڑے۔ اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب بدعت کا اللہ تعالیٰ نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز نہ حج نہ عمرہ نہ جہاد نہ فرض نہ نفل۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

معالجہ است کہ عند الضرورت بقدر حاجت بعمل آرند و بعد ازاں بکار اصلی خود مشغول باشند و عنوان و شعار خود محمدیہ خالصہ و تسنن قدیم باید داشت نہ تمذہب بمذہب خاص و انسلاک در طریقہ مخصوصہ بلکہ مذاہب و طرق را مثل دکاکین عطارین باید شمرد و خود را از منسلکان جند محمدی۔ محمدیہ خالصہ را شعار خود باید کرد و اقامتہ ظاہر سنت را کار و بار خود باید دانست و احکام فقہیہ را و اشغال صوفیہ معتبرہ را کہ خالی از شوب فساد و بدعت باشد بقدر حاجت استعمال باید کرد و زائد از حاجت بہ آن توغل نباید کرد۔"

خلاصہ یہ ہے کہ آدمی ہر واقعہ اور ہر محل میں قرآن و حدیث کے حکم کی تلاش رکھے، اپنے آپ کو علم ہو، اپنے طور پر معلوم کرے، ورنہ کسی ذی علم[1] سے معلوم کرلے۔

---

[1] آدمی کے خیالات پر رسم و رواج کا اثر:

عوام کو بطور خود نہ امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم ہے نہ حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم جب تک کہ وہ کسی عالم سے نہ دریافت کریں تو جس طرح وہ کسی مقلد عالم سے دریافت کرکے امام کا فرمودہ مسئلہ معلوم کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی عالم اہل حدیث سے حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم معلوم کرسکتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں حدیث رسولؐ کا کوئی پتہ نہ چلے یا کوئی اور اشکال پیش ہو تو کسی صحابی کے قول و فعل یا کسی اور مستند عالم کے قول پر عمل کرے جیسا کہ سلف کا دستور تھا۔ نہ یہ کہ جب مسئلہ کی ضرورت ہو تو اسی امام کا مذہب دریافت کریں جسکی تقلید اپنے اوپر لازم کرلی اور اسی سے دریافت کریں جو انھیں کا مقلد ہو۔ ایسا نہ کرنے میں جو استبعاد نظر آتے ہیں کہ اگر تعین مذہب واحد کی نہ کی جائے تو انتظام نہیں بن سکتا۔ یا ہر کوئی اپنی سی کہتا ہے کس کی بات مانی جائے یا مذاہب میں بکثرت اختلاف ہے، کس کے قول پہ چلا جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے استبعاد اور اشکال صرف اس وجہ سے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ طرز عمل انکے رواج کے خلاف ہے۔ اس وجہ سے انکو وہ خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے اور ان کے ذہن اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا کرتے ہیں۔ اگر ان کے رواج کے موافق ہوتا تو پھر کوئی اشکال (م)

اگر صریح قرآن وحدیث سے مسئلہ نہ ملے اور اپنے آپ کو اس درجہ کا علم نہ ہو کر بطور قیاس واستنباط کے مسئلہ نکال سکے، کسی مجتہد مسلم الاجتہاد کے بتلاتے ہوئے مسئلے کو لے لے مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد جس قدر گزرے ہیں سب اہلِ حق اور پیشوا ہیں اور ایک عامی محض کے لیے سب نسبت مساوی رکھتے ہیں اُس کو جس مجتہد سے اتفاق پڑے یا جس کا فتویٰ مل جائے اُس پر عمل کر لینا چاہیے اس کے کسی امام کے مذہب مقرر کرنے یا کسی مجتہد کے مذہب کے التزام کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

عامی کا کوئی مذہب نہیں:

ردالمحتار شرح درمختار میں ہے عامی کا کوئی مذہب نہیں، اس کا مذہب وہی ہے جو بروقت مفتی اس کو فتویٰ دے[1] انتہی۔ آگے چل کر بحر سے یہ بھی نقل کیا کہ ایک عامی محض جو اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہے تو اس سے وہ حنفی شافعی نہیں[2] ہوتا۔ انتہی ابن الہمام[3]

---

(۲) اس میں ان کو نہ معلوم ہوتا۔ رواج کو بھی عجیب دخل ہے۔ اپنے رواج کے خلاف ایک معقول بات بھی خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اور مروج بات غیر معقول بھی معقول معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سے کوئی ہوشمند انکار نہیں کر سکتا۔ آخر پہلے تین چار سو برس جب تک تقلید شخصی نے عام رواج نہیں پایا تھا انتظام کیونکر بنتا تھا جن میں آج کل کی طرح ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے اور ایک ایک مذہب میں جو علماء مذہب کا بکثرت مسائل میں اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ چنانچہ فقہ سے جو واقف ہے اُس پر ظاہر ہے۔ ان میں عوام کیسے فیصلہ کر لیتے ہیں۔ غرض اشکال کچھ بھی نہیں ہے مگر اُن کے رواج اور ان کی طبیعت کے خلاف ہونا یہ سب کچھ کہلاتا ہے۔

[1] عبارت یہ ہے: العامی لامذھب لہ بل مذھبہ مذھب مفتیہ انتہی۔

[2] عبارت یہ ہے: اما غیرہ ممن قال انا حنفی او شافعی لم یصر کذالک بمجرد القول کقولہ انا فقیہ او نحوی انتہی۔

[3] عبارت یہ ہے: ان اخذ العامی بما یقع فی قلبہ انہ اصوب اولی وعلی ھذا اذا استفتی مجتہدین فاختلفا علیہ الاولی ان یاخذ بما یمیل الیہ قلبہ منہما وعندی انہ لو اخذ بقول الذی لا یمیل الیہ جاز لان میلہ وعدمہ سواء والواجب علیہ تقلید مجتہد وقد فعل انتہی۔

شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :

"عامی کو اس بات کا لینا جو اُس کو اس کے دل میں صواب تر معلوم ہو بہتر ہے۔ پس اگر وہ کسی مسئلہ میں دو مجتہدوں سے فتوے طلب کرے اور وہ اختلاف کریں تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کو لے جس طرف اس کا دل مائل ہو۔ یعنی جس بات کے زیادہ صحیح ہونے پر اس کا دل گواہی دے اور میری رائے میں اگر وہ اس کے قول کو لے گا جس کی طرف اس کا دل مائل نہیں تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کا مائل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ اس پر واجب تو کسی مجتہد کی تقلید ہے اور وہ اُس نے ان میں سے کسی کا بھی قول ہو لے کر کر لی "

فقہاء حنفیہ اور تقلید معین کا التزام :

ابن الہمام کے اس قول کو شامی نے بھی ذکر کیا۔ شامی نے تحریر اور اس کی شرح سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر کوئی کسی[1] مذہب معین مثل مذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ یا شافعی رحمہ اللہ کا التزام کرے تو اصح یہ ہے کہ ایسا کرنے سے اس پر وہ لازم نہیں ہوتا۔ انتہے اور ایک دوسرے مقام پر اسی کے متعلق لکھتے ہیں[2] :

"محقق ابن امیر حاج شارح نے تحریر فرمایا بلکہ دلیل شرعی فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ نے اُس مسئلہ میں کہ مجتہد کی طرف ضرورت ہو بلا قید تعیین کے مجتہد کے قول پر عمل اور اُس کی تقلید کو چاہا ہے اور سوال جس کا آیت میں حکم ہے اسی وقت پایا جائے گا جبکہ کسی حادثہ معینہ

---

[1] عبارت یہ ہے : ثم ذکر انہ لو التزم مذہبا معینا کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزمہ وقیل لا وھو الاصح انتہی۔

[2] عبارت یہ ہے : قال الشارح المحقق ابن امیر الحاج بل الدلیل الشرعی اقتضی العمل بقول المجتہد وتقلیدہ فیہ فیما احتاج الیہ وھو فاسئلوا اھل الذکر والسوال انما یتحقق عند طلب حکم الحادثۃ المعینۃ فاذا ثبت عندہ قول المجتہد وجب عملہ بہ واما التزامہ فلم یثبت من السمع اعتبارہ ملزما انتہی۔

کا حکم معلوم کرنا مطلوب ہو تو اُس وقت اُس کو جس مجتہد کا قول معلوم ہو جائے اس پر عمل واجب ہے۔ رہا التزام تو اس کا اعتبار دلیل سے ثابت نہیں ہُوا۔"

یعنی آیت سے تو صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ جو مسئلہ معلوم نہ ہو جس وقت ضرورت پڑے کسی مجتہد سے دریافت کر لے۔ اور کسی مجتہد کی تعیین اور جب ضرورت پڑے اُسی سے یا اسی کے مذہب کے دریافت کرنے کا التزام تو یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب دلیل شرعی نے لازم نہیں کیا تو کسی کے اپنے اوپر لازم کیے سے لازم کیسے ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ کسی خاص مجتہد کے مذہب کے التزام اور تقلید شخصی اختیار کرنے کی نہ عالم[1] کے لیے کوئی وجہ ہے اور نہ عامی[2] کے لیے۔

---

[1] جناب مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ تنویر العینین میں کیا خوب فرماتے ہیں: ولیت شعری کیف یجوز التزام شخص معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الصریحۃ الدلالۃ علی خلاف قول الامام المقلد فان لم یترک قول امامہ ففیہ شائبۃ من الشرک کما یدل علیہ حدیث الترمذی عن عدی انتہی۔ یعنی "میں نہیں جانتا ایک شخص معین (کے مذہب) کا التزام کر لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے باوجود احادیث رسولؐ کی طرف رجوع کی قدرت کے کہ جو امام کے قول کے خلاف پر جسکی تقلید کی جاتی ہے صریح دلالت کرتی ہیں۔ پس اگر کوئی امام کے قول کو نہ چھوڑے تو اسمیں شرک کا شائبہ ہے جیسے حدیث ترمذی جو عدی سے مروی ہے اس پر دلالت کرتی ہے" انتہی۔ اس سے قبل یہ بھی لکھا کہ لوگوں نے تقلید میں زیادتی کی اور شخص معین کی تقلید کے التزام میں سختی برتی۔ حتیٰ کہ اجتہاد کو اور بعض مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کو منع کرنے لگے اور یہ وہ سخت بیماری ہے جس نے شیعوں کو ہلاک کیا اور یہ لوگ بھی ہلاکت کے کنارے پر ہو گئے۔ مگر شیعوں نے مبالغہ کیا پس نصوص سے درگزر ہی کر لیا اور ان لوگوں نے انکو بے کر اپنے امام کے قول کی طرف پھیر احالانکہ لازم تھا قول امام کو نص کیطرف پھیرنا یا چھوڑ دینا" نہ ایسا کرنا۔

[2] اور یہ کہنا کہ ہم مثلاً امام ابو حنیفہ کے مذہب کی تخصیص اس واسطے کرتے ہیں کہ ہم کو انھیں کے ساتھ عقیدت ہے محض ایک بے اصل حیلہ ہے اس لیے کہ ایک عامی کو امام صاحب سے عقیدت اور دیگر ائمہ مثل امام شافعی یا امام احمد یا امام بخاری سے بد عقیدتی یا کم عقیدتی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ بیچارہ منازل اہلِ علم کو کیا پہچانے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایک قابلِ اصلاح غلط فہمی :

پس مثلاً یہ خیال کرنا کہ ہم حنفی ہیں ہم کو اسی مسئلہ پر چلنا چاہیئے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو انھیں کا مذہب تلاش کرنا اور ان کے ہی مذہب کو دریافت کرتے پھرنا۔ پھر ان کے مذہب کا مسئلہ معلوم ہو تو بے تامل اس پر کاربند ہوجانا اور اگر کسی دوسرے امام کا بتایا ہوا معلوم ہو تو اُس سے کوئی غرض نہ رکھنا گویا اُن کے حق میں شرع محمدی بس وہی ہے جو حنفی مذہب ہے۔ اور جب کوئی حدیثِ رسول ؐ معلوم ہو تو اگر حنفی مذہب کے موافق ہو اس کو تو لے لینا اور جو معلوم ہو جائے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) بجز اس کے کہ چونکہ ان کے باپ دادا وغیرہ انھیں کے مقلد رہے ہیں اور یہ ان کے منہ سے واقعی یا مبالغہ آمیز فضائل سنتے رہے ہیں اور ہمیشہ انھیں کا نام نامی گوش زد ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا ان کے دل اُن کی عظمت سے پُر ہو رہے ہیں۔ لیکن اس قسم کی عقیدت ترجیح کی وجہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اس قسم کی ترجیح تو ہر مشرب و ملت کے لوگوں کو اپنے علماء کے ساتھ حاصل ہے۔ شیعہ، معتزلہ وغیرہم کے عوام بھی اپنے مقتدا علماء کی پیروی کرنے اور انھیں کی بات ماننے کی یہ وجہ بتا سکتے ہیں اور اُسکے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ بہرحال التزام مذہب کی یہ وجہ قرار دینا کہ ہم کو انھیں کے ساتھ عقیدت ہے کوئی موجہ وجہ نہیں اور حقیقت میں یہ بھی ایک زبانی حیلہ ہے اور اصل بات یہ ہے چونکہ بحسب اتفاق انکی تقلید شائع ہو گئی اور یہ انکے مقلدین میں پیدا ہوئے تو اب اس التزام کی اور کوئی وجہ نہیں بنتی تو عقیدت کا بہانہ کر دیا ہے جس امام کے مقلدین کے گھر میں پیدا ہوتا ہے پس وہ انھیں کا معتقد بن جاتا ہے۔ بجز اسکے اس خصوصیتِ عقیدت کی اور کوئی وجہ نہیں۔ اگر وجہ عقیدت کی کچھ مناقب پیش کریں تو دیگر ائمہ کے بھی مناقب دیکھیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ چنانچہ پہلے گزر چکا۔

اس کے علاوہ فقہاء نے اپنے مذہب کے ساتھ بمقابلہ دوسرے مذاہب کے اِس قسم کی عقیدت رکھنے کو خود ہی رد کر دیا ہے۔ اور عامی کے میلانِ قلب کو بھی غیر معتبر بتایا ہے۔ چنانچہ مذکور ہو چکا۔ علاوہ بریں تقلید مفضول کو بھی جائز قرار دیا ہے (دیکھو شامی وغیرہ) اور اگر اسی قسم کی عقیدت سے کام لینا ہے تو جو مشہور و مستند امام متاخر ہے وہ زیادہ قابلِ عقیدت ہے۔ اس لیے کہ وہ پہلوں کی معلومات و دلائل سے بھی واقف ہے اور اُس کا اپنا تبحر علیحدہ۔

کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ نہیں ہے تو اس سے رُک جانا یا اس میں کوئی تاویل کر دینا، اور اپنے ذمہ کو ان کی ہی پیروی و تقلید میں مشغول سمجھنا اور اس وجہ سے اپنے کو اُن کے ساتھ نامزد اور منسوب کرنا جیسا کہ عموماً مقلدین کا حال ہے، ایک غلطی ہے جو دور زمانہ اور اتفاقات روزگار سے پیدا ہو کر مروّج ہو گئی۔ جس کا نہ اللہ نے حکم دیا، اور نہ اس کے رسول ؐ نے، لیکن اس کے رواج نے بہتوں کو غلط فہمی میں ڈال دیا۔

کچھ تو سوچیے!

سو اے لوگو! حق کے طالبو! دل سے اپنے رب کی مرضی چاہنے والو! اُس کے پسندیدہ تر راستے کی تلاش کرنے والو! ذرا تم سوچو اور تھوڑی دیر کو تو خالی الذہن ہو کر دیکھو اور کچھ تو منصفانہ نظر سے علیحدہ بیٹھ کر غور کرو۔ کیا اہل حدیث کے مذہب میں کوئی ایسی بات ہے جو اسلام سے ان کو خارج کرتی ہو یا وہ ان اکابر کے کلام سے جن کو تم تسلیم کرتے ہو ثابت نہ ہو۔ جتنی باتیں جن میں اہلحدیث کو نزاع ہے تم نے سُنیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جس سے کسی دیدہ ور کو اقرار سے چارہ ہو۔

پس اگر تم کو بھی اقرار ہے، تو چشمِ ما روشن دل ما شاد۔ پھر کیا نزاع ہے، اور اس صورت میں جبکہ تم تحقیق کے تابع ہو نہ تقلید کے۔ اگر بعض مسائل جزئیہ میں اختلاف بھی رہے تاہم وہ اس بات کو نہیں چاہتا کہ ان بیچارے غربا اسلام کے ساتھ اس شقاق وخلاف کا برتاؤ برتا جائے جیسا کہ عموماً ان کے ساتھ برتا جاتا ہے اس لیے کہ مسائل کا اختلاف[1]

---

[1] ایسے اختلاف برداشت کرنے چاہئیں:

شاہ صاحب حجۃ اللہ میں لکھتے ہیں: "صحابہ اور تابعین اور انکے بعد والوں میں بعض وہ تھے جو (نماز میں) بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے اور کوئی اُسکو جہر سے پڑھتا تھا اور کوئی بلا جہر اور بعض نماز فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں اور کوئی پچھنے لگانے اور نکسیر اور قے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں اور کوئی مس ذکر اور عورت کو بشہوت چھونے سے وضو کرتا تھا اور کوئی نہیں۔ اور بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں۔ اور بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں (یعنی

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

سلف میں بھی تھا۔ اور خود حنفیہ میں آپس میں بکثرت[1] مسائل میں اختلاف ہے۔ پھر جب اصل مذہب تسلیم ہے تو مسائل جزئیہ کے اختلاف پر اس قدر عناد کیوں ہے۔ اور اگر تسلیم نہیں تو ہم نہیں جانتے کہ ایسے صریح حق سے جو عین تعلیم اسلام ہے اختلاف کی کیا وجہ ہے۔ اگر تم انصاف کرو تو ضرور پاؤ گے کہ مذہب اہلحدیث عین منشاء اسلام ہے۔ جس سے کسی مسلمان کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن ذرا غور و تامل کی ضرورت ہے اور سمجھ کی بات۔

بھائیو! انصاف سے کام لو اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ سے کہ جس کے پاس تم کو حساب دینے کو جانا ہے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ سچی بات اختیار کرنے سے تم کو لوگوں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ان چیزوں کو بعض ناقضِ وضو سمجھتے تھے اور بعض نہیں سمجھتے تھے) اور باوجود اس کے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ (امام) ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد اور (امام) شافعی وغیرہم مدینے کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے کہ جو امام مالک کے مذہب کے موافق بسم اللہ پڑھتے ہی نہ تھے (حالانکہ یہ سب صاحب بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے) اور (ہارون) رشید کو امام مالک نے پچھنے لگانے سے وضو نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا تھا تو ہارون رشید نے پچھنے لگا کر نماز پڑھائی اور (امام) ابو یوسف نے اُنکے پیچھے نماز پڑھی (حالانکہ ابو یوسف وضو ٹوٹنے کے قائل تھے) اور امام احمد بن حنبل نکسیر اور پچھنوں سے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ اگر نماز میں کوئی شخص ایسا امام ہو جس کے خون نکلا ہو اور پھر اُس نے وضو نہ کیا ہو کیا آپ اُس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے تو فرمایا کہ امام مالک یا سعید بن المسیب کے پیچھے (جو وضو نہ ٹوٹنے کے قائل تھے) میں کیوں کر نماز نہ پڑھوں اور منقول ہے کہ ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ عیدین میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق بارہ تکبیریں کہتے تھے کیونکہ ہارون رشید اس کو پسند کرتے تھے۔ (حالانکہ ان دونوں کا یہ مذہب نہ تھا۔ اور بزازیہ میں ہے کہ ابو یوسف نے حمام میں نہا کر جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد کو خبر ملی کہ حمام کے کنوئیں میں مرا ہوا چوہا نکلا تو کہنے لگے اس وقت ہم اپنے بھائیوں اہل مدینہ کے قول کو کہ قلتین پانی ہو تو ناپاک نہیں ہوتا لیتے ہیں۔ انتہی ملخصاً صـ ۱۶۴ و صـ ۱۶۵

[1] چنانچہ کتب فقہ کو جس نے دیکھا ہے وہ خوب جانتا ہے اور بعض مثالیں ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں۔

سے شرم یا کسی کے بُرا کہنے کا خیال یا کسی کا ڈر یا اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کی پابندی یا کسی دُنیاوی نفع یا نقصان کا خیال روکے۔ اسی قسم کی باتیں اکثر ان لوگوں کو جن کو تم بھی ناحق جانتے ہو حق قبول کرنے سے روکتی ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

مذہب اہلحدیث کی قدامت:

مذہب اہلحدیث کی سچائی کے لیے کم سے کم یہی بات کافی ہے کہ جو اہلحدیث کا مذہب ہے وہی مذہب اُس وقت تھا جبکہ اسلام اپنی تروتازگی پر تھا اور ظاہر ہے کہ اُس وقت کے مسلک و مذہب کی بابت متغیر اور ناحق ہونے کا ذرا بھی گمان نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی مسلک و مذہب[1] اُن لوگوں میں رائج تھا جن کی بہتری اور خوبی کی شہادت خود پیغمبر صاحبؐ نے دی۔ برخلاف مذہب تقلید کے کہ ان خیر و خوبی کے زمانوں کے بعد نکلا اور جاری ہوا، اور ایسے زمانوں میں پھیلا جس کی پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مذمت کی جو کہ زمانہ ظہور بدعات[2] و شرور کا ہے۔

جماعت اہلحدیث کی بابت غلط خیالی کی وجہ:

اور پھر جس قدر زمانہ خیر و صلاح کا دُور ہوتا گیا اور متاخر زمانہ آتا گیا اُسی قدر وہ پھیلتا اور شائع ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایسا عام و شائع ہو گیا کہ لوگ اس پہلے مسلک کو بھول گئے اور اس سے ناآشنا ہو گئے اور جس پر وہ تھے اسی کو اصلی مسلک سمجھنے لگے اور جو اصلی ہے اس کو ناحق خیال کرنے لگے۔ اور ذرا دیر کو خالی الذہن ہو کر تامل صادق سے کام نہ لیا۔ بس یہی بڑی وجہ ہوئی۔ عموماً لوگوں کے اس سخت غلطی میں پڑ جانے کی۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اے اللہ تو ہی ہدایت کر اور سچی بات کے سمجھنے کی توفیق دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیْکَ بِعَزِیْزٍ۔

---

[1] یعنی اصحاب خیر القرون جو کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ہیں۔

[2] اس کے متعلق کچھ بیان پہلے ہو چکا۔ دیکھو حاشیہ صـ ۸۵

اہلحدیث کی حقانیت کی ایک اور دلیل۔ اہلحدیث کا حضرت ﷺ کے زمانہ سے لے کر بعد کے تمام زمانوں میں موجود رہنا۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان مابعد کے زمانوں میں اس پہلے مسلک پر کوئی نہ رہا اور سب کے سب تقلیدی ہو گئے۔ اس لیے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مخبر صادق نے خود پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت[1] کا ایک گروہ حقانی ہمیشہ قائم رہے گا۔ اس کا مصداق وہی گروہ ہو سکتا ہے جو اس وقت موجود تھا۔ نہ وہ کہ ایک مدت دراز کے بعد پیدا ہوا اور اس وقت اس کا وجود نہ تھا۔ پس بحسب آپ کی پیشین گوئی کے وہی ہمیشہ باقی رہے گا۔ چنانچہ وہ برابر ہر زمانے میں موجود رہا۔ یہ ایک مستقل دلیل ہے اہلحدیث کے گروہ حقانی ہونے کی ابتداء اسلام سے چوتھی صدی تک اہلحدیث کے ہونے سے تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اور پہلے ہم ابو طالب مکی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہم کے اقوال ذکر بھی کر چکے ہیں اور علامہ ذہبی کے کلام کا سلسلہ ابتدائے ظہور تقلید کے زمانے سے تم پڑھ چکے۔ اب ہم اسی سلسلہ کو زمانۂ مابعد کے متعلق بھی لکھتے ہیں۔ اس سے تم کو زمانۂ مابعد میں اہلحدیث کا رہنا اور بطور نمونہ کے بعض کے نام بھی معلوم ہو جائیں گے۔

چند قدیم علماء اہلحدیث اور تارکین تقلید کے تراجم:

ذہبیؒ نے طبقہ تاسعہ کے بعد طبقہ عاشرہ کو لکھا۔ اس طبقہ میں ائمہ حدیث نبوی میں سے ننانوے امام ذکر کیے جن میں سے بقی بن مخلد قرطبی کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ امام مشہور پیشوا مجتہد تھے۔ کسی کی تقلید نہ کرتے[2] تھے۔ سنت کے زندہ کرنے والے تھے۔ ان کے

---

[1] الفاظ حدیث یہ ہیں: لا تزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ الحدیث۔ اخرجہ مسلم وغیرہ۔ علی بن المدینی استاذ امام بخاری فرماتے ہیں: ھم اصحاب الحدیث۔ امام احمد صاحب نے فرمایا: ان لم یکونوا اھل الحدیث فمن ھم انتھی۔ یعنی اس کے مصداق اہل حدیث نہیں تو اور کون ہیں۔

[2] لفظ یہ ہے: لا یقلد احدا انتھی۔

مذہب اہلحدیث کو ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے تعصب کیا۔ لیکن امیر اندلس نے لوگوں کے ہاتھ سے ان کو بچا لیا۔ ۲۷۶ھ میں اُنھوں نے انتقال فرمایا اور حافظ کبیر احمد بن عاصم کو ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ اُن کا مذہب ظاہر قرآن و حدیث تھا۔ قیاس نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیم نے کہا ظاہری المذہب تھے ۲۸۷ھ میں انتقال کیا، اور قاسم ابن محمد اندلسی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ کتاب الایضاح جو مقلدین کے رد میں ہے اس کے مصنف یہی ہیں۔ ان کا مذہب استدلال اور حجت تھا دلیل کے ساتھ بصیرت رکھنے کی بابت اندلس میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا۔ ۲۷۶ھ میں انتقال کیا اور حافظ ابن خزیمہ صاحب صحیح کو ذکر کر کے ان کا قول لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جب صحیح حدیث مل جائے تو اس کے سامنے پھر کسی کا قول نہیں۔ ۳۱۱ھ میں انتقال کیا اور علامہ ابن المنذر کے کہ جن کی بے نظیر تصانیف مشہور ہیں ترجمہ میں لکھتے ہیں، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ اختلاف اور دلائل کا علم انتہا درجے کا رکھتے تھے ۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔ اور حافظ حسین بن محمد سنجی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ خراسان میں ان سے بڑھ کر کوئی حدیث دان نہ تھا۔ اہل الرائے کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے، مگر بڑی مشکل سے۔ اور حافظ امام ابو یعلٰے کے ترجمہ میں لکھتے ہیں" علماء ظاہریہ میں سے تھے حدیث کی بحث و تلاش بہت کرتے تھے۔ اہلِ قیاس کا رد کیا کرتے تھے۔ عابد اور متبع سنّت تھے۔ ۲۴۶ھ میں انتقال کیا۔ حافظ مستغفری کہتے ہیں۔ ہم ان کے جنازہ میں شریک تھے تو ان کے ساتھ ایسا شور دیکھا کہ گویا فوجِ شاہی آ رہی ہے۔ جب نماز کو کھڑے ہوئے تو وہ شور تھم گیا۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آدمی ابو یعلٰے کے سرہانے کھڑا کہہ رہا ہے، اے لوگو! جس کو سیدھا راستہ اختیار کرنا ہو وہ ابو یعلٰے کے طریقہ کو اختیار کرے۔ اور حافظ حسن بن سعید قرطبی کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔ مجتہد تھے کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ اور محدّث العراق ابن شاہین کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ ان کے سامنے جب کسی کے مذہب کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے۔ میں محمدی المذہب ہوں۔ ۳۸۵ھ میں انتقال کیا۔ طبقہ عاشرہ کے بعد طبقہ حادی عشرہ یعنی گیارہویں طبقہ کو اور اس میں کچھ اوپر

ستر ائمہ کو اور بارھویں طبقہ کو اور اس میں تیس اماموں کو اور ان کے حدیث میں توغل وغیرہ کو بیان کیا۔ اس میں حافظ محمد بن علی ساحلی متوفی ۴۴۱ھ کو اور ان کے حرص حدیث اور اس کی خدمت کو ذکر کر کے ان کے چند اشعار بھی ذکر کیے جو انھوں نے حدیث سے خلاف کرنے والوں کی مذمت میں لکھے ہیں، اس میں امام حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین متوفی ۴۸۸ھ کو جو کہ ظاہر کتاب و سنت پر چلتے تھے ذکر کیا اور اسی میں حافظ محمد بن طاہر مقدسی اور امام عبدری متوفی ۵۲۴ھ کو اور ان دونوں کے حدیث کو لازم پکڑے ہوئے ہونے اور ظاہر کتاب و سنت پر چلنے کو بھی ذکر کیا۔ پھر تیرھویں طبقہ کو اور اس میں حافظ امام کوتاہ اصفہانی کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ میں اس شخص کے طریق سے بڑھ کر کوئی طریق جنت کو پہنچانے والا نہیں جانتا کہ جو حدیث پر چلے۔ انھوں نے ۵۵۳ھ میں انتقال فرمایا۔ پھر چودھویں طبقہ کو، اور اس میں چوبیس حفاظ حدیث کو بیان کیا جو ائمہ المذہب عامل بالحدیث تھے۔ پھر پندرھویں طبقہ کو، اور اس میں کتنے عاملین بالحدیث کو جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کیا۔ اسی میں حافظ ابن الرومیہ اندلسی متوفی ۶۳۷ھ کو بھی ذکر کیا۔ جو پہلے مالکی تھے۔ پھر عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ پھر سولھویں طبقہ کو، اور اسی طرح اکیسویں طبقہ تک۔ برابر سب طبقات کو بیان کیا۔ اور ہر طبقہ میں ایک جماعت علماء عاملین بالحدیث کی جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کی۔ جن میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کو ذکر کر کے اُن کی بہت کچھ تعریف کی۔ ابن تیمیہ نے ۷۲۸ھ میں انتقال کیا۔ اور امام ذہبی نے بھی ۷۴۸ھ میں انتقال فرمایا۔ امام ذہبی بھی عامل بالحدیث تھے اور کسی کے مقلد نہ تھے۔ چنانچہ خود ان کے اقوال جو ہم نے ذکر کیے اس پر دلالت[1] کر رہے ہیں۔ یہاں تک کے بیان سے ابتداء سے لے کر آٹھویں صدی کے وسط تک سلسلہ وار اہلحدیث کا ہونا ثابت ہو گیا۔

---

[1] علامہ ذہبی فرماتے ہیں: شعر العلم قال اللہ قال رسولہ + ان صح والاجماع فاجهد فیہ
واحذر من نصب الخلاف جهالة + بین الرسول وبین رأی فقیہ

شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں فرماتے ہیں[1] کہ "شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک کی ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتوے دیتے اور عمل کرتے تھے۔"

شیخ عبدالوہاب شعرانی دسویں صدی میں[2] تھے۔ اس سے دسویں صدی تک ایسے لوگوں کا ہونا جو تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہو گیا۔ علامہ شوکانی نے بدر طالع میں اپنے زمانے کے قریب زمانوں میں ممالک یمن میں برخلاف دیگر ممالک کے بکثرت علماء اہلحدیث کے ہونے پر جو قرآن وحدیث پر عامل تھے اور کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ فخر کیا ہے۔ علامہ موصوف ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ شوکانی سے کچھ زمانوں پہلے سے ممالک یمن میں علماء اہلحدیث کا پتہ کتب تراجم میں ملتا ہے۔ خود بدر طالع میں بھی بہتوں کا ذکر موجود ہے۔ اور یہ مقولہ جو ہم نے ذکر کیا یہ علامہ محمد بن ابراہیم بن الوزیر کے ترجمہ میں جو بڑے پکے اہلحدیث سے تھے شوکانی نے ذکر کیا۔ اور علامہ موصوف ۷۷۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ ممالک یمن میں شوکانی سے پہلے دسویں وگیارھویں صدیوں وغیرہ میں اہلحدیث ہوتے رہے۔ اور قاضی شوکانی کے وقت میں اور اُن کے بعد سے اس وقت تک تو خود ہندوستان میں بکثرت اہلحدیث کا ہونا ظاہر ہے۔ پس ان تمام بیانات سے پیغمبر صاحبؐ کے وقت سے لے کر اس وقت تک برابر ایسے لوگوں کا ہونا جو عامل بالحدیث تھے اور تقلید شخصی کے پابند نہ تھے ثابت ہو گیا۔ اب ہم کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن مزید اطمینان کے لیے مختلف زمانوں کے کچھ لوگوں کو بہ تفصیل نام بطور مثال کے اور ذکر کیے دیتے ہیں۔ علامہ علی بن

---

[1] عبارت یہ ہے: ثم نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب انهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب من غير التزام مذهب معين من زمن اصحاب المذاهب الى زمانه انتهى (ص ۹۸)

[2] شیخ موصوف نے ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

حزم ظاہری[1] پہلے شافعی المذہب تھے۔ ترک تقلید کر کے ظاہر قرآن وحدیث پر عامل ہو گئے۔ کچھ تذکرہ ضمناً ان کا پہلے بھی ہو چکا[2]۔ ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۵۶ھ میں انتقال کیا۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں۔ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ نے ابن حزم سے معانقہ کیا، اور ایک دوسرے میں غائب ہو گئے[3] اور صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نظر آتے تھے۔ یہ غایت درجہ

---

[1] محدثین میں کے بعض لوگوں نے انکار قیاس اور اتباع ظاہر میں ایک حد تک تشدد کیا وہ ظاہری کہلاتے ہیں لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے۔ اس کے ہر جگہ یہی معنی نہیں ہیں بلکہ اسکے معنے یہ ہیں کہ مقلدین کی طرح اپنے امام کے موافق بنانے کیلئے نصوص شرعیہ میں تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ جو صریح مقتضی نصوص شرعی کا ہوتا تھا اُس کے پابند تھے۔

[2] بعض لوگوں نے اِن کی زبان درازی اور علماء پر اعتراض کی شکایت کی ہے۔ لیکن ان کے دیگر حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو ان کا ایسا کرنا بوجہ جوش دینی دلبغرض حمایت حق تھا نہ بغرض عیب گیری والعلم عند اللہ۔ وقد افضی الی ما قدم۔ اور اگر فی الواقع ہی کسی میں کوئی بات نامناسب ہو تو ہم کو اس سے کیا مطلب ہمارا تو مذہب خذ ما صفا ودع ما کدر ہے۔

[3] **جناب مولانا نذیر حسین صاحب محدث دھلوی کی بابت ایک خواب:**

اسی کے قریب وہ خواب ہے جو میرے والد ماجد حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی کو جو ہمیشہ سے ایک عجیب زاہد اور دین دار آدمی ہیں حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دھلوی مدظلہ العالی کی نسبت نظر آیا۔ جب والد ماجد تمام فنون درسیہ سے فارغ ہو گئے اور حدیث کی تحصیل کا عزم کیا تو چونکہ جناب میاں صاحب اس فن میں نہ صرف کمال کے ساتھ بلکہ اپنے زمانہ میں تقریباً تفرد کے ساتھ مشہور ہیں لہذا انھیں کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے کے بعد بعض ان کے پرانے احباب اس بات پر مصر ہوئے کہ میاں صاحب سے نہ پڑھیں، اس لیے کہ کہیں بگڑ نہ جائیں۔ اور بعض دیگر مولویوں کے پاس جانے کی تحریص کی کہنے سُننے سے ان کے ارادے میں بھی تزلزل ہوا اور وہ خود بھی میاں صاحب کے پہلے سے ہم مسلک نہ تھے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک مقام پر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف

(۴)

کا وصل و اتحاد ہے۔" انتہیٰ - یہ ان کے اتباع حدیث کا طفیل تھا۔

شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل ہروی انصاری - یہ حفظ حدیث میں مشہور تھے۔ ان کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں - صاحب مجاہدات تھے۔ ان کے ہاتھ پر کتنی بار کرامتیں بھی واقع ہوئیں۔ اشاعت سنّت میں اُنھوں نے بڑی بڑی تکالیف اُٹھائیں - اظہارِ حق میں بڑے پکّے تھے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ پانچ مرتبہ میرے اوپر تلوار صرف اسی بات پر لائی گئی کہ مجھ سے کہا جاتا تھا کہ سکوت اختیار کرو، کسی سے کچھ مت کہو۔ میں نے کہا، کہنا نہیں چھوڑوں گا۔ ایک مرتبہ علماء شافعیہ و حنفیہ نے بحضور سلطان وقت کے ان سے مناظرہ چاہا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں مستعد ہوں، لیکن جو میرے پاس موجود ہے اس کے ساتھ مناظرہ کروں گا۔ اُن لوگوں نے کہا، تمھارے پاس کیا ہے۔ کہا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ چنانچہ قرآن شریف اور صحیحین اُن کے پاس موجود تھیں۔ سلطان نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ کیا کہتے ہو۔ پھر کسی نے مناظرہ کا ارادہ نہ کیا۔ عقائد میں جیسا کہ عموماً اہل حدیث کا حال ہے امام احمدؒ کا سا مذہب رکھتے تھے۔ اور اس پر بہت متشدّد تھے۔ علم کلام کی مذمّت میں بھی ایک کتاب لکھی ہے علاّمہ ابن تیمیہؒ اجوبہ مصریہ میں لکھتے ہیں۔ حدیث اور تفسیر اور تصوّف میں امام تھے، اور فقہ میں اہل حدیث کے مذہب پر تھے۔ ان پر اتباع حدیث غالب تھا۔ انتہیٰ۔ لوگوں نے ان کو ان کے وطن سے نکال بھی دیا تھا۔ نکالے جانے کے بعد جب مرو میں پہنچے، تو علامہ بغوی اُن سے ملے اور کہا۔ آپ میں اللہ نے سارے فضائل جمع کر دیے تھے، ایک سنّتِ رسولؐ وطن سے نکالا جانا باقی تھی، اُس کو بھی پورا کر دیا۔ ۳۹۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۴۸۱ھ میں انتقال کیا۔

(ص) رکھتے ہیں - پھر حضور پُر نور کی بجائے میاں صاحب نظر آنے لگے۔ اور اب اسی جگہ پر میاں صاحب بیٹھے ہوئے ہیں - اس خواب کے بعد اُنھوں نے انھیں سے استفادہ پر کمر بستہ کی، اور وہیں تحصیلِ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہ ان کو میاں صاحب کا کمال اتباع اور سچی جانشینی دکھائی گئی۔ اللھم وفقنا لذالک آمین۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ گو حنبلی مشہور ہیں لیکن دراصل وہ کسی[1] کے مقلد نہ تھے۔ چنانچہ امام شعرانی کے قول میں گزر چکا۔ اور بہجۃ[2] الاسرار میں ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ معلوم ہوا بلا پابندی کسی ایک مذہب کے جس بات کو قوی پاتے تھے اُسی پر فتویٰ دیتے تھے۔ اور فتوح الغیب میں فرماتے ہیں، قرآن وحدیث کو اپنے پیشِ نظر رکھو اور اُن کو غور وتامل کے ساتھ دیکھو۔ اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھانا۔ انتہیٰ۔ اور غنیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں اہلِ بدعت کی کتنی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ایک علامت ان کی اہلحدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔ انتہیٰ۔ شیخ موصوف کا صاحبِ کرامات ہونا ہمارے بیان کا محتاج نہیں۔ ۴۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۱ھ میں انتقال فرمایا[3]۔

حسن بن مسلمؒ انھوں نے حضرت پیرانِ پیر صاحب کی صحبت اُٹھائی تھی۔ صاحبِ کرامات تھے۔ امام ابوشامہ فرماتے ہیں۔ یہ ابدال میں سے تھے اور سلف کے مسلک عمل بالحدیث کو پکڑے ہوئے تھے۔ انتہیٰ۔ درندوں کا بھی ان کے تابع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ ۵۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

حافظ الحدیث تقی الدین عبدالغنی مقدسی۔ ایک لاکھ سے بھی زائد حدیثیں اُن کو حفظ تھیں۔ تلاشِ حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ رقیق القلب تھے۔ حدیث پڑھاتے

---

[1] لیکن ان کو امام احمد صاحب سے ایک خاص عقیدت ضرور تھی۔ چنانچہ ان کا یہ بھی قول ہے کہ کوئی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا جب تک امام احمد کے عقائد پر نہ ہولے۔ امام احمد صاحب کے ساتھ عقیدت کچھ انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عموماً اہلحدیث کو انکے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عقیدت ہے اور ہیں بھی وہ اکابر گروہ علما اہلحدیث سے۔

[2] عبارت یہ ہے: انہ کان یفتی علی مذہب الشافعی واحمد بن حنبل۔

[3] لیکن شیخ موصوف کی احادیث کا جو انھوں نے اپنی کتابوں میں ذکر کیں محدثین اعتبار نہیں کرتے۔ حدیث میں انکے اس تساہل کی وجہ غالباً ان کا زیادہ تر تصوف کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اس قسم کا تساہل اور عُبّاد اور صوفیہ کو بھی پیش آیا ہے۔ صوفیہ کی تنقید احادیث میں سستی کرنے کی ایک وجہ اُن کا فرطِ حسن ظن بھی ہے۔

وقت رویا کرتے تھے اور لوگ بھی ان کے اثر سے رونے لگتے تھے۔ عابد آدمی تھے اپنے وقت کو ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ صاحبِ کرامات تھے۔ ان کی کئی مقبول اور نہایت مفید تصانیف ہیں۔ ابن النجار اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ پرہیز گار تھے سلف کے طریق پر حدیث کے ساتھ تمسک کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ نہی عن المنکر میں بڑے مضبوط تھے۔ کچھ تذکرہ ان کا ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

حنفیہ کا اہلحدیث پر تشدد:

اہلِ بدعت سے اُن کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔ خود اُن کا بیان ہے کہ موصل میں ہم کتاب الجرح والتعدیل عقیلی کی پڑھا رہے تھے۔ چونکہ اس میں امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر تھا۔ اہلِ موصل ہمارے اوپر چڑھ آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور میرے مار ڈالنے کے لیے مجھ کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ ایک فقیہ کہ ان سے بغض رکھتا تھا اس نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحبؐ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے مسجد میں ٹہل رہے ہیں اور پیغمبر صاحبؐ کو حدیثیں سُنا سُنا کر دریافت کر رہے ہیں۔ جب وہ خواب سے جاگا تو اُس نے اپنی عداوت سے توبہ کی۔ ایک اور صاحب نے خواب میں دیکھا کہ یہ پیغمبر صاحبؐ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر صاحبؐ نے اُن کو پاس بٹھا لیا تو یہ رو کر حضورؐ سے لوگوں کے برتاؤ کا ذکر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فلاں فلاں لوگ حدیث میں مجھ کو جھٹلاتے ہیں یعنی مانتے نہیں تو حضورؐ فرماتے ہیں عبدالغنی تو سچا ہے۔ اصحاب تراجم نے ان کے بارے میں اور بھی بہت سے خواب ذکر کیے ہیں۔ تقریباً ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

محمد بن احمد بن قدامہ مقدسی۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ بعض بزرگوں کا مقولہ ہے، ان کے وقت میں اگر کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو یہ ہوتے۔ حافظ ضیاء مقدسی لکھتے ہیں جو حدیث پاتے اس پر ضرور عمل کر لیتے۔ انتہیٰ۔ ابوالمظفر کہتے ہیں۔ یہ سلف صالح کے مذہب پر تھے۔ کتاب و سنت و آثار مرویہ کے ساتھ تمسک کرنے والے تھے۔ کسی کو بُرا نہ کہتے تھے اور نہ کسی پر طعن کرتے تھے۔ انتہیٰ۔ عمل میں مضبوط تھے

ہر کارِ خیر کے لیے مستعد رہتے تھے۔ بوریئے پر سویا کرتے تھے مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات تھے۔ ۵۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۰۷ھ میں انتقال کیا۔ اس روز سخت دھوپ اور گرمی تھی۔ مگر اُن کے جنازے پر ایک ابر کا ٹکڑا برابر سایہ کیے رہا، اور جنازے میں تقریباً بیس ہزار آدمی جمع ہوئے۔

امیر المومنین منصور یعقوب بن امیر یوسف بن امیر عبد المومن سلطانِ مراکو یہ بڑے پکے اہلحدیث تھے۔ باوجود سلطنت کے بڑے زہد کے ساتھ رہتے تھے، اور اپنے عیش و آرام کی پرواہ نہ تھی۔ علامہ ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں[1]۔ بعد بادشاہ ہوجانے کے انھوں نے زہد اور کھانے پینے وغیرہ میں بھی تنگی اور کمی کو اختیار کیا اور ان کے وقت میں عباد اور صالحین اور اہلحدیث کا آوازہ بلند ہوگیا اور فقہ کے فروعات اُٹھ گئے۔ انھوں نے فقہ کے شغل اور اس میں انہماک کے ترک کی لوگوں کو تاکید کی اور محدثین کو کتب احادیث سے لے کر حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا حکم دیا جو اس مجموعہ کو حفظ کر لیتا تھا، اس کو انعام دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا قصد تھا ممالک مغرب سے امام مالک کے مذہب کی تقلید کو اُٹھا دینے کا۔ اور لوگوں کو ظاہر قرآن و حدیث پر عمل کرنے پر آمادہ کرنے کا۔ اور یہی قصد ان کے باپ اور ان کے دادا کا بھی تھا لیکن وہ ظاہر نہ کرنے پائے۔ اور انھوں نے ظاہر کر دیا۔ حافظ قرآن و حافظ متونِ حدیث تھے۔ امام ابو شامہ کہتے ہیں۔ اُنھوں نے کلمہ توحید کو پھیلایا اور جہاد کا جھنڈا بلند کیا۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عامل ہوئے۔ حدود شرع اپنے اقرباء اور غیروں سب پر جاری کرتے تھے۔ سخی و جوانمرد و منصف تھے۔ علماء کے اکرام کرنے والے اور شرع پر عمل کرنے والے تھے۔ پانچوں نمازیں جماعت سے پڑھتے تھے اور صوف پہنتے تھے اور

---

[1] تاریخ الاسلام للذہبی ہمارے پاس نہیں ہے لیکن اس موقعہ کی عبارت ہم کو محررِ علوم حدیثیہ حضرت مولانا مولوی شمس الحق صاحب مدفیضہ الجاری سے جن کو اشاعتِ سنت کا ایک خاص ذوق ہے مل گئی۔ اسکے سوا جو ہم نے اس موقعہ پر تراجم لکھے بجز چند کے التاج المکلل سے ماخوذ ہے اور التاج المکلل کا ماخذ ہم پہلے بتا چکے۔

عورت اور کمزور کی حاجت سُننے کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ فروع فقہ کے چھوڑ دینے کا حکم تھا۔ اور یہ کہ علماء صرف قرآن و حدیث سے فتوے دیں۔ انتہیٰ۔ ملخصاً من تاریخ الاسلام۔ اور علامہ دمیری حیوٰۃ الحیوان میں لکھتے ہیں۔ حدود شرعی اپنے اہل بیت میں بھی قائم کرتے تھے جیسے اور تمام لوگوں میں قائم کرتے تھے، حکم دیا کہ فقہاء صرف قرآن و حدیث سے فتویٰ دیں اور کسی کی تقلید نہ کریں۔ انتہیٰ۔ اس کے بعد یہ بھی لکھا کہ اسی طریقہ (عمل بالحدیث) پر چلنے والی بلادِ مغرب سے ایک جماعت آکر ہم سے ملی جن میں شیخ محی الدین ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ کو بھی بتایا۔ امیر یعقوب نے ۶۰۹ سنہ ہجری یا ۶۱۰ سنہ ہجری میں انتقال کیا اور شیخ موصوف ۵۶۰ سنہ میں پیدا ہوئے تھے اور ۶۳۸ سنہ میں انتقال کیا۔ شیخ موصوف تھے تو ظاہری المذہب، لیکن ان کو صوفیت میں بے حد انہماک تھا۔ اسی کے متعلق ان کے بعض کلام ان کی تصانیف میں ایسے[1] ہیں جو بظاہر تسلیم کے قابل نہیں۔ ان کی وجہ سے علماء ان کی بابت مختلف ہیں۔ کوئی تو ان کی تکفیر[2] کرتا ہے۔ اور کوئی توقف کر رہا ہے اور بہت سے بے حد معتقد[3] ہیں۔ واللعلم عند اللّٰہ۔

احمد بن ابراہیم واسطی حزامی عارف و زاہد و محدث تھے۔ ابتداء میں یہ فقہاء شافعیہ اور بعض فقراء سے ملے مگر دل کو تسکین نہ ہوئی۔ پھر اسکندریہ میں شاذلیوں سے ملے، ان سے آثار محبت الٰہی اور معرفت اور سلوک کے پاکر ان سے منتفع ہوئے۔ پھر دمشق پہنچے تو شیخ تقی الدین بن تیمیہ سے ملے اور اُن کی صحبت میں رہے اُنھوں

---

[1] لیکن در مختار میں لکھتے ہیں کہ یقیناً وہ کلمات بعض یہود نے شیخ قدس سرہٗ کی نسبت تھوپ دیئے ہیں انتہیٰ۔ نہ وہ در اصل ان کے ہیں۔

[2] منجملہ اُن کے شیخ ابراہیم حلبی ہیں۔

[3] جن میں ابن الزملکانی شیخ عبدالوہاب شعرانی، شیخ مجد الدین فیروزآبادی، شیخ عز الدین بن عبدالسلام سعد الدین حموی، قاضی احمد حوبی، جلال الدین سیوطی، علامہ مقری، نعمان آفندی، بحرالعلوم لکھنوی، شیخ عبدالغنی نابلسی ابن کمال پاشا صاحب در مختار۔ شیخ ابن عابدین صاحب ردالمختار وغیرہم ہیں۔ یہ سب ان کے بہت معتقد اور مداح ہیں۔

نے سیرت محمدیہ کے مطالعہ کی ہدایت کی۔ پس یہ کتب حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ اور تمام طریقوں اور ذوقوں کو چھوڑ کر احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور جو آپ کی چال ڈھال کتب احادیث میں مروی ہوئی ہے اس کے تابع ہو گئے۔ اصول و فروع ہر دو میں حدیث کے ہو رہے۔ جو حدیث میں پاتے اس پر عمل کرتے۔ اور طوائف مبتدعہ مثل اتحادیوں وغیرہ کا رد کیا کرتے۔ امام احمدؒ صاحب کا مذہب عقاید میں اختیار کر لیا۔ طریقت اور فقر محمدی اور حدیث کے موافق سلوک کے بیان میں متعدد کتابیں لکھیں جن سے صوفیہ اہلحدیث نے بہت فائدہ اٹھایا۔ ۶۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۱۱ھ میں انتقال کیا۔

علامہ ابن المقریزی احمد بن علی۔ تاریخ میں بڑے متبحر تھے۔ پہلے حنفی تھے فقہ حنفی حاصل کی پھر شافعی ہو گئے۔ علامہ سخاوی کہتے ہیں، لیکن وہ ظاہریت کی طرف مائل تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حدیث سے محبت رکھتے تھے۔ اس وجہ سے اس پر قائم رہتے تھے۔ حتیٰ کہ ابن حزم کے مذہب کی طرف متہم کیے جاتے تھے۔ انہیں ۷۶۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۸۴۵ھ میں انتقال کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ان کے تبحر اور دلائل سے مسائل پر آزادانہ بحث اور جو مسئلہ من حیث الدلیل راجح ہو اس کے ترجیح دینے پر خواہ وہ کسی امام کا ہو ان کی تصانیف شاہد ہیں اور بالتصریح بھی وہ مقلدین کا رد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں[1] اس سے ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں۔ اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور اس سے رد ہو گیا مقلد کا کہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں لائی جاتی ہے جو اس کے خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اُس کو مثلاً فلاں عالم جو اس کا امام و مقتدا ہے ضرور جانتا ہوتا۔ انتہی

---

[1] عبارت یہ ہے: فیہ ان الوقائع قد تخفی علی الاکابر ویعلمہا من دونہم وفی ذالک رد علی المقلد اذا استدل علیہ بخبر یخالف فیجیب لو کان صحیحا لعلمہ فلان مثلا۔ انتہی۔

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں[1]: "اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب حکم ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں اور نہ یہ کہ اس کے خلاف کے لیے حیلے نکالے۔ بلکہ اس کو اصل قرار دے کر اس کے خلاف کو اس کی طرف پھیرے۔ نہ یہ کہ برعکس کرے جیسا کہ بعض مقلدین کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰے کے قول فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ۔ الآیۃ سے غافل رہتے ہیں" انتہٰی۔

شیخ شہاب الدین بن محمد منزلاوی۔ امام شعرانی طبقات کبریٰ میں ان کی بابت لکھتے ہیں۔ صالح۔ سنی۔ محمدی۔ قرآن وحدیث پر عمل کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے شیخ محمد بن عثمان کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی حدیث کو نگاہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔ شیخ موصوف فرمایا کرتے تھے۔ جس کو حدیث یاد رکھنا منظور ہو تو بس اس پر عمل کرنے لگے وہ اس کی قید میں آجائے گی اور پھر وہ نہ بھولے گا۔ درس بھی دیا کرتے تھے۔ مسافروں کی مہمان داری کیا کرتے تھے۔ میں ان کی صحبت میں قریب چالیس برس کے رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بات میں سنت سے ہٹے ہوں۔ انتہٰی۔ امام شعرانی نے یہ بھی لکھا۔ کتاب وسنت کے اتباع میں ان کی مثال دی جاتی تھی ۹۵۱ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحیٰی بن حسین احادیث پر عمل کی طرف مائل تھے۔ نصوص صحیحہ کے خلاف جس کا قول ہوتا تھا رد کرتے تھے۔ جیسا کہ بدر طالع میں مذکور ہے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ اہلِ زمانہ سے ان کو مصائب بھی پہنچے۔ تقریباً ۱۰۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۰ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] عبارت یہ ہے: ویستفاد من ذالک ان امرہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ثبت لم یکن لاحد ان یخالفہ ولا یتحیل فی مخالفتہ بل یجعلہ الاصل الذی یرد الیہ ما یخالفہ لا بالعکس کما یفعل بعض المقلدین ویغفل عن قولہ تعالی فلیحذر الذین یخالفون الآیۃ انتہی۔ یعنی پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں حکم رسول کے اس سے کہ پہنچے اُن کو کوئی بلا یا عذاب دردناک۔

علامہ صالح بن مہدی مقبلی صنعانی۔ بدرطالع میں لکھتے ہیں۔ علوم کتاب و سنت و اصول وغیرہ میں بڑے ماہر تھے۔ تقلید نہ کرتے تھے۔ دلیل پر چلتے تھے۔ علماء صنعاء سے ان سے مناظرے بھی ہوئے۔ بلکہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مشقتیں جھیلتے رہے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ اُن کی تصانیف مقبول ہیں۔ بڑے فصیح البیان ہیں۔ ان کا کلام اگر کوئی بغور دیکھے تو کبھی تقلید پر قائم نہیں رہ سکتا۔ معتزلہ کا بہت رد کیا ہے۔ اتحاف نامی ایک کتاب لکھی جس میں کشاف پر اعتراض کیے۔ اشعریہ اور صوفیہ اور فقہاء کا بھی جو مسائل اُن کے خلافِ قرآن و حدیث پائے ردّ کیا۔ بعض محدثین کے غلو پر بھی اعتراض کیا۔ ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ میں انتقال کیا۔

علامہ عبدالقادر بن علی بدری۔ علامہ مقبلی کے شاگرد ہیں۔ دلیل کے تابع تھے۔ ان کے چند رسائل بھی ہیں جن میں طریقۂ اجتہاد پر چلے۔ کچھ دنوں تک مدینہ میں عہدہ قضا پر بھی مامور رہے۔ ۱۰۹۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ کذا فی البدر الطالع۔

علامہ سید محمد بن اسمٰعیل امیر صنعانی۔ بدر طالع میں ہے۔ مجتہد مطلق تھے علماء حرمین سے علوم تحصیل کیے۔ تمام فنون میں فائق ہو گئے۔ دلیل پر عامل تھے۔ تقلید سے نفرت رکھتے تھے۔ ان کو ان کے معاصرین نے اذیتیں دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُن کا محافظ رہا۔ چونکہ یہ کتبِ حدیث اور صحاح ستہ پر جھکے ہوئے تھے اور انھیں پر عمل کرتے تھے۔ اس وجہ سے عوام الناس ان کو اپنے خلاف پا کر ان پر ناصبی ہونے کی تہمت لگاتے تھے۔

کس روز نہ تہمتیں تراشا کرے.....؟

عوام کا دستور ہے کہ جو ایسا کرے بالخصوص جبکہ سنن صلوٰۃ مثل رفع الیدین وغیرہ پر عمل کرے تو اُس پر ایسی تہمتیں لگاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے نفرت رکھتے ہیں۔ اور پھر اس سے عداوت رکھنے لگتے اور اس کو بالکل بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ لیکن اس بات کی عوام سے کوئی شکایت نہیں۔ شکایت تو اُن سے ہے جنھوں نے فقہ کی کچھ کتابیں

پڑھ لیں اور اپنے قصور نظر سے سمجھنے لگے کہ اس میں سے کسی بات کی مخالفت کرنا نقص شریعت اور قطعی حکم کا انکار کرنا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان کتابوں میں اور ان کتابوں کے مصنفوں کے مذہب کے خلاف بڑے وچھوٹے ائمہ کو خلاف کرتا ہوا پڑھتے ہیں۔ پس اگر ان فقہی مسائل کا خلاف ایسا مذموم ہوتا تو یہ ائمہ کیوں خلاف کرتے۔ انتھیٰ۔ شوکانی نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے زمانہ کی بھی یہی حالت ہے۔ اس وجہ سے اُس کا خلاصہ ذکر کرنا یہاں ہم نے مناسب خیال کیا۔ علامہ موصوف ۱۰۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۱۸۲ھ میں انتقال کیا۔

سید عبد القادر بن احمد کوکبانی علامہ سید محمد بن اسمٰعیل امیر اور علامہ محمد حیات سندھی مدنی وغیرہ سے انھوں نے علوم تحصیل کیے۔ بدر طالع میں لکھتے ہیں۔ دیارِ یمن میں مجموعہ علوم میں آخر میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بڑے محدث تھے۔ بدر طالع میں ان کو مجتہد مطلق بھی کہا ہے۔ اُنھوں نے بہت سے مسائل حدیثیہ مقلدین کو منوائے تھے۔ ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰۷ھ میں انتقال کیا۔

علامہ سید یحییٰ بن عمر بن مقبول اہدل متوفی ۱۱۴۷ھ اور ان کے خلف الصدق علامہ سید سلیمان اور ان کے فرزند رشید علامہ سید عبد الرحمٰن متوفی ۱۲۵۰ھ۔ یہ سب کے سب عامل بالحدیث اور تارکِ تقلید تھے اور بڑے عابد و زاہد و مقبول و مقتدا لوگ تھے۔ ان کے مناقب میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

امام محمد بن علی یمنی شوکانی۔ متاخرین اہلحدیث میں یہ عالِم بھی ایک بے مثل جامع و ماہر جمیع فنون اُصول و فروع معقول و منقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں۔ اُن کی تصانیف ان کے کمالات کی شاہد موجود ہیں۔ احکامِ احادیث میں اُن کی کئی مبسوط اور تحقیقات سے پُر کتابیں ہیں۔ مثل نیل الاوطار اور السیل الجرار وغیرہ۔ اور ایک تفسیر بسیط فتح القدیر ہے۔ اور اُصول میں ایک بے مثل کتاب ارشاد الفحول ہے۔ ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقلید بھی ہے۔ ان کے فیض سے ہزارہا لوگ اہلحدیث ہوئے۔ کتنے اکابر علماء نے ان کے مناقب تصانیف میں جمع کیے۔ کثرت

تلامذہ اور وفور تصانیف اور تبحر اصناف علوم میں مشہور تھے۔ ہندوستان سے بھی تحصیل حدیث کے لیے لوگ ان کے پاس گئے۔ سنہ ۱۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے اور سنہ ۱۲۵۰ھ میں انتقال کیا۔ یہاں پر ہم نے جن اصحاب کا ذکر کیا ان کے سوا اور بھی کتنے اشخاص کا ہم پہلے متفرق ذکر کر چکے ہیں۔

یہ علماء جن کا ہم نے ذکر کیا یہ کوئی پوشیدہ اور کم درجے کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے مستند اور مقتدیٰ لوگ تھے۔ پس ایک صحیح الرائے کبھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جب ان کا یہ مسلک و مشرب تھا تو ان کے زمانے میں اور ان کے بعد ان سے نیچے کے طبقے کے عوام و خواص ان کی بات کے ماننے والے اور ان کے طریقے پر چلنے والے ضرور موجود تھے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تقلید شخصی کے پابند نہ تھے اور بعض کے تراجم میں تو صریحاً بہت لوگوں کا ان کے ہم مسلک ہونا مذکور ہے۔ پس ان زمانوں میں نہ صرف خواص کا بلکہ عوام و خواص ہر قسم کے لوگوں کا ترک تقلید شخصی اور عمل بالحدیث پر ہونا ظاہر ہے۔

ایک اور ثبوت:

اس کے علاوہ ان تمام زمانوں میں ترک تقلید و عمل بالحدیث کے طریقے کے موجود رہنے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عموماً صوفیہ صافیہ کا طریقہ ترک تقلید و عمل بالحدیث تھا۔ چنانچہ عنقریب آتا ہے اور کچھ گزر بھی چکا۔ اور ظاہر ہے کہ گروہ صوفیہ ان تمام زمانوں میں موجود رہا۔ غرضکہ کوئی زمانہ تارکین تقلید و عاملین بالحدیث سے خالی نہیں رہا۔

اہلحدیث، قدیم اور مستقل فقہی مذہب:

لیکن ہمارے فریق مخالف اپنی لاعلمی کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ غیر مقلدوں کا فرقہ ابھی نیا نکلا ہے اور پہلے کوئی اس مذہب کا نہ تھا۔ اور جو ہمارا طریقہ ہے وہی قدیمی مسلک ہے۔ اور مذہب بس یہی چار ہیں اور ان کے سوا محدثین یا اہلحدیث کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ حالانکہ اگر وہ انھیں کتابوں کو جو بکثرت متداول ہیں کھول کر دیکھیں تاہم

وہ پائیں گے کہ اہلحدیث کا مذہب مذاہب اربعہ سے علیحدہ[1] بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کتابیں

---

[1] چنانچہ تلویح میں بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی بابت لکھتے ہیں۔ وعلیہ علمۃ اھل الحدیث دیکھو صفحہ ۳۵۶ مطبوعہ نولکشوری اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں قنوت نازلہ کی مشروعیت میں لکھتے ہیں وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث انتہی دیکھو صفحہ ۱۸۸ نولکشوری جلد اول۔ اور نیز فتح القدیر مسئلہ فساد صوم بالحجامۃ میں لکھتے ہیں: کما ھو قول الحنابلۃ وبعض اھل الحدیث، انتہی صفحہ ۱۱۰۔ اور بحر الرائق میں اور اس سے نقل کر کے رد المحتار میں بھی قنوت نازلہ کی بابت اہلحدیث کا مذہب لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں، وعزاہ فی البحر الی جمہور اھل الحدیث انتہی رد المحتار صفحہ ۴۹۶ جلد اول مطبوعہ مصر اور تاتارخانیہ میں، اور اس سے نقل کر کے رد المحتار میں لکھتے ہیں: ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب الحدیث، انتہی رد المحتار صفحہ ۲۰۱ جلد سوم۔ اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں علم کلام کی مذمت میں لکھتے ہیں: والی التحریم ذھب الشافعی ومالک واحمد وسفیان وجمیع ائمۃ الحدیث، انتہی۔ اور شاہ صاحب حجۃ اللہ میں اہلحدیث کے صفات الٰہی کی بابت مذہب کے بیان میں لکھتے ہیں: واستطال ھؤلاء الخائضون علی معشر اھل الحدیث وسموھم مجسمۃ ومشبہۃ صفحہ ۷۳۔ اور شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وکان صاحب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاھب لکثرۃ موافقتہ بہ انتہی صفحہ ۱۵۸۔ اور اسی کے قریب لکھتے ہیں وکان اھل الحدیث منہم الخ انتہی۔ اور زرقانی شرح موطا میں رفع الیدین کے بیان میں لکھتے ہیں: وبہ قال الاوزاعی والشافعی واحمد واسحاق والطبری وجماعۃ من اھل الحدیث انتہی صفحہ ۱۴۳ جلد اول۔ اور فتح الباری میں فرض نماز مغرب کے قبل دو رکعتوں کے مستحب ہونے کے بابت لکھتے ہیں: والی استحبابہا ذھب احمد واسحاق واصحاب الحدیث انتہی پارہ ۳ صفحہ ۲۴۸ انصاری۔ اور مسئلہ جمع بین الصلوتین میں لکھتے ہیں: وحکاہ الخطابی عن جماعۃ من اصحاب الحدیث پارہ ۳ صفحہ ۳۰۷۔ اور محلی میں قلتین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں وبہ قال اسحاق وابو عبید وجماعۃ من اھل الحدیث منہم ابن خزیمۃ انتہی۔ اور علامہ ابن عبد البر خمر کے بیان میں لکھتے ہیں، قال اھل المدینۃ وسائر الحجازیین واھل الحدیث کلھم کل مسکر خمر انتہی۔ اور حاشیہ نور الانوار میں خبر واحد کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: وھذا ھو مذھب بعض اھل الحدیث انتہی صفحہ ۱۵۰ اور حاشیہ نخبہ میں مرسل کے بیان میں لکھتے ہیں: اختیار مذھب اھل الحدیث انتہی۔ اور نووی شرح صحیح مسلم میں منی کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: ھو مذھب الشافعی واصحاب الحدیث انتہی صفحہ ۱۴۰ (تنبیہ یہ مسئلہ

(باقی اگلے صفحہ پر دیکھیے)

تمام مذاہب کے بیان کی متکفل نہیں بلکہ ان میں بیشتر انھیں اقوال کا ذکر ہے جن سے زیادہ تر کام پڑتا ہے بلکہ ان فقہی کتابوں میں امام احمدؒ کے مذہب کا بھی بہت کم نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالک کا بھی مذہب بہت کمی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اس پر بھی اہلحدیث کے مذہب کو کہیں کہیں اور مذاہب سے ممتاز کر کے لکھا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب قدیم سے چلا آتا ہے اور مختلف زمانوں کے مصنفین کی توجہ اس طرف ہوتی رہی اور وہ ان کی نظروں میں ایک معتد بہ اور قابل ذکر مذہب تھا جس کو انھوں نے مختلف مواقع میں[1] ذکر کیا۔ بس یہی مذہب تو اُن لوگوں کا ہے جن کا دوسرا نام غیر مقلد یا لامذہب لیا جاتا ہے۔ جن کو ہمارے زمانے کے لوگ کیسا بُرا سمجھتے ہیں اور طرح طرح کی بدگمانیاں ان کی طرف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) متفقہ اہل حدیث کا نہیں ہے۔ دیکھو نیل الاوطار) اور نووی مسئلہ ذبح بالعظم کے بیان میں لکھتے ہیں: لایجوز الذکوٰۃ بہ وقد قال الشافعی واصحابہ بھذا وبھذا۔ قال النخعی والحسن بن صالح واللیث واحمد وفقہاء الحدیث انتہٰی جلد ۲ ص ۱۵۶۔ اور شاہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں: فھذہ طریقۃ المحققین من فقہاء المحدثین و قلیل ماھم وھم غیر الظاھریۃ من اھل الحدیث الذین لا یقولون بالقیاس والاجماع وغیر المتقدمین من اصحاب الحدیث ممن لم یلتفتوا الی اقوال المجتہدین اصلا ولکنھم اشبہ الناس باصحاب الحدیث انتہٰی ص ۵۴ اور مولوی عبدالحی صاحب کے قول میں مذہب محدثین کے علیحدہ ہونے کا بیان پہلے ہو چکا۔ اِس قسم کی نظیریں ہمارے پاس اور بھی بہت سی موجود ہیں لیکن طول کی وجہ سے نہیں لکھ سکے۔

[1] اور اس عنوان سے نہیں ذکر کیا جیسا کہ ایک باطل مذہب بغرض رد یا بطور انکار کے ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ایسا ہی ذکر کیا جیسا کہ دیگر ائمہ مثل امام شافعی وغیرہ کا خلاف لکھتے ہیں۔ اور خلاصہ کیدانی والے نے جو بطور انکار و استخفاف ذکر کیا تو اس پر دوسرے فقہاء حنفیہ نے بہت کچھ لے دے کی اور اس کو بہت بُرا بھلا کہا بلکہ اسکی نسبت خوف کفر کا بھی ظاہر کیا۔ دیکھو کلام ملا علی قاری اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی۔

پوچھو تو وہی اصل مذہب ہے اور عین طریقۂ اسلام۔

مذہب اہلحدیث سے انکار کیوں؟ ایک نفسیاتی تجزیہ:

لیکن ان لوگوں کو چونکہ ناواقفیت ہے اور جس طریقہ پر وہ ہیں اس کے رواج کا جن کو وہ اپنے آباؤ اجداد سے دیکھتے چلے آتے ہیں ایک گاڑھا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس مذہب سے اجنبیت ہے۔ اس وجہ سے وہ کسی طرح اُن کی سمجھ میں نہیں آتا اور طرح طرح کے اشکال اس میں اُن کو معلوم ہوتے ہیں اور وہ ایک ٹیڑھی چال نظر آتی ہے اور اپنا طریقہ ایک نہایت صاف اور سیدھا دکھائی دیتا ہے جس میں کوئی عیب سجھائی نہیں پڑتا حالانکہ بڑا دخل اس میں رسم و رواج کو ہے۔ رسم و رواج کو اس بارے میں ایک ایسا اثر ہے جس سے کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے۔ جب آدمی کوئی نیا مسئلہ سُنتا ہے جس کے خلاف اس کے ذہن میں مرکوز ہو تو قطع نظر اُس کے دلائل و وجوہ کے اول حکم اس کی رائے کا اس کی بابت یہ ہوتا ہے کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور اسی خیال کی وجہ سے مخالف قول کے جس قدر دلائل سُنتا ہے۔ اس کا ذہن اس کو رد و واپس کر دیتا ہے اور اپنے ہاں اس کو جگہ نہیں دیتا۔ الا ماشاء اللہ یہی حالت مذہب تقلید کی ہے۔ چونکہ اس کا رواج عام ہو رہا ہے اور لوگوں کے وہ ذہن نشین ہے۔ لہٰذا وہ بہت قرینِ قیاس اور صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس کے خلاف طریقہ اہل حدیث میں بہت دقتیں اور طرح طرح کے نقصان نظر آتے ہیں۔

اہل حدیث اور ۔۔۔ فکری بے راہ روی:

کوئی کہتا ہے غیر مقلدی ایک آزادی کا مذہب اور نیچریت کی سیڑھی ہے اس مذہب میں آدمی آزاد ہو جاتا ہے۔ کسی بات کا پابند نہیں رہتا۔ بزرگوں اور علماء کی وقعت اس کے جی میں نہیں رہتی۔ آدمی خود بین اور خود رائے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بالکل غلط فہمی اور بے خبری پر مبنی ہے۔ اہلحدیث کے مذہب میں تو بالکل آزادی نہیں ہے بلکہ ان کے مذہب میں اُس بات کی سخت پابندی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو جائے۔ اور پھر اس کے خلاف کوئی بھی ہو اس کا قول ہرگز

نہیں لیا جا سکتا۔ آزادی تو اس وقت ہوتی جب اُن کا مذہب ہوتا انتقال از مذہب بمذہب مثلاً حنفی سے شافعی بن جانا اور شافعی سے حنفی۔ جب جس مذہب کی طرف دل چاہا منتقل ہو گئے۔ یا تتبع رخص[1] اور ہر مذہب سے چھانٹ کر آسان آسان باتوں کو لے لینا۔ حالانکہ اہل حدیث کو اس سے غرض نہیں اور نہ اُن کا یہ مذہب یا طرزِ عمل ہے پس اُن پر آزادی کا الزام کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان میں اس قسم کی آزادی ہوتی بھی تو یہ التزام خود فقہاء پر بھی قائم ہے جنھوں نے انتقالِ مذہب اور تتبع رخص کو جائز قرار دیا ہے۔ پس آزادی تو فقہاء دے رہے ہیں اور اہلحدیث پر الزام ہے۔ اسی طرح اہل حدیث کے مذہب کو نیچریت وغیرہ کی سیڑھی قرار دینا سخت غلطی[3] ہے۔ ہندوستان

---

[1] برخلاف مقلدین کے کہ ان کے ہاں کہیں امام صاحب کا قول لیا جاتا ہے اور کہیں صاحبین کا۔ ایک کا یا دونوں کا اور کہیں ان کے سوا دیگر شاگردوں کا اور کہیں ان میں سے کسی کا نہیں بلکہ نیچے کے طبقے والوں کا اور کہیں ان سب سے باہر۔ اور کوئی کسی پر فتویٰ دے رہا ہے اور کوئی کسی پہ اور ضرورت کے وقت کسی کا قول ہو اس پر فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح لبغرض آسانی دوسروں کے قول لیے جاتے ہیں جیسا کہ کتب فقہ پر واقف کو معلوم ہے اور پہلے بھی گزر چکا۔ پس آزادی مقلدوں کے لیے ہے نہ اہل حدیث کے لیے۔

[2] علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: ولکن لیس لہ ان یتتبع رخص المذاہب واخذ غرضہ من ای مذہب وجدہ بل علیہ اتباع الحق بحسب الامکان جلد دوم صفحہ ۲۶۲ یعنی آدمی کو یہ جائز نہیں کہ مذاہب کی رخصتوں کو ڈھونڈے اپنے مطلب کی جس مذہب سے ملے لے لے۔ بلکہ اُس پر لازم جہاں تک امکان میں ہو حق کی تابعداری ہے۔ اہلحدیث کا ہرگز یہ مذہب نہیں ہے کہ آزاد بن جائے اور جس قول پر چاہے عمل کرنے لگے اور انتقال مذہب یا تتبع رخص کا جو بیان اہلحدیث کی تحریروں میں ہے تو فقہائے کے مسلمات کے موافق ہے اور تقلید شخصی پر اصرار کرنے والوں کو الزام دینے کے لیے۔

[3] علیگڑھ کالج جو نیچریوں کا مرکز اور منبع ہے وہاں دیکھا جاوے سو میں کتنے طلبہ حنفی داخل ہوتے ہیں اور کتنے اہلحدیث۔ مشکل سے کسی سینکڑے میں کوئی ایک اہلحدیث مسلک کا نکلے تو نکلے باقی عموماً حنفی ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سے غالباً اسی نیچری خیال کے ہو جاتے ہیں تو اب نیچری حنفی بنتے ہیں یا اہلحدیث؟ اور بعض نیچریوں میں سے جو نیچری ہو جانے کے بعد اہل حدیث کے ساتھ بہ نسبت حنفیوں کے زیادہ موافقت ظہور میں آئی تو یہ اُن کی

(۴)

ہیں جس قدر نیچری نظر آتے ہیں یا مختلف ممالک میں بعض مسلمان دہریئے یا عیسائی ہو گئے وہ بیشتر حنفی و مقلد تھے جو نیچری یا عیسائی ہو گئے۔ اہل حدیث میں سے اگر کسی کا ہونا ثابت بھی ہوگا تو وہ کہیں شاذ و نادر نکلیں گے جو الشاذ کالمعدوم کی مثال ہیں اور حنفی ہزاروں بلکہ بے شمار موجود ہیں جو ایسے ہو گئے۔ پس حنفیت و تقلید نیچریت وغیرہ کی سیڑھی ہوئی نہ مذہب اہل حدیث۔ اور بزرگوں کی وقعت ان کے جی میں نہ ہونا یا خود رائے ہونا بھی محض اتہام ہے۔ بلکہ ایسا مقلدین کی بابت کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ انھوں نے محض اپنی رائے سے تمام علماء امت و مجتہدین کو چھوڑ کر ایک کی تخصیص کر لی، اور باقی سب ائمہ اور ان کے مذاہب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ اور ان کی کچھ بھی وقعت نہ کی۔

برخلاف اہلحدیث کے کہ سارے علماء امت کو مانتے اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں اور جہاں اُن کا اختلاف ہے وہ کسی کے قول سے بے پرواہی نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں راجح اور قوی کی تلاش کرتے اور سب کو لیتے اور تحقیق کرتے ہیں جس کا قول حدیثِ رسول ؐ کے مطابق ہوتا ہے بس اسی کے پابند ہو جاتے ہیں۔ جب حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نہیں ملتی تو پیشوائے امت صحابہ رسول ؐ اور دیگر ائمہ مجتہدین کے اقوال کو جس کا بھی قول اقرب قرآن و حدیث سے معلوم ہو یا جس سے اتفاق پڑ جائے لے لیتے ہیں۔ ان کو خود بینی یا خود رائے ہونے سے کیا تعلق۔ اور اگر فرضاً کوئی ایسا ہے جو علماء کی علیٰ قدر مراتب وقعت نہیں کرتا یا باوجود بے علم ہونے کے مجتہد بنتا اور اپنی رائے کو دخل دیتا اور مجتہدین امت کی بات کو نہیں مانتا تو یہ اس کی بدبختی اور ذاتی شقاوت ہے جس کا الزام مذہب پر نہیں آ سکتا۔ بلکہ یہ اس کی کم ظرفی ہے۔ اے اللہ! تو اس کو ہدایت کر۔

(ص) آزادانہ تحقیق کا اثر ہے کہ اُنھوں نے تعلیم اسلام کے ساتھ عند التحقیق بہ نسبت مذہب تقلید کے مذہب اہلحدیث کو موافق تر پایا لہٰذا انھوں نے کہا کہ اسلام حق ہے تو اس میں حق یہی مذہب ہو سکتا ہے۔

سلہ مشہور ہے کہ اسلام کا اثر ہے کہ وہ آدمی کے دل میں اسکی اصلی حالت سے زائد شجاعت پیدا کر دیتا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

"ولایت" اور تقلید۔ مضحکہ خیز استدلال :

کوئی کہتا ہے مذہب تقلید اور مقلدین کے مسائل حق نہ ہوتے تو اس مذہب میں اس قدر اولیاء اللہ کیسے ہوتے۔ پس ثابت ہؤا کہ یہی مذہب حق ہے اور غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ حجت بھی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اولیاء اللہ جس قدر گزرے ہیں مقلد ان میں کوئی نہ تھا۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ میں لکھتے ہیں "جس[1] کسی کا قدم ولایت محمدیہ پر ٹھہرا وہ احکام شرع کو وہیں سے لیتا ہے جہاں سے مجتہدوں نے لیا۔ اور تمام علماء کی تقلید سے علیحدہ ہوجاتا ہے تو اگر کسی ولی سے منقول ہو کہ وہ شافعی تھا یا حنفی۔ مثلاً تو یہ مقام کمال پر پہنچنے سے پہلے کا ذکر ہوگا۔" انتہیٰ۔ اس مضمون کا ایک

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اب اگر کوئی کسی کو اسلام لانے سے اس واسطے روکے کہ اسلام کے اثر سے آدمی دلیر ہو جاتا ہے اور دلیر ہونے کی وجہ سے ظلم کرنے اور دوسروں کے ستانے میں اُسکو باک نہیں ہوتا تو یہ بات کس قدر غلط ہے۔ اسلیے کہ اگر کسی میں یہ اثر ہو تو یہ اُسکی کم ظرفی ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں بلکہ وہ تو اور تواضع اور عدل اور حفظ حقوق اور رعایت زیردستوں کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح جو عوام میں مشہور ہے کہ جو حج کرآتا ہے وہ بخیل اور کنجوس ہوجاتا ہے۔ پس اگر کوئی کسی کو حج سے اس وجہ سے روکے اور حج میں یہ عیب پیدا کرے تو یہ کیسی اُسکی غلطی ہے۔ اگر کسی میں یہ بات پیدا بھی ہوجائے تو یہ اسکی کم ظرفی ہے نہ حج کا کوئی قصور۔ اسی طرح اگر اہلحدیث میں سے کسی میں کوئی ایسی بات پائی جائے جو نہ ہونی چاہیے مثلاً علماء حقانی کے مراتب کو ملحوظ نہ رکھنا یا باوجود بے علم ہونے کے اپنی رائے کو دخل دینا یا اہلِ علم کے مذاہب کی وقعت نہ کرنا تو یہ اُسکی ذاتی بدبختی اور نالائقی اور کم ظرفی ہے اس میں مذہب اہل حدیث کا کوئی قصور نہیں۔

[1] عبارت یہ ہے : فما ثم احد حق له قدم الولاية المحمدية الا ويصير ياخذ احكام شرعه من حيث اخذها المجتهدون وينفك عنه التقليد لجميع العلماء الا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم ان نقل عن احد من الاولياء انه كان شافعيا او حنفيا او مثلاً فذلك قبل ان يصل الى مقام الكمال۔ انتہیٰ (ص ۱۸-۱۹)۔

قول شیخ موصوف کا پہلے بھی گزر چکا۔ اور علامہ شیخ کردی اپنے رسالے میں تحریر فرماتے ہیں[1]۔ طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنّت نبویہ ہے نہ مذہبِ معین کا۔ مقلد ہو رہنا اور کسی بڑے عالم کی بات پر جم جانا کہ جو اس کا مذہب ہو اسی پر عمل کریں، مذہب معین پر تعصب کرنا اس قوم کا طریقہ ہی نہیں"۔ انتہیٰ۔ اور ملاجیون تفسیر احمدی میں ایک کلام کے ضمن میں لکھتے ہیں "بلکہ جائز[2] ہو مقلد کو یہ کہ عمل کرے ایک مذہب پر۔ پھر دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے جیسا کہ بہت سے اولیاء سے منقول ہوا ہے اور جائز ہو کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب پر عمل کرے اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے مذہب پر جیسا کہ صوفیا کا مذہب ہے"۔ انتہیٰ۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی تحصیل التعرف[3] میں لکھتے ہیں۔ "مذہب صوفیہ کا احکام میں تابع فقہاء کے ہے۔ اصول میں اور فروع میں۔ کیونکہ انھوں نے احکام کو لکھا اور تتبع کیا۔ مگر صوفی لوگ مذاہب میں سے کسی کا مذہب ہو وہ مسائل اختیار کرتے ہیں جو حدیث کے موافق ہوں"۔ انتہیٰ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اولیاء کرام اور صوفیہ عظام کا مذہب تقلید شخصی نہ تھا بلکہ بشیتر اُن کا رنگ اہلحدیث کے مسلک کے موافق تھا۔ پس یہ حجّت جو مقلدین نے بیان کی یہ تو خود اُن کے اوپر حجّت ہے۔ دوسرے فرضاً اگر ہم تسلیم کرلیں کہ کوئی ولی مقلد گزرا ہے تو ولی کے واسطے یہ ضرور نہیں کہ وہ خطاء سے معصوم ہو اور جس مسئلہ پر عامل اور جس

---

[1] عبارت یہ ہے: ان طریقۃ المشائخ الصوفیۃ عموماً وطریقۃ الاکابر النقشبندیۃ خصوصاً اتباع السنۃ النبویۃ وعدم التقلید بمذھب معین اوقول عالم صدق محقق لیس التعصب بمذھب معین من آداب القوم واخلاقھم انتہیٰ۔

[2] عبارت یہ ہے: بل یجوز لہ ان یعمل بمذھب ثم ینتقل الی اٰخر کما نقل عن کثیر من الاولیاء ویجوز لہ ان یعمل فی مسئلۃ علی مذھب وفی اخری علی اخر کما ھو من مذھب الصوفیۃ انتہیٰ۔

[3] عبارت یہ ہے: ومذھبھم الصوفیۃ فی الاحکام تابع للفقہاء فی الفروع والاصول لانھم الذین حرروا الاحکام وتتبعوھا فی الفصول غیرانھم یاخذون من المذاھب بما یوافق الحدیث انتہیٰ۔

مسلک پر ہو وہ بالکل صحیح ہو۔ ان ائمہ سے بڑھ کر کون ولی ہوگا جب اُن سے خطا اجتہادی ہونا اور کسی مسئلہ پر خطا پر رہنا جائز ہے تو اور ولیوں کے حق میں کیوں نہ جائز ہوگا۔ صحابہ کے اکمل الاولیاء ہونے سے کون ناواقف ہے اُن میں آپس میں بعض بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ضرور ایک حق پر تھا اور ایک خطا پر، مگر اس سے ان کی بزرگی اور ولایت میں فرق نہیں آسکتا۔ نیت بخیر چاہیے۔ ہاں جان بوجھ کر اگر غلط مسلک پر قائم رہے اور ہٹ دھرمی کو کام میں لائے وہ ولی نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے پہلے زمانے کے لوگوں کی عموماً معذوری کی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ تیسرے، یہ شرط تسلیم مذکور ظاہر ہے کہ جس قدر اولیاء اللہ اور بندگانِ کاملین اور خیر القرون اور چوتھی صدی تک غیر مقلدین گزرے مقلدین میں ہرگز اس قدر نہیں ہوئے۔ تو اگر کسی مسلک کا اس میں ولی گزرنے سے اس کا حق ہونا اور اُس کے خلاف کا حق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اہلحدیث کا مذہب خود اسی دلیل سے حقانیت کے ثبوت کا پایہ اپنے مخالف کی نسبت زیادہ قوی رکھتا ہے۔ چوتھے ولایت ایک ایسا امر ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا کون ولی ہے اور اس کے نزدیک کس مرتبے پر پہنچا ہوا ہے۔ پس اپنے خیال کے موافق کسی کو ولی قرار دے کر اس کے قول و فعل سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ حق و باطل کے دریافت کا معیار صرف کتاب و سنت ہے۔

عددی کثرت، حقانیت کی دلیل نہیں:

کوئی کہتا ہے کثرت سے مقلدین ہی ہیں اور انھیں کی جماعت عظیم ہے اور سلطنت بھی انھیں کی ہے اور پہلے بھی رہی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق پر وہی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قدر بندوں کو اس پر کاہے کو رکھتا اور کیوں اُن کو سلطنت دیتا۔ لیکن یہ دلیل محض ایک شبہ ہی شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کثرت کو حقانیت کے پہچاننے کا معیار کہیں نہیں قرار دیا اور نہ کہیں بتایا کہ جو زیادہ ہوں وہی حق پر ہیں بلکہ اہلِ حق تو اور قلت کے لفظ سے تعبیر کیے گئے: إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ[1]۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ[2]

[1] یعنی ایمان والے اور نیکوکار لوگ بہت کم ہیں (سورہ ص رکوع ۲)۔

[2] اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں حق ماننے والے۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب (سورہ سبا۔ ۲)

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔[1] وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ[2] ۝ اور پیغمبر صاحب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی امت میں سے ایک طائفہ ہی کو حق پر قائم رہتا ہوا فرمایا۔ اس کے سوا تم اپنے زمانے میں مردم شماری کے لحاظ سے دیکھو۔ مردم شماری میں مسلمان بہ نسبت کفار کے کس قدر کم ہیں۔ اور پھر ان میں سے شیعہ وخارجی وغیرہ کو علیحدہ کر کے صرف اُن کو جو اہل سنّت کہلاتے ہیں دیکھو تو اور کم رہ جائیں گے اور پھر مقلدین میں جو آپس میں اختلاف ہے۔ مثلاً کوئی دیوبندی المذہب میں ہے کہ وہ دوسرے مقلدوں کو بدعتی اور مشرک اور گمراہ بتلاتے ہیں اور کوئی معمولی حنفی جو ان کو وہابی اور گمراہ کہتے ہیں اُن میں ہر فرقہ اگر اپنی جماعت کو چھانٹ کر دیکھے جن کو راہِ راست پر خیال کرتا ہے اور باقی سب کو گمراہ تو وہ بہ نسبت تمام آدمیوں کے کس قدر کم بیٹھیں گے۔ پس کوئی زیادتی کو علامت حقانیت اور کمی کو دلیل ناحق ہونے کی کیسے کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح سلطنت کا حال ہے۔ دیکھو آج دنیا میں خود مختار حکمران سلطنتیں کفار کی کتنی ہیں اور مسلمانوں کی کتنی۔ اور پھر جو مسلمانوں کی ایک دو ہیں تو وہ ایک سلطنت شوکت وقوت و دولتمندی و دُنیاوی ترقیوں کے لحاظ سے کفار کی سلطنتوں میں سے کسی ایک بڑی سلطنت کا بڑی مشکل سے مقابلہ کر سکتی ہے یا کر ہی نہیں سکتی۔ پس سلطنت کو دلیل حقانیت کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے اور آخران زمانوں میں جبکہ اسلام اپنی شادابی پر تھا اور ایمان اور عمل صالح کا باغ سرسبز تھا۔ عنانِ حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں دی گئی وہ اہل حدیث ہی تھے اور اللہ تعالےٰ کا سچا وعدہ[3] خلیفہ کرنے کا ان کے حق میں پورا ہو گیا۔ اس بیان سے ناظرین خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ جو اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ سے دلیل لاتے ہیں

---

[1] یعنی اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو گمراہ کر دیں (سورہ انعام رکوع ۱۴)۔

[2] یعنی اکثر مؤمن باوجود دعوئی ایمان۔ کے شرک میں مبتلا ہیں (سورہ یوسف رکوع ۱۲)۔ معلوم ہوا اہل حق قلیل ہی ہوتے ہیں اور ایمان کے دعوے رکھنے والوں میں سچے موحد کم ہی ہوتے ہیں۔

[3] یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ الاٰیۃ ۝ (النور - رکوع ۷)

وہ کیسی غلطی پر ہیں[1]۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے ثبوت میں بھی کلام ہے۔

ایک مغالطہ کا جواب:

کوئی کہتا ہے۔ اگر غیر مقلدوں کا مذہب بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی بات قابلِ انکار نہیں تو یہ بہت سے علماء جو ان کے خلاف ہیں وہ ان کے مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے اور یہ باتیں ان کے ذہن میں کیوں نہیں سماتیں۔ لیکن یہ ایک ایسی بات ہے جو کسی مناظرے میں یا تحقیقِ حق کے موقعہ پر کسی طرح پیش کرنے کے لائق نہیں۔ ورنہ اگر ہم کسی ہندو یا عیسائی کو بین دلائل کے ساتھ اسلام کی حقانیت اور اس کے مذہب کا ابطال ثابت کر دیں اور اس وقت وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ اگر یہ تمہارے دلائل اور باتیں صحیح ہوتیں تو ہمارے مذہب میں جو بڑے بڑے پنڈت یا پادری ہیں کہ جو بڑے بڑے ذی علم اور خدا ترس اور دیندار ہیں ان کے ذہن میں یہ باتیں کیوں نہیں سماتیں اور وہ اس مذہب کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے یا مثلاً کسی شیعی یا خارجی، یا معتزلی یا نیچری یا کسی مبتدع کو کافی دلائل کے ساتھ لاجواب کر دیں اور حق بات سمجھا دیں اور پھر اُس وقت وہ یہی شبہہ اپنے علماء اور اہل الرائے کے مخالف ہونے کا پیش کرے تب ہم اس کو کیا جواب دے سکتے ہیں اور کیا اس وقت ہمارا یہ کہہ دینا کہ تمہارے عالم سب کج فہم یا بے ایمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ڈر اپنے جی میں نہیں رکھتے اور جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں کافی ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ پس یہ حجت کسی حق کے ثابت ہو جانے کے بعد کس طرح پیش کی جا سکتی ہے۔ دوسرے ہم اس کے معارضے میں یہ کہیں گے کہ اگر ہمارا یہ مذہب اور اس کے دلائل صحیح نہ ہوتے تو اس قدر علماء اور یہ بڑے بڑے سمجھدار دیندار لوگ کیوں اس کے قائل ہوتے۔ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔

تیسرے بہت سے وہ وجوہ جو فقہاء کی نسبت جو شبہہ تھا اس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں[2]

---

[1] کیوں کہ وہ جو اس کے معنی بتا کر اپنی دلیل لاتے ہیں وہ معنی نصوص قرآنیہ اور واقعات کے بالکل خلاف ہیں پس وہ معنی کیونکر صحیح ہو سکتے ہیں۔

[2] دیکھو صفحات ۲۹۶ و ۲۹۹ تا ۳۰۰

وہ اُس کے جواب کے لیے بھی کافی ہیں۔ اُن میں سے ایک جواب نہیں بلکہ کئی جواب اس شبہ کے بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ ان وجوہ کے سوا ایک وجہ ان علماء کی موافقت اہل حدیث نہ رکھنے کی یہ بھی ہے کہ رسم و رواج کا پردہ اور اپنے پرانے خیالات کا ذہن میں مرکوز ہونا اس کے قبول سے بڑا حاجب و مانع ہے جیسا کہ ہم متعدد مقام پر بیان کر چکے۔

تقلید اور اتباع میں فرق:

کوئی کہتا ہے غیر مقلد جو تقلید سے منکر ہیں وہ بھی تو آخر کسی نہ کسی کی تقلید کرتے ہیں۔ کیونکہ جو ذی علم ہیں وہ بخاری و مسلم وغیرہ حدیث شریف کی کتابوں والوں کی جن سے حدیث لیتے ہیں مقلد ہیں۔ اور جو بے پڑھے ہیں وہ اس زمانے کے مولویوں کے جن سے مسئلہ دریافت کر کے عمل کرتے ہیں مقلد ہیں۔ غرض تقلید سے کوئی خالی نہیں۔ بلکہ عوام غیر مقلد بہ نسبت عوام مقلدین کے ایک اور غلطی کرتے ہیں کہ بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔

لیکن یہ شبہ بھی محض ایک غلطی پر مبنی ہے۔ جو بات کوئی شخص بطور نقل و حکایات کے بیان کرے اُس بات کے ماننے کو اُس کی تقلید نہیں کہا جا سکتا۔ تقلید اسی وقت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص کوئی بات اپنے طور پر کہے اور بلا اس کی دلیل معلوم کیے ہوئے اس کے بھروسے پر اُس کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور جو شخص کسی بات کا نقل کرنے والا ہو اور دوسرے سے اس کو روایت کرے تو وہ محض ایک واسطہ ہوتا ہے اور اس بات کا ماننے والا اس کا مقلد نہیں کہلاتا بلکہ منقول عنہ کا جس سے وہ بات منقول ہے اعتبار ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھو وہ مسائل جو ان فقہ کی کتابوں مثل درمختار و ہدایہ و شرح وقایہ و عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہیں اور علماء حنفیہ ان کتابوں سے اُن مسائل کو لیتے اور عمل کرتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ ان کتابوں والوں کے مقلد نہیں کہلاتے بلکہ وہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ ہی کے مقلد کہلاتے ہیں۔ جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مسائل دراصل امام ابو حنیفہ صاحبؒ کے مقولے اور ان کے بتائے ہوئے ہیں اور یہ کتابوں والے محض ایک واسطہ ہیں۔ اسی طرح عوام مقلدین جو اپنے ہمعصر علماء حنفیہ سے مسائل دریافت کر کے عمل کرتے ہیں تو یہ ان کے مقلد

نہیں کہلاتے۔ بلکہ امام ابوحنیفہ کے مقلد کہلاتے ہیں جس کا سبب بس یہی ہے کہ یہ علماء اُن مسائل کو اپنے طور پر نہیں کہتے بلکہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے قول کی حکایت وروایت کرتے ہیں۔

اہلحدیث کسی کے مقلد نہیں:

پس اسی طرح محدثین نے جو احادیث جمع کیں اور لکھیں ان احادیث کا ان سے لینے والا ان کا مقلد نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ وہ ان کا قول نہیں ہے بلکہ وہ احادیث رسولؐ ہیں جن کو وہ روایت کرتے ہیں اور وہ محدثین اور دیگر رواۃ حدیث محض ایک واسطہ ہیں جیسا کہ کتب فقہ کے مؤلفین اور دیگر حنفی مولوی امام ابوحنیفہؒ کے قول کے نقل کے لیے محض ایک واسطہ ہیں اور ان سے لینے والے ان کے مقلد نہیں کہلاتے۔ اس کے علاوہ اگر نقل وحکایت کرنے والے کی حکایت کردہ بات کو ماننے والا نقل کرنیوالے کا مقلد کہلائے۔ تو ماننا پڑے گا کہ ائمہ اربعہ بھی مقلد ٹھیریں۔ اس لیے کہ اُنھوں نے بھی تو احادیث آخر رواۃِ حدیث اور محدثین ہی سے اخذ کیں اور لیں۔ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے نہیں سُنیں حالانکہ ان کا مقلد ہونا تسلیم نہیں کیا جاتا۔ پس اہلحدیث محدثین کی احادیث لینے سے ان کے مقلد کیسے ٹھیرائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح محدثین نے جو رواۃ حدیث کی جرح وتعدیل کی تو بیشتر ان کے حالات مشاہدہ وغیرہ کے ذریعے سے حکایت کیے جیسا کہ شاہد کسی بات کی حکایت کرتا اور شہادت دیتا ہے۔ تو جیسا کہ شاہد کی بات کا ماننا تقلید میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح جرح وتعدیل کا ماننا تقلید میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی حکایت کرنے والے کی بات کو ماننا تقلید ٹھیری تو لازم آئیگا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نعوذ باللہ بعض افراد امت کے مقلد ٹھیریں۔ اس لیے کہ کتنے واقعات ہیں جو آپؐ نے افرادِ امت سے سُن کر ان کو باور کیا۔ بلکہ بعض کو اور دوسروں کے سامنے حکایت بھی کیا۔ اسی طرح محدثین نے جن احادیث کی تصحیح اور تضعیف کی عموماً اُس کے ساتھ ہی اُس کی وجوہ اور دلائل بھی بیان کر دیئے صفات رواۃ کے لحاظ سے اگر یہ بحث تھی تو اُس کو کھول دیا اور اگر علل خفیہ کی بنا پر تھی

تو بشیتر جو کچھ اُن کو کھٹکا تھا بیان کر دیا۔ اُنھوں نے کسی کو اپنی تحقیقات کو مجرد ان پر بھروسہ کر کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ دعوے کو دلیل کے ساتھ بیان کیا۔ پس[1] اس کا ماننا بھی تقلید نہیں۔ کیونکہ تقلید بات کے لیے دلیل مان لینے کا نام ہے۔ الحاصل علماء اہلحدیث محدثین سے جو احادیث لیتے ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں۔ کیونکہ محدثین اور رواۃ حدیث تو محض واسطہ ہیں اور منقول عنہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے قول وفعل و تقریر کے ماننے کا نام تقلید ہے ہی نہیں۔ رہے عوام اہلحدیث تو اُن کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی عامی کسی اہلحدیث سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے اور وہ اس کے جواب میں وہ حدیث جو اس بارے میں آئی ہے روایت کر دیتا اور سمجھا دیتا ہے (چنانچہ اہلحدیث میں عموماً یہی دستور ہے) تو ظاہر ہے کہ وہ عامی کسی کا مقلد نہیں ہوا۔ یہ بتانے والا ایک راوی ہے جس نے قولِ شارع کو روایت کر دیا۔ اور روایت کا تسلیم کرنا داخل تقلید نہیں ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔ اور اگر وہ مسئلہ جو عامی اہلحدیث نے دریافت کیا کسی صریح آیت یا حدیث میں نہیں وارد ہوا یا اس بتانے والے عالم کو اس مسئلہ کی بابت صریح حدیث معلوم نہ تھی اور اس نے استنباط کر کے بتایا اور وجہ استنباط بھی بیان کر دی خواہ وہ استنباط اسی کا ہو یا پہلے کسی مجتہد کا، تب بھی وہ عامی اس عالم کا مقلد نہیں کہلائے گا اس لیے کہ اس نے اپنا عندیہ یا کسی دوسرے کا بلا بیانِ دلیل نہیں تسلیم کرایا۔ علماء اہلحدیث کا مسائل بتانے میں اکثر یہی طریقہ ہے کہ دلیل بھی ساتھ بیان کر دیتے ہیں اور سلف کے مذاہب بھی۔ اور چونکہ بشیتر عامۃ الورود مسائل ایسے ہی ہیں کہ جن میں علماء سلف اور ائمہ مشہورین کلام کر چکے ہیں لہٰذا اکثر مسائل ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں وہ کسی مشہور اور مقتدا امام کا موافق ہوتا ہے، لہٰذا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بڑوں کی تقلید چھوڑ کر چھوٹوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اوّل تو تقلید ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو انھیں بڑوں میں سے کسی کی ہوئی۔ اور یہ شخص اس بڑے مجتہد کے قول کا حکایت کرنے والا ہے۔ اُس کے علاوہ

---

[1] اگر کسی مختصر و ملخص کتاب میں مذکور نہیں تو دوسری مبسوط و مفصل کتاب میں ضرور موجود ہے

عموماً متاخرین کا باعتبار معلومات کے متقدمین سے کم درجہ ہونا بھی تسلیم نہیں جیسا کہ اوپر مفصّل گزر چکا۔

اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق :

بہر حال اہل حدیث پر الزام تقلید سے خالی نہ ہونے کا یا بڑوں کو چھوڑ کر چھوٹوں کے مقلّد ہونے کا محض ایک غلطی ہے۔ اور اگر کوئی صورت ایسی بھی پیدا ہو جس سے کسی اہلحدیث کے عمل پر کسی مسئلہ میں تقلید صادق آسکے۔ تاہم اُن کی تقلید اِن مقلّدین کی سی تقلید نہیں۔ ان کو اس عالم کا جس سے وہ دریافت کرتے ہیں رائے وعندیہ دریافت طلب نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اسی کے قول وعندیہ کی ہر وقت وہر موقع پر تلاش نہیں رکھتے۔ ان کا مقصود تو صرف قرآن وحدیث کی تلاش ہے جس عالم سے مل جائے اور پھر جس عالم سے دریافت کیا، اگر کوئی دوسرا مستند عالم اس کے خلاف قرآن وحدیث سے ثابت کر دے تو اس کے قبول میں ان کو کوئی عذر نہیں۔

برخلاف مقلّدین کے کہ ان کو اپنے ہی امام کے عندیہ اور مذہب کی تلاش رہتی ہے جب کسی مسئلہ کی ضرورت ہو یہی جستجو ہوتی ہے کہ ہمارے امام کا اس میں کیا مذہب ہے۔ پھر جو ان کا مذہب معلوم ہو جائے اسی پر اصرار ہے۔ دوسرے ائمہ امت کے اقوال اس کے مقابلے میں ہیچ اور ناقابلِ التفات ہیں۔ حالانکہ کوئی وجہ اس کی نہیں بتا سکتے کہ ہر شخص کے لیے اُس امام کا مذہب جس کو اُس نے خود یا اُس کے باپ دادا نے مقرّر کیا ہے، کیسے شرع محمدی قرار پا گیا۔ فتاوے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور دوسرے مجتہدین امت محمدیہؐ کے اس کے حق میں کیوں مہمل اور بے کار ٹھہر گئے۔

دینِ حق را چار مذہب ساختند !

اللہ ایک۔ رسولؐ ایک۔ اور ان کا دین ایک۔ لیکن لوگوں نے اس کے چار حصّے کر دیئے۔ اور دین کو چار حصّوں پر بانٹ لیا۔ اور ہر مسلمان کے ذمّہ لازم ٹھہر دیا کہ وہ انھیں چار حصّوں میں سے کسی ایک حصّہ کو خصوصیّت کے ساتھ پکڑے اور پھر

ہر ایک دوسرے کے مسائل کا رد بھی کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہر ایک مذہب کے جملہ مسائل حق ہیں تو ردّ و قدح کیوں ہے، اور اگر جملہ حق نہیں ہیں بلکہ حق دائر ہے اور اصل میں حق ایک ہی ہے تو کسی ایک کی آنکھ میچ کر جملہ مسائل میں پیچھے ہو رہنے کی اوز باوجود قدرتِ تحقیق کے تحقیق نہ کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اور جو بے چارہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا متلاشی ہو اور اختلاف میں راجح کی جستجو کرے یا اُن کی اپنی طرف سے خانہ ساز تعیین مذہبی و تقلید شخصی کا التزام نہ کرے تو وہ مردود و گمراہ کیوں بنایا جاتا ہے۔

فطوبیٰ للغرباء!

افسوس! غرباء اسلام کو جو اسلام کی عین تعلیم کے پیرو اور اُس کے اصلی رنگ کے ساتھ رنگین ہیں ان کو کیسا ذلیل و خوار سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کا کچھ قصور نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ خالص اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی تابعداری کرنا چاہتے ہیں اور اللہ ہی کے واسطے طرح طرح کی زحمتیں اور مخالفین کی تہمتیں سہتے ہیں۔ اے اللہ! تو ان کو اور مضبوطی دے اور اتباعِ حق کی اور بھی زیادہ توفیق عنایت فرما۔ سو اے لوگو! ذرا غور اور انصاف سے کام لو۔ یہ دین کا معاملہ ہے ایک دن ضرور یہ تمہارا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ذرا اس سے ڈرو۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ —— (البقرۃ - رکوع ۳۸) —— ترجمہ "یعنے ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کمایا اس نے اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔" ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے آخر یہی آیت اُتری۔ اس کے نازل ہونے کے نو دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ بعض روایات میں نو دن کے بجائے دوسرے عدد بھی بتائے گئے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر و فتح الباری شرح صحیح بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ۔



حامداً و مصلیاً

ناظرین کتاب ہذا کی خدمت میں چند ضروری التماس

(از مؤلف کتاب)

(۱) ہم کسی صاحب کو رائے نہیں دیتے کہ وہ اس کتاب کے متفرق مقامات دیکھ کر چھوڑ دیں اور اوّل سے آخر تک اس کو مع متن و حاشیہ کے نہ دیکھیں اسلیے کہ ایسا کرنے میں ہم کو خوف ہے کہ وہ بجائے فائدہ اٹھانے کے کتاب کے اصلی مدعا کے سمجھنے میں کہیں غلطی میں نہ پڑ جائیں۔ ٹھیک ٹھیک اس کتاب کے اغراض و مقاصد تک وہی پہنچ سکتا ہے جو کل کتاب کو ذرا غور کے ساتھ پڑھے۔ لہذا مناسب نہیں ہے کہ کوئی صاحب بلا کل کتاب ملاحظہ فرمائے ہوئے موافق یا مخالف رائے قائم کریں۔

(۲) صحیح بات کے قبول کرنے میں کسی آدمی کو دریغ نہ چاہیے اور حق کے مقابلے میں کسی طرح لائق نہیں ہے کہ کوئی اپنی بات پر ہٹ یا سخن پروری کو کام میں لائے چونکہ یہ کتاب دینی مباحث میں لکھی گئی ہے اس واسطے اس میں اس بات کا خیال رکھنے کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ ہم اپنے ناظرین کی خدمت میں بہت الحاح کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ وہ اگر کسی بات میں ہماری غلطی دیکھیں تو خاص طور پر ہم کو اطلاع دیں ہم بہت خوشی کے ساتھ حق بات قبول کرنے کو تیار ہیں یا دو طبع دوم میں یا اس سے قبل بذریعہ کسی اعلان کے انشاء اللہ شکریہ کے ساتھ اس کی اصلاح کر دیں گے۔

(۳) ہم نے جو جا بجا اہل علم کے اقوال نقل کیے تو گو ہم بخوف طول ہر جگہ عبارات نہیں نقل کر سکے لیکن ترجمہ میں ضرور خیال رکھا کہ اسکے اصل مطلب سے کوئی بات نہ بڑھنے پائے۔ اور اگر کہیں کوئی لفظ ایضاح مطلب کی غرض سے زائد لکھا تو خطوط ہلالی (بریکٹ) کے درمیان میں لکھا کہ ممتاز رہے اور جب قول ختم ہوا تو لفظ انتہی کا اسکے ختم کی علامت لکھ دیا۔ پس لفظ انتہی سے پہلے جو عبارت ہے وہ اسی کی ہے جس کا نام لے کر لکھی گئی اور بیشتر عبارات حاشیہ پر نقل بھی کر دیں، اور جہاں بخوف طول وغیرہ نقل نہ کر سکے حوالہ دے دیا۔ جس کو شک ہو اصل کی طرف رجوع کرے۔

(۴) تاریخی امور مثل موالید و وفیات کے متعلق جو ہم نے سنین بیان کیے ممکن ہے کہ کسی صاحب کو تاریخ کی کسی کتاب میں اس سے کسی قدر تقدم یا تأخر کے ساتھ نظر پڑیں اس لیے کہ اس قسم کے اوقات کے بیان میں مؤرخین کا اختلاف بھی ہے اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ جو قول ہم نے اختیار کیا وہ سب سے اصح ہے اس لیے کہ اس کی تحقیق میں زائد وقت صرف کرنے کو ہم نے اپنے موضوع بحث کے لیے زیادہ ضروری نہیں پایا۔ کیونکہ اگر وہ ایک برس پہلے ہے تو کیا اور پیچھے ہے تو کیا۔

(۵) جو باتیں اس کتاب میں ہم نے الزاماً اور فریق مقابل کے مسلمات سے نقل کیں انکا ہم کو ثابت کرنا یا ہم کو مسلم ہونا ضرور نہیں۔

بلاک ۱۹، سرگودھا 0300-6040271